

نعت رنگ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ

آفتاب کریم کی زیر ادا رت شائع ہونے والے کتابی سلسلے

”سفیر نعت“

کا محسن کا کوروی نمبر شائع ہو گیا ہے

﴿ملنے کا پتا﴾

اکادمی بازیافت، اردو بازار، کراچی

کتاب سرائے، اردو بازار، کراچی

فضل بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی

معروف شاعر ادیب محقق قمر عینی کی دو اہم کتابیں

”ولائے رسول“ (نعتیہ مجموعہ) قیمت: ۱۱۰ روپے

اور

”تذکرہ نعت گویان راولپنڈی، اسلام آباد“ قیمت: ۱۲۰ روپے

﴿طلب فرمائیں﴾

کتاب ساز پبلی کیشنز، دریا آباد، راولپنڈی (کینٹ)

ممتاز نعت گو، ادیب اور محقق علیم صبا نویدی کی نئی کتاب

”نمل ناڈو میں نعت گوئی“

مرتبہ: ڈاکٹر جاوید حبیب

قیمت: ۵۰۰ روپے

﴿ملنے کا پتا﴾

مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی

نمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، ۲۶/امیر القاسم بیگم اسٹریٹ، چیمبری ۲، ۶۰۰۰۰۲، انڈیا

صاحب طرز ادیب پروفیسر محمد اقبال جاوید کی ایک دقیق علمی کاوش

”قرآن حکیم اردو منظومات کے آئینے میں“

قیمت: ۱۵۰ روپے

ناشر: علم و عرفان پبلشرز، ۳۳/اردو بازار، لاہور

”نعت رنگ“ کی ایک اور قابل فخر پیش کش

”مولانا احمد رضا خان نمبر“

جلد زیور طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے

ناشر: اقلیم نعت: ای۔ ۲۰۱، صائمہ ایونیو، سیکٹر ۱۲۔ بی، شادمان ٹاؤن نمبر ۲، شمالی کراچی ۷۵۸۵۰

اس شمارے کی قیمت

پاکستان : 150 روپے

بیرون ملک

(بذریعہ ایئر میل)

سعودی عرب : 25 ریال

یو اے ای : 30 درهم

امریکا : 10 ڈالر

برطانیہ : 7 پاؤنڈ

مرتب

مجلس مشاورت

پروفیسر حفیظ تائب، ڈاکٹر عاصی کرنالی
پروفیسر محمد اقبال جاوید، پروفیسر محمد اکرم رضا
رشید وارثی، عزیز احسن، سید افتخار حیدر

سرورق پر نمونہ خطاطی

ناشر

CONTACT

Aqleem-e-Naaf

Kitab Market

Urdu Bazar, Karachi

Pakistan.

Tel : (92-21) 6901212

Fax : (92-21) 4941723

E-mail : naatrang@yahoo.com

بیرون ملک نمائندے

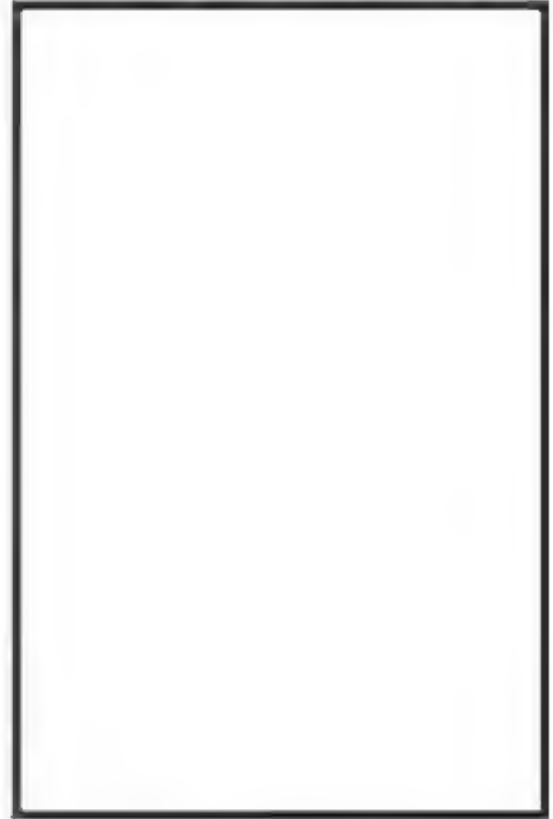
اطہر عباسی : (جدہ) سعودی عرب
ڈاکٹر عبدالرحمن عبد : (نیویارک) امریکا
ڈاکٹر ثقی عابدی : (ٹورانٹو) کینیڈا
سید نظیر حسین عابدی : (متحدہ عرب امارات)
سید علی مرتضیٰ رضوی : (لندن) برطانیہ
محمد عبدالرحمن صدیقی عابد : جاپان

ہندوستان میں

ڈاکٹر سید یحییٰ عقیل : (کلکتہ)
ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی : (علی گڑھ)
ندیم صدیقی : (ممبئی)

مرتب و ناشر صحیح رجحانی نے فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ سے چھپوا کر مرکزی دفتر اقلیم نعت
۲۰۱- ای، صائبر ایونو، سیکٹر ۱۳ بی، شادمان ٹاؤن نمبر ۲، شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ سے شائع کیا۔

نامور محقق و نقاد پروفیسر شفقت رضوی کی چوبیسویں کتاب



شائع ہوئی ہے

صفحات ۳۳۲ قیمت ۲۴۰ روپے

ناشر: مہر منیر اکیڈمی انٹرنیشنل

﴿لئے کا پتا﴾

اکادمی بازیافت، اردو بازار، کراچی

کتاب سرائے، اردو بازار، لاہور

فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی

جناب شفقت رضوی کے بارے میں جب میں سوچتا ہوں تو ”اسکار جیسی“ کے الفاظ لوحِ ذہن پر چمکنے لگتے ہیں۔ معاذہ اور سود و زیاں کے اس دور میں کتنے ہی اہل علم ہیں اور معاذہ جو نفع نقصان کے ہر تصور سے بیگانہ ہو کر علمی و ادبی کام کرتے ہیں۔ شفقت رضوی کے علاوہ اور کوئی نام آپ کے ذہن میں آئے تو مجھے مطلع کیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

شفقت صاحب نے ادب کے کئی گوشوں کو منور کیا ہے۔ دکنی دور کے کئی اکابر پر انھوں نے کام کیا اور سراج اور نگ آبادی پر ایک مستقل کتاب ہمارے ادب کو دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ سراج کی طرح وہ بھی ”شارخ نہال خم“ کے امین ہیں۔ ہمارے ادب کے درویش اعظم حسرت موہانی پر انھوں نے جتنا اور جیسا کام کیا ہے اُس میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

”نعت رنگ“ کے حوالے سے وہ نعتیہ ادب کے نقادوں میں شامل ہوئے۔ انھوں نے اس میدان میں تحقیق اور تنقید کو جس طرح ہم آہنگ کیا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ وہ محقق نقاد ہیں۔ شفقت صاحب جس شاعر اور نقاد کے بارے میں لکھتے ہیں اُس پر خود اپنی تفہیم کے در کھلتے ہیں۔ وہ اتفاق اور اختلاف میں بھی ادب کے مطالعوں کو اپنی ذات سے اوپر رکھتے ہیں۔ اُن کے ہاں ایک عالمانہ ہمدردی بھی ہے جو کہیں کہیں مجروح ہو جاتی ہے۔

”نعت رنگ“ کے چندہ شاعروں کا ”تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ“ ایک تنقیدی جائزہ ہے اور اس سے ایسے جائزوں کا ایک نیا مہم شروع ہوتا ہے۔ یہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہے کہ ”نعت رنگ“ کو بے مثال اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ جائزے کے ساتھ ساتھ ”نعت رنگ“ کا اشارہ بھی شامل کتاب ہے۔ اس طرح شفقت رضوی نے ذہن کی جودت میں محنت کے بیج کا رنگ شامل کر دیا ہے۔

شفقت صاحب کا کمال یہ ہے کہ وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں وہ اُن کا خاص موضوع معلوم ہونے لگتا ہے۔ خدا اُن کی عمر اور قلم میں برکت دے اور قلم کی روانی کو برقرار رکھے۔

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی

سابق صدر شعبہ اردو، جامعہ کراچی

دھنک

۷	خواجہ معین الدین چشتی / ترجمہ: سیفی فرید آبادی	حمد
۱۱	خواجہ معین الدین چشتی / ترجمہ: سیفی فرید آبادی	نعت
۱۲	صبح رحمانی	ابتدائیہ

مقالات و مضامین

۱۵	مسعود الرحمن خان ندوی	عہد نبوی ﷺ میں مدح رسول ﷺ
۴۱	پروفیسر محمد اقبال جاوید	ظہور قدسی اردو نعت کے آئینے میں
۵۵	ڈاکٹر سید یحییٰ شہید	اردو میں منظوم سیرت نگاری...
۷۲	ڈاکٹر محمد سلطان شاہ	نعتیہ شاعری میں ذکر احادیث رسول
۸۶	ڈاکٹر سید یحییٰ شہید	معراج نامہ بلاقی
۱۰۳	پروفیسر محمد فیروز شاہ	اصناف سخن کا تنوع اور نعت
۱۳۵	راجا رشید محمود	"دیار نعت" پر اعتراضات کا تجزیہ
	☆.....☆	
۱۶۰	ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشتی	گوشہ افکار عارف

فکرو فن

۱۷۰	پروفیسر محمد اکرم رضا	مہر عالم تاب نعت
۱۹۳	ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی	علامہ فیض الحسن سہارنپوری کی نعتیہ شاعری
۲۲۰	ظہیر غازی پوری	تاج الفحول ایک مداح رسول
۲۳۳	پروفیسر شوذب کاظمی	عرش صدیقی کی نعتیہ شاعری
۲۳۲	ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشتی	مقبول نقش کا نقش عقیدت

تابش دہلوی (کراچی)، منظر ایوبی (کراچی)، احمد صغیر صدیقی (کراچی)، رشید دارٹی (کراچی)
 قمر دارٹی (کراچی)، ظہیر غازی پوری (بھارت)، قیصر نجفی (کراچی)، ظہور الاسلام جاوید (ایوٹھپی)
 محمد فیروز شاہ (میانوالی)، عزیز احسن (اسلام آباد)، سعید روشن (ایوٹھپی)، یعقوب تصور (ایوٹھپی)
 محمد علی صدیقی شیدا (بھارت)، مقصود احمد تبسم (متحدہ عرب امارات)، فراغ روہوی (بھارت)
 اقبال حیدر (کراچی)، طارق حسن عسکری (مدینہ منورہ)، الطہر عباسی (جدہ)، مختار علی (جدہ)
 ظفر مہدی (جدہ)، غمار قریشی (بھارت)، فیض رسول فیضان (گوجرانوالہ)
 حافظ نور احمد قادری (اسلام آباد)

مطالعاتِ نعت

۲۷۴	اردو نعت کے جدید رجحانات (تعارف و تبصرہ) شفقت رضوی
	جدید اردو نعت گوئی اور کاروانِ حرم کا
۲۸۱	حوالہ جاری نظام ڈاکٹر ریاض مجید
۲۸۶	نعت کی عقلی سچائیاں فکر و فن کا چراغاں پروفیسر قیصر نجفی
۲۹۴	نعت اور آدابِ نعت پر ایک نظر پروفیسر قیصر نجفی
۲۹۹	”سفیرِ نعت“ کا محسن کا کوردی نمبر عزیز احسن
۳۰۱	یثاق۔ عقیدت و حبِ رسول کا نیا عہد نامہ اوصاف احمد
۳۰۸	رب آشنا ایک تجزیہ ایک تاثر پروفیسر غفور شاہ قاسم
۳۱۴	حاصلِ مطالعہ تبصرہ نگار: پروفیسر قیصر نجفی

سموم و صبا (خطوط)

۳۳۹	ڈاکٹر سید وحید اشرف پکھو چھوی (بھارت)، شاہ مصباح الدین کلیل (کراچی)
	ڈاکٹر سید یحییٰ نعیم (بھارت)، مولانا ککب نورانی اوکاڑوی (کراچی)
	احمد صغیر صدیقی (کراچی)، ظہیر غازی پوری (بھارت)، محمد فیروز شاہ (میانوالی)
	پروفیسر قیصر نجفی (کراچی)، رشید ارشد (سیالکوٹ)، سید ریاض حسین زیدی (ساہیوال)
	رزاق افسر (بھارت)، حافظ عبدالغفار حافظ (کراچی)، مجید فکری (کراچی)
	پروفیسر فیض رسول فیضان (گوجرانوالہ)، مقصود احمد تبسم (دہلی)، محمد علی صدیقی (بھارت)
۳۳۵	نعت ریسرچ سینٹر (عطیات)



نعت گو شعرا کے قابل ذکر تذکرہ نگاروں

فانی مراد آبادی
ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری
محمد الدین فوق
محمد محفوظ الرحمن
سید یونس شاہ گیلانی
گوہر ملسیانی
نور احمد میرٹھی
ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب
ڈاکٹر شمس بدایونی
علیم صبا نویدی
حمایت علی شاعر
سید محمد قاسم
محمد سلیم چودھری
قمر ربیعہ
محمد صادق قصوری
اور
شا کر کنڈان

کے نام

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس اللہ سرہ

حمد باری تعالیٰ

ترجمہ منظوم علامہ سیفی فرید آبادی نور اللہ مرقدہ

حمدیکہ ہجو بحر کرم بیکراں بود حمد اس کی مثل بحر کرم بے کراں بنے
 حمدیکہ شکر نعمت ہر دو جہاں بود ایسی کہ شکر نعمت ہر دو جہاں بنے
 حمدیکہ در تضاعف ذرات کائنات ذرات نقش کن سے زیادہ ہے اس کی حمد
 چند اٹکے مستزاد کنی پیش ازاں بود جتنا بڑھائیں اس سے سوا بے گماں بنے
 حمدیکہ بدان مٹا بہ کہ ادراک کنہ آن وہ حمد مثل جس کی نہیں ماہیت شعور
 برتر ز پایہ خرد خردہ داں بود بیرون حیطہ خرد اس و جاں بنے
 حمدیکہ چون عماری عزت کند رواں وہ حمد گر عماری عزت رواں بنے
 بر منکب ملائکہ عکس رواں بود قدوسیان حکم سے زائد رواں بنے
 حمدیکہ در ہوائی ہویت ہمای دار حمد اس کی مثل طیر ہا جستجو کے وقت
 بر تخت گاہ ملک قدم سایہ باں بود بر تخت گاہ ملک قدم بے نشاں بنے
 حمدیکہ ظل رافض ابر کسے قد اس حمد کے علم کا جو سایہ کسی پہ ہو
 بر مسند مقاصد خود کامراں بود مسند نواز مقصد خود کامراں بنے
 حمدیکہ چوں ز حیطہ جاں سرحدوں کند نکلے حصار جان سے باہر جو اس کی حمد
 ہر تار موی برتن ازاں صد زباں بود اس تن کا بال بال مرا سو زباں بنے
 حمدیکہ چوں قدم کشد از ضیق کن فکاں اس تنگ نائے کن سے جو نکلے وہ حمد پاک
 جولا نکش بنا حیت لامکاں بود میدان کار خاصیت لامکاں بنے

حمدیکہ چوں زباں دہش زیور بیاں
 تحسینِ قدسیاں ہمہ نعم البیاں بود
 حمدیکہ در ہواش ملائک گلندہ پر
 آن خود چہ جای حوصلہ انس و جاں بود
 حمدیکہ نہ ملک کند انشانہ انس و جاں
 بل خود بذات خود حصہی آن بود
 بادا ثار ہارگہ قدس کبریا
 کان مقصد محامہ قدوسیاں بود
 آن حمد ناقصیکہ بگویند بندگاں
 کی در خور خدای حق عز و شاں بود
 لا اوصی ست تحفہ خاصاں در آنجناب
 ایں گفتگو چہ لائق آن آستاں بود
 در اوج کبریاش گلندست بال عجز
 آن شاہباز قدس کہ عرش آشیاں بود
 ادبی نشان محض چہ جوئی ازو نشاں
 ہر ذرہ بر خدائی او صد نشاں بود
 از مطلع وجود چو نور قدم بتافت
 از ظلمتِ حدوث چہ نام و نشاں بود
 تا حسش از در پیچہ ہستی نمود رخ
 زیں گفتگو بہر سر کو داستاں بود
 ز آئینہ وجود نماید باب و خاک
 ز آئینہ وجود سے پیدا باب و خاک

آن صورتیکہ معنی روح و رواں بود
 اندر دہان خاک نہد نفس ناطقہ
 تا از زبان غیب ترا ترجمان بود
 گنجی کہ شاہ عشق نہد در دل خراب
 نقد و کون در عوض رائگان بود
 ہر ہفت دوزخ از تف دل یک شرارہ است
 ہر ہشت غلہ یک گل ازین بوستان بود
 دیو و ملک بھظہ دل در تنازع اند
 چون سعد و نحس کش بفلک اقتراں بود
 عقل و ہوا فرشتہ و دیو در نہاد
 با جسم و جان نشان بمثل تواماں بود
 جا نرا بزر حکمت و تن راز شہوت ست
 نقصان این مقوی و رجحان آں بود
 کم خورد نست مایہ حکمت دران فزای
 سود دلست گرچہ کہ تن را زیاں بود
 تن مرکبست بستہ بر آخر ز بہر رزم
 آن بہ کہ روز معرکہ لاغر میاں بود
 دل چھست در بحر صفا دان کرامزد
 آنرا کہ چون صدف ہمہ تن استخوان بود
 جاں چوں مسیح گر رہد از مہدِ مری
 با روح قدس تا بفلک ہم عتاں بود

وہ نقش ہے کہ معنی روح رواں ہے
 رکھا دہان خاک میں وہ نفس ناطقہ
 تاکہ زبان غیب تری ترجمان ہے
 دولتِ دل خراب میں رکھے جو شاہِ عشق
 اس کا بدل متاعِ دو عالم کہاں ہے
 ساتوں جہنم ایک شرارہٴ تنورِ دل
 دل کے چمن کا پھول ہے آنسوں جاناں ہے
 دل میں مقیم دونوں ہیں، سلطان و دیوبد
 جیسے کہ سعد و نحس کی بزمِ آسماں ہے
 شیطان ہے نفس، عقل فرشتہ سرشت ہے
 دونوں کے جسم و جان سے یہ جسم و جان ہے
 جاں زیرِ حکم، جسم کو رکھ بھول کا شکار
 نقصانِ جسم، قوت و رجحان جاں ہے
 ہے قلتِ طعام بڑی دولت اے حکیم
 دل کا یہ سود اور بدن کا زیاں ہے
 بہر و فائے مرکبِ تن، اپنے تھان پر
 لاغر ہے تو صفِ شکن باغیاں ہے
 کس کے لیے یہ گوہرِ بحرِ صفا ہے دل
 ان کے لیے جو مثلِ صدف استخوان ہے
 مثلِ مسیح جان جو مریم عطا کرے
 جبریل اس کا ہم سفر آسماں ہے

ہر کس کہ پا بدامن ہمت کھد چو کوہ
 از تند باد حاش اندر اماں بود
 در محنت فراق چوں دل میر و دزدست
 در لذت وصال بہ میں تا چہ ساں بود
 و آنرا کہ دیدہ تر بود از آتش دروں
 چوں ابرہ بر بساط جہاں در فشاں بود
 از ذرہ ذرہ اش بچکد قطرہ قطرہ خوں
 باہر دلکہ عشق تو در امتحاں بود
 ہر مرہی ز غیر تو بر دل جراحت ست
 زخمی کہ از تو میرسد آرام جاں بود
 یارب بحق سید کونین مصطفیٰ ﷺ
 کش جسم و جان خلاصہ کون و مکاں بود
 شای کہ تخت سلطنتش گر دے زند
 قدرش فراز مملکت کن فکاں بود
 آں خواجہ کز حرم تا فضاں قدس
 گاہ عروج نہ فلکش نزدباں بود
 نومید چون شود دل و جان امیدوار
 جای کہ رحمت و کرم بکراں بود
 دارد معیت برحمت بے منجائے تو
 امید ازاں زیادہ کہ اندر گماں بود
 جو ہیں گرفتہ دامن ہمت، مثال کوہ
 طوفان حادثہ سے محل اماں بنے
 درد فراق ہی میں جو دل سے گیا کوئی
 پھر لذت وصال میں کیوں سرگراں بنے
 سوز دروں دل سے ہوئی جس کی چشم تر
 دنیا پہ محل ابرہ کرم در فشاں بنے
 ہر ذرہ ان کے تن کا ہو فوراۃً لہو
 جن کا یہ عشق ممتحن امتحاں بنے
 مرہم لگائے غیر تو دل زخم خوردہ ہو
 تم زخم بھی لگاؤ تو آرام جاں بنے
 یارب بحق سید کونین مصطفیٰ ﷺ
 وہ شاہ، جو خلاصہ کون و مکاں بنے
 وہ بادشاہ جو تخت حکومت نواز ہو
 زینہ نور و شوکت تو آساں بنے
 وہ خواجہ جو حرم سے گیا تا فضاں قدس
 کاخ عروج ہفت فلک نزدباں بنے
 نومید کیوں بنے دل و جان امیدوار
 اور اس جگہ جہاں، کرم بے کراں بنے
 امید ہے معیت کو اے رحمت تمام
 اُس سے زیادہ جتنا کہ وہم و گماں بنے



خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

نعت رسول مقبول ﷺ

ترجمہ منظوم سیفی فرید آبادی نور اللہ مرقدہ

در جاں چہ کرد منزل جانان ما محمد ﷺ
 صد در کشاد در دل از جان ما محمد ﷺ
 ما بلہم نالاں در گلستان احمد ﷺ
 ما لولویم و مرجان عمان ما محمد ﷺ
 مستغرق گناہیم ہر چند عذر خواہیم
 پشورہ چون گیاہیم ہاران ما محمد ﷺ
 از درد زخم حسیان ما را چہ غم چہ سازد
 از مرہم شفاعت درمان ما محمد ﷺ
 امروز خون عاشق در عشق اگر ہرشد
 فرد از دوست خواہد تاوان ما محمد ﷺ
 ما طالبِ خدائیم بر دین مصطفائیم
 بر در گمش گدائیم سلطان ما محمد ﷺ
 از امتان دیگر ما آدمیم بر سر
 و آں را کہ نیست باور برہان ما محمد ﷺ
 ای آب و گل سرودی جان و دل درودے
 تا بشنود بہ ہر شب افغان ما محمد ﷺ
 در باغ و بوستانم دیگر خواں معنی
 باغم بست قرآن بتان ما محمد ﷺ

جب سے معیم جاں ہے، جانان رسول برحق
 سو در کھلے ہیں دل سے تا جان رسول برحق
 ہم عندلیب نالاں گلزار مصطفیٰ ﷺ ہیں
 ہم لولیان مرجان، عمان رسول برحق
 مستغرق گنہ ہوں، توبہ بھی کر رہا ہوں
 پشورہ مثل سبزہ، ہاراں رسول برحق
 حسیاں کے زخم سے ہم بے غم ہوئے جب اس کا
 مرہم بنی شفاعت، درماں رسول برحق
 عاشق کا عشق میں خوں گر آج بہہ رہا ہے
 لے لے گا دوست سے کل تاواں رسول برحق
 طالب ہیں ہم مدد کے دین دار مصطفیٰ ہیں
 اس در پہ آ پڑے ہیں سلاطین رسول برحق
 سب امتوں سے افضل رُجہ ہمیں ملا ہے
 وہ بے وسیلہ اپنا برہاں رسول برحق
 اے آب و گل سرودے، اے جان و دل درودے
 ہر شب میں تاکہ سن لے افغان رسول برحق
 اس باغ و بوستان میں کچھ بھی معنی نہ مانگو
 قرآن ہے باغ دنیا، بتاں رسول برحق



ابتدائیہ

”نعت رنگ“ کا شمارہ ۱۶ پیش خدمت ہے۔ باوجود کوشش کے ہم ۲۰۰۳ء میں صرف ایک ہی شمارہ پیش کر سکے، ہم اپنے قارئین سے شرمندہ ہیں۔ مجھے نعت ہی کے سلسلے میں اکثر سفر در پیش رہے ہیں۔ ”نعت رنگ“ کے لیے اچھے مضامین کی تلاش اور ”نعت رنگ“ کی ہم راہی میں جاری ہونے والے نعتیہ جرائد و کتب کی خدمت و معاونت بھی وقت چاہتی ہے، ”نعت ریسرچ سینٹر“ کا قیام اور اس کے مختلف جامعات سے روابط کی استواری کے نتیجے میں بڑھنے والا کام اور ذمہ داریاں بھی اپنا حق طلب کرتی ہیں، پھر محافل نعت اور مشاعروں میں شرکت۔ الغرض مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کے کئی نورانی دائرے مجھ ایسے گناہ گار کو آغوشِ رحمت میں سمٹے ہوئے ہیں۔

میں شکر گزار ہوں اپنے رب کا جس نے اپنی رحمت سے مجھے اتنی ہمت عطا فرمائی کہ میں کسی نہ کسی حد تک ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی سعی میں مصروف ہوں۔ مجھے تحدیدِ نعت کے طور پر بھی اس تفصیل کے بیان پر شرمندگی ہے مگر مقصود صرف اتنا ہے کہ مجھے معذرت کرنی ہے، ان احباب سے جو ”نعت رنگ“ سے دلچسپی رکھتے ہیں مگر اس کا اظہار اپنے خطوط میں ”نعت رنگ“ کے مشمولات پر تبصروں کی صورت میں کرنے کے بجائے ”نعت رنگ“ کی اشاعتی تاخیر پر برہمی کے تاثر کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں ایسے تمام دوستوں سے اس وضاحت کے ساتھ کہ ”نعت رنگ“ ایک کتابی سلسلہ ہے اور اس کی اشاعت کا کوئی دورانیہ طے نہیں ہے۔ اپنے حق میں آسانوں کی دعا کا طلب گار ہوں۔

D NaatRang-16
File: btideya
1st Proof

مجھے کئی دوستوں نے خطوط، ٹیلی فون کالز اور بالمشافہ ملاقات پر ”نعت رنگ“ میں شائع ہونے والے مضامین میں تکرار کی طرف متوجہ کروایا ہے اور ان میں تنوع اور تازگی کی

ضرورت پر زور دیا ہے۔ میں ایسے تمام دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ نہ صرف ”نعت رنگ“ کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے ہیں بلکہ اس کے موضوعات میں وسعت اور تنوع کے خواہاں بھی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ نعت کے آداب اور مسائل کے حوالے سے ہونے والی گفتگو سے لے کر نعت کے تاریخی، تہذیبی اور ارتقائی جائزوں تک ہم نے جو کچھ بھی ”نعت رنگ“ یا کسی اور جگہ تحریر کی شکل میں پیش کیا ہے اس میں تکرار اس وجہ سے سامنے آرہی ہے کہ ہمارے لکھنے والوں کو نعتیہ ادب پر نثری سرمائے کی کمی کا احساس ہے اور اسی لیے وہ اس موضوع پر لکھتے وقت تاریخی تناظر کو بیان کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ قاری کو ایک ہی مضمون میں اجمالی ہی سہی ایک مکمل خاکہ نعتیہ ادب کے ارتقائی مراحل پر مل جائے۔

یہ مضامین اگر علاحدہ علاحدہ رسائل و جرائد میں شائع ہوں تو شاید یہ بات ان مضامین کا حسن قرار پائے مگر ”نعت رنگ“ یا نعت ہی سے متعلق کسی بھی جریدے میں اس طرح کی تکرار اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے دشواری پیدا کر رہی ہے، لہذا میں اپنے محترم لکھنے والوں سے درخواست کروں گا کہ تاریخی تناظر کے حوالے سے صرف وہی معلومات پیش کریں جنہیں اضافہ کہا جاسکے ورنہ اب براہ راست موضوع پر لکھنا ہی مناسب ہے۔ موضوعات نعت کے حوالے سے تنوع کی ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے اور میرے خیال میں اس کی تلاش میں ہمیں مذاکروں سے مدد مل سکتی ہے۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ ہم اپنی گفتگو کی مجالس میں نعت سے متعلق مختلف موضوعات پر بے تکان بولتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس گفتگو میں ہم بعض اوقات ایسی فکر انگیز گفتگو سن لیتے ہیں یا کر لیتے ہیں جس کا ہمیں پہلے سے کوئی احساس نہیں ہوتا یا ہمارا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں ہوتا ہمیں اپنی تحریروں کے لیے بیش تر موضوعات اسی طرح کی گفتگو سے مل سکتے ہیں، لہذا میں ”نعت رنگ“ کے تمام نمائندگان و مجاہدان سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے اپنے ملکوں اور شہروں میں نمایاں ادبی شخصیات کو مدعو کر کے عصر حاضر کے بین الاقوامی اور علاقائی مسائل اور تہذیبی رجحانات کے تناظر میں نعتیہ ادب پر مذاکروں کا اہتمام کریں اور اسے تحریری شکل میں ہمیں ارسال کریں۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ ان مذاکروں کے نتیجے میں ہم بے شمار تازہ موضوعات تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔

(ان شاء اللہ)

”آرٹس کونسل آف پاکستان“، کراچی کا قابلِ فخر کارنامہ

ہمیں خوشی ہے کہ ”آرٹس کونسل آف پاکستان“، کراچی کی منتخب کابینہ کے پہلے اجلاس میں کونسل کے اعزازی خازن سید ظفر رضوی نے ”آرٹس کونسل“ کی تازہ رکنیت سازی کی مہم کے موقع پر فنونِ لطیفہ کے مختلف شعبوں میں قاری اور نعت خواں کے لیے بھی علاحدہ علاحدہ کیٹگری کا مطالبہ کیا اور اس مطالبے کو کابینہ نے منظور بھی کر لیا ہے جس کی رو سے اب ”آرٹس کونسل آف پاکستان“ کی رکنیت کے لیے قاری اور نعت خواں بھی الگ قرار پائیں گے۔

اس عظیم کارنامے میں ہم سید ظفر رضوی اور ”آرٹس کونسل آف پاکستان“ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ملک کے دوسرے صوبوں میں موجود ”آرٹس کونسل“ اور اس طرز پر دوسرے تمام ثقافتی اداروں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ بھی مسلم تہذیب و ثقافت کے ان شعبوں کو اپنے ہاں نمائندگی دیں۔

نئے دُکھ

گزشتہ دنوں جن شخصیات کی جدائی ہمارے دلوں کا زخم بنی ان میں قائدِ ملتِ اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، مفتی عبدالقیوم ہزاروی (پاکستان)، مفتی ظفر علی نعمانی (پاکستان)، مولانا سید انوار اشرف عرف مٹی میاں (چھوچہ شریف)، مولانا سید صفی العالم سجادہ نشین خانقاہ شہبازیہ (بھاگلپور)، علامہ شاہ تراب الحق قادری کے بڑے بھائی مولانا شاہ قاسم، ممتاز نعت گو شاعر حفیظ تائب کے والد ماجد، معتبر نعت شناس ڈاکٹر ریاض مجید (پاکستان) اور ڈاکٹر عبدالنعم عزیزی (بھارت) کے جواں سال صاحبزادگان، معروف نعت خواں سید فصیح الدین سہروردی کی ہمیشہ، ممتاز صحافی و نعت نگار خان آصف، ناظم القادری، ماہرِ علم عروض اور شاگو شارق جمال اور صبا اکبر آبادی کی اہلیہ محترمہ شامل ہیں۔

ادارہ ان تمام مرحومین کے حق میں مغفرت کی دعا کرتا ہے اور قارئین سے بھی درخواست گزار ہے کہ ان کے حق میں مغفرت اور لواحقین کے حق میں صبر کی دعا فرمائیں۔

صبحِ رحمانی

عہدِ نبوی ﷺ میں مدحِ رسول ﷺ

عربی میں مدحِ شاعری کی روایت عربی شاعری کی طرح قدیم ہے، اس کے متعینہ خاکے اور اصول ہیں جن پر وہ روزِ اوّل سے قائم ہے۔ اس کا مرکزی مضمون شجاعت و بہادری، جود و سخا، علم و کرم، خاندانی عزت و وقار اور ممدوح کے عملی کارناموں کے ارد گرد گھومتا ہے۔ ابھی ماضی قریب تک شاید ہی کوئی ایسا قائلِ ذکرِ عربی شاعر ہوگا جس کے پاس اس صنف کا غیر معمولی سرمایہ شاعری نہ ہو۔ یہی مدح جب رسول کریم ﷺ سے متعلق ہو اور اس میں ان کی شخصیت، عادات و اطوار، اخلاق و احسانات، کارناموں اور انسانی فلاح و بہبود کے لیے خداوندی پیغام کی نشر و اشاعت اور تشریح و توضیح کا تذکرہ ہو تو اس کو اردو میں نعت کہا جاتا ہے۔

عرب و عجم کے مسلمان شعرا کے لیے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت صرف ایک عام روایتی ممدوح کی نہ تھی۔ اُن کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی دینی و دنیاوی سرفرازیوں کا واحد مرکز، دنیا میں ہدایت اور فلاح و بہبود اور آخرت میں نجات اور خداوندی احسانات و انعامات کے حصول کی اُمید کی واحد مشعلِ ربانی تھی جن کے بے پایاں احسانات سے کوئی مسلمان کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے نہ صرف آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے مسلمان شعرا کا غیر معمولی ربط و تعلق و محبت، بلکہ عقیدت کے جذبات کا نہ تھمنے والا دھارا اور اُلتے ہوئے مشتعل جذبات کی حرارت و آنچ ان کی مدحِ نبوی ﷺ میں واضح طور پر محسوس کی جاتی ہے، بلکہ یہی جذباتی رو بعض شعرا کے نزدیک کبھی سہوا اور کبھی عمداً شرک و توحید کی واضح خلیج کو پھلانگ کر من و تو کا فرق ختم کر دیتی ہے، جس پر ہر زمانے میں نکیر بھی ہوئی ہے اور نعت کہنے والے شعرا کو اس بارے میں خبردار رہنے اور شعوری طور پر احتیاط برتنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

عصر نبوی ﷺ جس طرح مسلمانوں کی تمام دینی و دنیاوی سرگرمیوں کے لیے نمونہ و مثال ہے، اسی طرح آئیے ہم اس مبارک عہد میں آپ ﷺ کی مدح میں کہے گئے اشعار کے بعض نمونوں سے رہنمائی حاصل کریں۔ یہی اس مقالے کا موضوع ہے۔ ان نمونوں میں آپ دیکھیں گے کہ مخالف و موافق دونوں درمقابل فریقوں کے لیے حضور ﷺ کے لائے ہوئے آسمانی دین کا پیغام اتنا صاف، واضح اور سلجھا ہوا تھا کہ کبھی کسی نے سہواً بھی اس کی غلط ترجمانی یا تشریح و توضیح نہ کی بلکہ فریقین کی تمام زور آزمائی اسی تصور کی حقانیت اور اس کی بالادستی ماننے اور منوانے یا اس کے انکار پر اصرار، ضد اور ہٹ دھرمی پر مرکوز تھی اور یہی تمام اختلافات، مصائب اور تصادم کی بنیاد اور جڑ تھی۔

سیرت کی قدیم کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی بعثت، اسلام کی بڑی تبلیغ، اس دعوت کا دھیرے دھیرے انتشار، مسلمانوں کا امتلا و آزمائش کے دور سے گزرتا، شعب ابی طالب میں بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کا حصار و مقاطعہ، حبشہ اور پھر مدینہ کی ہجرت، مدینے میں اسلام کا بول بالا، غزوات و سرایا کا سلسلہ، فتح مکہ کے بعد اسلام کی طرف رجوع عام وغیرہ مضامین معاصر مسلم شعرا کی شاعری کے بنیادی موضوعات تھے، ان کی شاعری میں مذکورہ ابتدائی واقعات کے مقابلے میں آخری دور کے واقعات اور ان کی جزئیات پر زیادہ تفصیلی مواد محفوظ ہے، جس میں کہیں کہیں شان رسالت ﷺ کی مدح میں بھی بالواسطہ کچھ اشعار در آئے ہیں، کیوں کہ اس زمانے میں خاص کر مدح نبوی ﷺ کے مستقل قصائد ایک ملاحدہ صنف کی حیثیت سے اس طرح عام نہیں ہوئے تھے جس طرح متاخر زمانوں میں ہوئے، نہ ان کے مضامین میں اتنا تنوع ہوا تھا، جو بعد میں دیکھنے کو ملا، نہ عجمی ضعیف الاعتقادی کی راہ سے غیر اسلامی تصورات کو وہ رسائی حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار

بہر حال اس زمانے میں مدح رسول ﷺ میں خالص نعتیہ قصائد ناپید نہیں ہیں، کم ضرور ہیں اور وہ بھی ان شعرا کے ہیں جن کے خمیر میں جاہلی شاعری کی روایات رچی بسی ہوئی تھیں، لیکن خالص اسلامی ماحول کے پروردہ اور اس کے رنگ میں رنگے ہوئے مسلم صحابی شعرا کی رسول کریم ﷺ سے عقیدت و محبت اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی چاہت ان کو آپ ﷺ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ کو عملی طور پر پھیلانے، عام کرنے اور اس کی سر بلندی کا کلمہ پڑھنے کے

لیے وقف تھی اور اس ضمن میں اگر نبی کریم ﷺ کا تذکرہ آجاتا تو پھر یہ صحیح ہے کہ:

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

مدیہ اشعار کے انتخاب کو پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان کے احاطے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مطالعے کے دوران جہاں نظر پڑ گئی، ان اشعار کو نوٹ کر لیا گیا۔ ان کے انتساب اور الحاق سے بھی بحث نہیں کی گئی کہ یہ خود ایک علاحدہ مستقل موضوع ہے جس پر قدمائے اپنے وسائل کے اعتبار سے غیر معمولی تحقیق و تفتیش کا حق ادا کیا اور عصر حاضر میں بھی اس پر کافی لا حاصل بحث ہو چکی۔ دوسری زبان کے اشعار کے ترجمے میں اپنی زبان پر غیر معمولی قدرت اور کچھ نہ کچھ شاعرانہ صلاحیت و مزاج سے راقم کی محرومی بھی عیاں ہے۔ ان کوتاہیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل انتخابات ملاحظہ فرمائیں:

روایت ہے کہ عبدالملک کو جب آپ ﷺ کی ولادت کی اطلاع ملی تو وہ اپنے پوتے کو کعبے میں لے گئے، دعا کی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۱۷۲) سیرت کی متاخر کتابوں میں درج ذیل اشعار بھی ان کی طرف سے منسوب کیے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دادا اپنے پوتے کو کس نظر سے دیکھ رہا تھا:

الحمد لله الذي اعطاني	هذا الغلام الطيب الاردان
قد ساد في المهد على العلمان	اعينه بالبيت ذي الاركان
حتى يكون بلغة الفتيان	حتى اراه بالغ البنيان
اعينه من كل ذي شان	من حامد مضطرب العنان
ذی همه ليس له عيان	حتى اراه رافع اللسان

(سیرت ابن کثیر ۱/۲۰۸)

مفہوم

- ۱۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ بھلا ندرست بچہ مرحمت فرمایا۔
- ۲۔ اس کو گہواہ طفولیت میں ہی سب بچوں پر سعادت فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے اس کو میں بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔
- ۳۔ تاکہ وہ نوجوانوں میں نمایاں ہو اور میں اس کو تنومند دیکھوں۔

- ۴۔ میں اس کو ہر بد خو، بد نظر، حاسد، بھگتی ہوئی اندھی ارواح سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں۔
۵۔ تاکہ میں اس کو بلند اقبال دیکھوں۔

روایت ہے کہ آپ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے مدحیہ اشعار پیش کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیتے ہوئے دعا دی کہ خدا آپ کو بولتا رکھے۔
”لا یفرض اللہ لاک“ اس وقت انھوں نے جو قصیدہ سنایا اس میں آپ ﷺ کی ولادت کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

وانت لما ولدت اشرفت الارض، وضالت بنورک الافق
فنعن فی ذلک الضیاء و فی الہ نور و مہل الرشاد نعترق
(سیرت ابن کثیر ۱/۱۹۵)

منہوم

- ۱۔ جب آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ ﷺ کے نور سے زمین و آسمان جگمگا اُٹھے۔
۲۔ اب ہم اس نور و روشنی اور ہدایت کے راستوں میں چل رہے ہیں۔
آپ ﷺ کے محبت و مشفق و سرپرست چچا ابوطالب کی تائید و حمایت و مدافعت
آپ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے پیغام و دعوت کے لیے ان کی زندگی بھر بڑی ڈھال تھی۔
اگرچہ وہ اپنے ہم مصروں کی ملامت کے ڈر سے اسلام کے قبول کرنے سے آخر وقت تک بظاہر
کھڑے رہے۔

لولا الملامۃ او حذارى سبتہ لوجدتنی سمعاً ہذاک مہینا
(سیرت ابن کثیر ۱/۴۶۴)

منہوم

- اگر مجھے ملامت اور عار کا ڈر نہ ہوتا تو یقیناً تم مجھ کو اس دین کے لیے فراخ دل
پاتے۔

اسی مضمون کو ایک اور جگہ یوں دہرایا ہے:

فواللہ لولا ان اجبى بسبۃ تجر علی اشیا عنا فی المحافل
لکنا تبعناہ علی کل حالۃ من الدھر جدّا غیر قول التهازل
(سیرت ابن ہشام ۱/۲۹۷۔ سیرت ابن کثیر ۱/۴۹۱)

مفہوم

بخدا اگر اس عار کا ڈر نہ ہوتا تو جو محفلوں میں ہمارے بزرگوں پر اچھالی جاتی تو یقیناً زمانے کے تمام کے مصائب کے باوجود ہڑلا نہیں سجدگی سے ان کی پیروی کرتے۔

اسی لیے ان کی محفوظ شاعری میں صرف پیغمبر کی تائید و حمایت اور مدافعت و نصرت ہی نہیں بلکہ جگہ جگہ آپ ﷺ کی دعوت و پیغام کی تحسین بھی نظر آتی ہے۔ شعب ابی طالب میں حصار کے وقت سردارانِ قریش کو منانے کے لیے ان کے کئی قصائد ملتے ہیں۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ابتدا میں لب و لہجہ نرم، میٹھا اور ان کے پرانے محاسن کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، لیکن جہاں پیغمبر کی حمایت سے دست برداری کا ذکر آیا تو بوڑھی رگوں میں جوانی کا لہو تیزی سے دوڑنے لگتا ہے۔ لہجہ سخت بلکہ تلخ و درشت ہو جاتا ہے اور جنگ و جدال کی دمکی تک بات پہنچ جاتی ہے۔ اس موقع کے یہ اشعار دیکھیں:

الم تعلموا انا وجدنا محمدا لبنا كموسى خط فى اول الكتب
و ان عليه فى العباد محبة ولا خير ممن خصه الله بالحب
(سیرت ابن کثیر ۲/۴۹)

مفہوم

۱۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ ہم نے محمد ﷺ کو موسیٰ جیسا نبی پایا جن کا وصف پہلی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ اور بندگانِ خدا میں ان کو محبت کی دولت حاصل ہے تو اس سے بہتر کون ہوگا جس کو خدا نے محبت سے نوازا ہے۔

اسی قصیدے کے درج ذیل شعر سے سخت جنگ و جدال کی دمکی شروع ہوتی ہے:

فلنسنا و رب البيت نسلم احمداً لعزاء من عض الزمان ولا كرب
(سیرت ابن کثیر ۲/۴۹)

مفہوم

بیت اللہ کے رب کی قسم! ہم ان کو نہ مصائبِ زمانہ اور نہ تکالیف کی شدت کی وجہ سے بے یار و مددگار چھوڑیں گے۔

یہی دمکی ابولہب کی مدد حاصل کرنے کے لیے ایک قصیدے میں ان الفاظ میں دہرائی

گئی ہے:

كذبتم و بيت الله نبى محمداً و لما تروا يوماً لدى الشعب قائماً
(سیرت ابن کثیر ۲/۶۲)

مفہوم

بيت الله کی قسم! تم غلط سمجھتے ہو کہ ہم سے محمد ﷺ چھین لیے جائیں گے جب کہ ابھی شعبہ
ابی طالب کے پاس گھمسان کارن پڑا ہی نہیں ہے۔

اب یہی مضمون اسی موقع پر کہے گئے تیسرے قصیدے میں دیکھیے، لہجہ کتنا تیز و تند

ہو چکا ہے:

كذبتم و بيت الله نكر و مكة و نظعن الامركم بابل
كذبتم و بيت الله نبى محمداً و لما نطاعن دونه و نناضل
و نسلمه حتى نصرع حوله و نلحل عن اہلنا والحلائل
(سیرت ابن ہشام ۱/۲۹۰، سیرت ابن کثیر ۱/۴۸۸)

مفہوم

۱۔ بيت الله کی قسم! تم غلط سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم مکہ چھوڑ کر چلے جائیں گے اور تم کو انتشار کے عالم
میں پڑا رہنے دیں گے۔

۲۔ بيت الله کی قسم! تم غلط سمجھتے ہو کہ ہم سے محمد ﷺ اچک لیے جائیں گے جب کہ ابھی ہم نے
ان کے لیے نہ مار دھاڑ کی ہے نہ قوت آزمائی۔

۳۔ اور ہم اپنے اہل و عیال سے بے خبر ہو کر ان کے ارد گرد قربانی دیے بغیر ان کو تمہارے سپرد کر
دیں گے۔

روایت ہے کہ ایک بار مدینے میں سوکے کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ کی دعا
سے اتنی بارش ہوئی کہ سارا شہر جل تھل ہو گیا اور شدید سیلاب و ہلاکت کا خطرہ لاحق ہوا تو پھر
آپ ﷺ کی دعا سے بادل چھٹ کر شہر کے ارد گرد اس طرح جمع ہوئے کہ گویا وہ مدینہ منورہ کے
گلے کا ہار ہوں۔ اس وقت آپ ﷺ نے بے مہابا اپنے مشفق عم محترم کو یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ
اگر وہ یہ منظر دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔ صحابہ نے پوچھا کیا آپ ﷺ کی مراد ان کے فلاں شعر
سے ہے حضور ﷺ نے اثبات میں جواب دیا۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۲۹۸) حقیقت یہ ہے کہ وہ

اس قصیدے کا شاہ بیت ہے، جس میں بلیغ شاعرانہ خیال آرائی اور حقیقت نگاری کا حسین استخراج ہے۔ شعر یہ ہے:

و ابیض یسقی الغمام بوجهہ ثمال الیتامی عصمة للارامل
(سیرت ابن ہشام ۱/۲۹۱، سیرت ابن کثیر ۱/۲۸۸)

مفہوم

اس کے ربخ تاباں کے مدد قے بادلوں سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کا دالی اور یتیموں کا محافظ ہے۔

اس شعر کے پہلے مصرعے کے فعل کو معروف پڑھنے سے معنی میں یہ تبدیلی ہوتی ہے کہ اس کے ربخ تاباں سے بادل برسنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

اسی قصیدے کے آخری اشعار سے آپ کی صفات حمیدہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ وہ

اشعار یہ ہیں:

لَمَنْ مَثَلُهُ فِي النَّاسِ أُمِّي مَوَئِلٍ	اِذَا قَامَ الْحُكَامُ عِنْدَ التَّضَافُلِ
حَلِيمٌ، رَشِيدٌ، عَادِلٌ، غَيْرُ طَائِشٍ	يُوَالِي الْأَهَالِيْسَ عَنْهُ بِغَافِلٍ
كَرِيمُ الْمَسَاحِي مَاجِدٌ وَابْنُ مَاجِدٍ	لَهُ ارْثٌ مَجْدٌ ثَابِتٌ غَيْرُ نَاصِلٍ
وَ أَمْدُهُ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِهِ	وَ أَظْهَرَ دِينًا حَقَّهُ غَيْرُ زَائِلٍ
لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ إِلَهَنَا لَا مَكْذِبَ	لَدِينَاءَ، وَلَا يَعْنِي بِقَوْلِ الْبَاطِلِ
فَأَصْبَحَ لِينَا أَحْمَدُ فِي أَرْوَمَةِ	تَقْصُرُ عَنْهُ سُورَةُ الْمُتَطَاوِلِ
حَدِيثِ بِنَفْسِي دُونَهُ وَ حَمِيَّتِهِ	وَ دَافَعَتْ عَنْهُ بِالذُّرَى وَالْكَلاَكِلِ

(سیرت ابن ہشام ۱/۲۹۷، سیرت ابن کثیر ۱/۲۹۱)

مفہوم

۱۔ جب حکم لوگوں میں برتری کا فیصلہ کریں تو ان جیسا کون ہے جس سے توقعات وابستہ ہوں۔
۲۔ وہ حلیم و بردبار، نیک و منصف ہے۔ جلد باز نہیں اور ایسے خدا کا دوست ہے جو اس سے غافل نہیں۔

۳۔ اچھے کام کرنے والا ہے، عالی حسب و نسب ہے، اس کی عزت کی میراث قائم و دائم ہے، رائل نہیں۔

۴۔ بندوں کے رب نے اپنی مدد سے اس کی تائید کی اور ایسا دین ظاہر کیا جس کا حق باطل سے جدا ہے۔

۵۔ ان کو معلوم ہے کہ ہمارا بیٹا ہم میں جھٹلایا ہوا نہیں ہے اور وہ باطل باتوں کی پروا نہیں کرتا۔

۶۔ احمد کو ہم میں ایسی مضبوط ٹہنی کی حیثیت حاصل ہے جس سے بڑھے ہوئے ہاتھ کی گرفت کوتاہ ہے۔

۷۔ میں نے اپنی جان سے اس کی حفاظت و تائید کی ہے اور اونٹنیوں کی پیٹھ و سینوں سپاس کی مدافعت کی ہے۔

ایک اور قصیدے میں دیکھیے کہ قریش کو حضور ﷺ کی تائید کے لیے آمادہ کرنے کے لیے ان کے مفاخر کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کا حاصل بھی رسول کریم ﷺ کی مبارک ذات ہی قرار پائی ہے:

إذا اجتمعت يوما قریش لمفخر	فہد مناف سرھا و صمیمھا
و ان حصلت اشراف عبد منافھا	لفی ہاشم اشرافھا و قدیمھا
و ان فخرت يوما فان محمداً	هو المصطفیٰ من سرھا و کریمھا

(سیرت ابن ہشام ۱/۲۸۲، سیرت ابن کثیر ۱/۱۹۳، ۱۷۷)

مفہوم

۱۔ اگر قریش کسی دن فخر و مباہات کے لیے جمع ہوں تو عہد مناف کی شاخ ان کی روح رواں قرار پائے گی۔

۲۔ اور اگر عہد مناف کے سردار اپنی عظمت کا راز معلوم کریں گے تو بنو ہاشم کی شاخ میں ان کی سیادت و قدامت کا راز ملے گا۔

۳۔ اور اگر بنو ہاشم کسی دن فخر کریں گے تو ان کی عظمت و سر بلندی کا منتخب ترین نمائندہ محمد ﷺ ہوں گے۔

اس زمانے کے ایک مشہور نامی گرامی غیر مسلم شاعر ایشی بن قیس تھے۔ ان کا شمار سبعہ معلقات کے جانے مانے شعرا میں تھا۔ رسول کریم ﷺ کا چرچا سنا تو زیارت کی تمنا اور اسلام قبول کرنے کی خواہش نے کروٹ لی۔ دستور زمانہ کے مطابق سرداران قوم کے لیے جیسے مدیہ قصائد لکھے جاتے تھے ایک قصیدہ لکھا اور عازم سفر ہوئے، لیکن بد قسمتی سے دشمنان اسلام کے

بہکانے پر آئندہ سال کے لیے نیک کام کو ملوثی کر کے واپس ہوئے تو پھر زندگی نے مہلت نہ دی اور نعمتِ اسلام اور حضور ﷺ کے دیدار سے محروم رہے، اس لیے کہ:

ہر مدی کے واسطے دار و درن کہاں

بہر حال ان کے قصیدہ کی شاعرانہ عظمت کے باوجود اس کے مدحیہ اشعار میں رسول کریم ﷺ کا تصور ایک نئی داتا دنیاوی سرداری کا ہے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

و آلت لا آوی لها من کلالة ولا من حفی حتی تلاقی محمدا
منی ما تفاخی عند باب ابن ہاشم تراحمی و تلقی من فواضلہ ندی
نبی یوی مالا ترون و ذکرہ اغانر لعمری فی البلاد و البجدا
لہ صدقات ما تعب و نائل و لیس عطاء الیوم مانعہ غذا
(سیرت ابن ہشام ۱/۴۱۳-۴۱۴، سیرت ابن کثیر ۲/۷۹)

مفہوم

۱۔ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اپنی اوٹنی کو تھکن اور آبلہ پائی کی وجہ سے اس وقت تک نہ روکوں گا جب تک کہ وہ محمد ﷺ تک نہ پہنچا دے۔

۲۔ ابن ہاشم کے دروازہ پر جب تم اس کو بٹھاؤ گے تو وہ آرام کرے گی اور تم ان کے عطایا سے سرفراز ہو گے۔

۳۔ وہ ایسے نبی ہیں جو وہ دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے۔ میری جان کی قسم! ان کا ڈنکا سارے جہاں میں بج رہا ہے۔

۴۔ ان کے عطایا اور نوازشیں منقطع نہیں ہوتیں اور نہ آج کی بخشش کل کے لیے مانع ہے۔

ایسے ہی ایک اور بد قسمت شاعر جو اسلام کی دولت سے محروم رہے ابو عزمہ عمرو بن عبد اللہ تھے، غزوہ بدر میں قید ہوئے، رسول کریم ﷺ سے غربت و افلاس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فدیہ کے بغیر اس شرط پر چھوڑ دیا کہ دشمنانِ اسلام کا ساتھ نہ دینا، لیکن انھوں نے وعدہ خلافی کی اور پھر غزوہ احد میں قید ہوئے تو گردن مار دی گئی۔ بہر حال انھوں نے بدر کے موقع پر جاں بخشی کے احسان کے تاثر میں جو مدحیہ اشعار کہے تھے وہ یہ تھے:

من مبلغ عنی الرسول محمداً بانک حق و الملیک حمید
و أنت امرؤ تدعو الی الحق الہدی علیک من اللہ العظیم شہید

و انت امر و یوت فینا مباءة لها درجات مهلة و صعود
فانک من حاربتہ لمحارب شقی، و من سالمته لسعید
(سیرت ابن ہشام ۲/۳۰۶، سیرت ابن کثیر ۲/۲۸۵)

مفہوم

- ۱۔ میری طرف سے کوئی رسول محمد ﷺ کو یہ بتا دے کہ آپ ﷺ برحق ہیں اور خدا قابلِ تعریف ہے۔
- ۲۔ آپ ﷺ حق و ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں اور آپ ﷺ کو خدائے بزرگ کی گواہی حاصل ہے۔
- ۳۔ آپ ﷺ کو ہم میں بلند مقام حاصل ہوا ہے لیکن اس کی سیزمیوں پر چڑھنا آسان ہے۔
- ۴۔ آپ ﷺ جس سے جنگ کریں یقیناً وہ بدبخت ہے اور جس سے صلح کریں وہ یقیناً خوش بخت ہے۔

سچ تعلقات کے ایک اور ممتاز شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کے صاحب زادے کعب بن زہیر تھے۔ باپ نے وفات سے قبل کعب اور بحیرہ کو نبی موعود ﷺ کی اتباع کی تلقین کی تھی، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا چرچا ہوا تو دونوں بھائی تفتیشِ احوال کے لیے روانہ ہوئے، مگر اسلام میں سبقت بحیرہ کے حصے میں تھی جو کعب کو ناگوار گزری اور انھوں نے جاہلی طیش میں اپنے بھائی، دین اسلام اور رسول ﷺ اسلام کی شان میں گستاخی شروع کر دی جس کی وجہ سے ان کا خون حلال کر دیا گیا۔ قسمت کے دھنی تھے۔ باپ نے دل کی کن گہرائیوں سے نبی موعود ﷺ کی اتباع کی تلقین کی ہوگی کہ نہ صرف ان کی معافی تلافی ہوئی بلکہ اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، حضور ﷺ کی خوشنودی حاصل کی اور زندگی میں پیرا بہنِ مبارک کا ایسا بے بہا عطیہ مرحمت ہوا جو پھر دوسروں کے حصے میں خواب و خیال ہی میں آسکتا تھا۔ اس لیے اگر واقعی طور پر کسی قصیدے کو قصیدہ برودہ کہا جاسکتا ہے تو وہ ان ہی کعب بن زہیر کا معذرتی قصیدہ ہے۔ نمونے کے طور پر اس مبارک قصیدے کے چند معذرتی اشعار ملاحظہ فرمائیں:

نبئت أن رسول الله أوعدني والعفو عند رسول الله مأمول
فقد أتيت رسول الله معتذراً والعذر عند رسول الله مقبول
مهلا هداك الذي أعطاك تاوله إله قرآن فيها مواعيط و تفصيل

لَا تَأْخُذْنِي بِأَقْوَالِ الْوُشَاةِ وَ لَمْ أَذْذِبْ وَلَوْ كَثُرَتْ فِي الْأَقَاوِيلِ
(سیرت ابن ہشام ۲/۱۶۱-۱۶۲، سیرت ابن کثیر ۳/۷۰۴)

مفہوم

۱۔ مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دمکی دی ہے حالاں کہ رسول اللہ ﷺ سے معافی کی توقع ہے۔

۲۔ اسی لیے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس عذر معذرت پیش کرنے حاضر ہوا کیوں کہ عذر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں قابل قبول ہے۔

۳۔ اس ذات کے لیے مجھے معاف فرمادیں جس نے آپ ﷺ کو قرآن کا عطیہ مرحمت فرمایا جس میں فصاحت کی باتیں اور دیگر تفصیلات ہیں۔

۴۔ چغل غوروں کی باتوں پر میری گرفت نہ فرمائیں کیوں کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اگرچہ میرے بارے میں بہت باتیں کہی گئی ہیں۔

اب اس قصیدے کا شاہ بیت جو رسول کریم ﷺ کی خالص مدح میں ہے سماعت فرمائیں اور لطف اندوز ہوں:

ان الرسول لنور يستضاء به مهند من سيوف الله مسلول
(سیرت ابن ہشام ۲/۱۶۳، سیرت ابن کثیر ۳/۷۰۴)

مفہوم

یقیناً رسول اللہ ﷺ وہ روشنی ہیں جن سے نور ہدایت حاصل کیا جائے اور وہ خدا کی تلواروں میں شمشیر برہند ہیں۔

اس شعر کا دوسرا مصرعہ وصارم من سيوف الله مسلول (ذکی مبارک الدارح النبویہ ص ۲۳) یا وصارم من سيوف الهند مسلول (عبد اللہ عباس ندوی عربی میں نعتیہ کلام ص ۴۹) یا مهند من سيوف الهند مسلول (حکیم محمد یحییٰ خاں شفا، عربی زبان میں نعتیہ کلام، نقوش لاہور، رسول نمبر ص ۱۰، ص ۱۲۴) کئی طرح حوالے کے بغیر نقل ہوا ہے اور اخیر الذکر مصرع نقل کرنے والے مقالہ نگار نے حوالے کے بغیر یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ اس مصرعے میں سیوف اللہ کی برجستہ اصلاح خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔ اس طرح یہ قصیدہ رسول کریم ﷺ کی خاص توجہ اور دوہرے اعزاز کا مستحق قرار پاتا ہے۔ زہے نصیب۔

سہیلی کے حوالے سے کعب بن زہیر کے دو اور شان دار مدحیہ اشعار نظر سے گزرے،

وہ یہ ہیں:

تجرى به الناقة الأو ماء معتجراً بالبرد کا لبر جلی لیلۃ الظلم
فیض عطا فیہ او أثناء برده ما یعلم اللہ من دین و من کرم
(سیرت ابن کثیر ۳/۷۰۹)

مفہوم

۱۔ چادر لپیٹے ہوئے گندی اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر دوڑ رہی ہے ایسا لگتا ہے کہ تاریک رات میں چاند نکل آیا ہو۔

۲۔ آپ ﷺ کے ہمراہین یا چادر میں دین و کرم کا جو خزانہ چھپا ہوا ہے بس خدا ہی اس کو جانتا ہے۔

عبداللہ بن الزبیری بھی ان شعرا میں تھے جنہوں نے حالت کفر میں اپنے فن شاعری کو خوب استعمال کیا تھا۔ فتح مکہ کے وقت اسلام کے بعد فطری طور پر ان کو انابت و استغفار کی توفیق ہوئی، سابق گستاخیوں پر ندامت اور رسول اللہ ﷺ سے معذرت کے جذبات غالب ہوئے، جس کی جھلک ان کی اسلامی شاعری میں جگہ جگہ ملتی ہے اور اسی ضمن میں رسول کریم ﷺ کی مدح بھی۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

یا خیر من حملت علی أو صالها عیرانۃ سرح الیدین ششوم
الی لمعتلر الیک من الذی اسدیت اذا انا فی الضلال اہیم
فالیوم آمن بالنبی محمد قلبی، و مغطی هذه محروم
فاغفر فدی لک والدای کلاهما زلی، فانک راحم مرحوم
و علیک من علم الملائک علامۃ نور اغر و خاتم مخوم
اعطاک بعد محبة برهانه شرفا، و برهان الاله عظیم
و لقد شهدت بان دینک صادق حق، و انک فی العباد جسیم
واللہ بشهد أن احمد مصطفیٰ مستقبل فی الصالحین کریم
(سیرت ابن ہشام ۳/۴۱، ۴۰۔ سیرت ابن کثیر ۳/۵۸۶)

مفہوم

۱۔ مضبوط خوش خرام اونٹنی پر سواری کرنے والوں میں اے بہترین مخلوق!

۲۔ میں اپنے سابق کیے پر آپ ﷺ کی خدمت میں معذرت پیش کرنے آیا ہوں جب کہ میں گم راہی میں بھٹک رہا تھا۔

۳۔ آج نبی محمد ﷺ پر میرا دل ایمان لے آیا اور اس میں غلطی کرنے والا درحقیقت محروم ہے۔

۴۔ میرے والدین آپ ﷺ پر فدا ہوں! میری لغزشوں کو معاف فرمادیں کیوں کہ آپ ﷺ رحم کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ پر رحمت بھیجی بھی جاتی ہے۔

۵۔ آپ ﷺ پر خدا کی طرف سے نور تاباں اور جنتِ مہر کی علامت ہے۔

۶۔ اس نے آپ ﷺ کے اعزاز کے لیے محبت کے بعد اپنی برہان بھی عطا فرمائی۔ اور خدا کی برہان بڑی قابلِ قدر ہے۔

۷۔ میں نے گواہی دی ہے کہ آپ ﷺ کا دین سچ و برحق ہے اور آپ ﷺ تمام بندگانِ خدا میں بلند و بالا ہیں۔

۸۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ احمد مصطفیٰ ﷺ نیکوں کے امام اور کریم ہیں۔

ایک اور قصیدے میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

یا رسول الملک ان لسانی	رائق، مافطنت اذا نابور
اذا باری الشیطان فی من الہ	غی، و من مال مہلہ مشبور
آمن اللحم و العظام لربی	ثم قلبی الشہید أنت النذیر
ان ماجئتہ بہ حق صدق	ساطع نورہ، مضنی منیر
جئتہ بالیقین والبر والصد	ق، وفی الصدق والیقین السرور
أذهب اللہ ضلۃ الجہل عنا	و انا الرعاء و المیسور

(سیرت ابن ہشام ۳/۳۹، سیرت ابن کثیر ۳/۵۸۵، نقوش رسول نمبر ۱۰/۲۴۹)

مفہوم

۱۔ اے رسول خدا ﷺ! میری زبان ان چاکوں کی رفوگری میں مصروف ہے جو میں نے اس وقت کیے تھے جب میں ہلاک و برباد تھا۔

۲۔ جب میں گم راہی کے راستوں میں شیطان کا ساتھ دے رہا تھا اور جو اس کی طرف جھکے گا برباد ہوگا۔

۳۔ میرا گوشت پوست میرے رب پر ایمان لے آیا پھر میرے دل نے گواہی دی کہ آپ ﷺ

عی نذیر رسول ہیں۔

۴۔ آپ ﷺ جو دین لائے ہیں وہ برحق اور سچ ہے، اس کا نور تاہاں روشن اور دمک رہا ہے۔

۵۔ آپ ﷺ ہمارے لیے یقین، نیکی، سچائی لائے۔ اور یقین و سچائی میں ہی خوشی ہے۔

۶۔ خدا نے جہالت کی گم راہی ہم سے دُور فرمادی اور ہم کو خوش بختی اور خوش حالی حاصل ہوئی۔

مشہور عرب شاعرہ خنساءؓ کے صاحب زادے عباس بن مرداس اپنے باپ کی وصیت کے مطابق خمار نامی بت کے پاس ہاں تھے۔ ان کی ہدایت کے لیے ایک نبیؐ بھیجا ہوا اور وہ ایمان لے آئے اور اس کے بعد اپنی زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور توحید کا ایسا گہرا رنگ چڑھا کہ آئندہ انتخاب میں آپ حمہ و نعت کا بہترین احتراج دیکھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کے بعد مذکورہ بت کو جلانے کے بعد جب حضور ﷺ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے تو ایک قصیدہ پیش کیا، اس میں اپنی نادانی کے سبب شرک کی لعنت میں مبتلا کے ذکر کے بعد عرض کرتے ہیں:

و خالفت من أمسى يربد المها لكا	قامت بالله الذي أنا عبده
أبايع نبي الأكرمين المباركا	و وجهت وجهي لحومكة فاصداً
من الحق، فيه الفصل فيه كذا لكا	نبي أنا بعد عيسى بناطق
و أول مبعوث بحبيب الملائكا	أمين على القرآن أول شافع
فاحكمها حتى أقام المناسكا	تلافي عري الاسلام بعد انتفاضها

(سیرت ابن کثیر ۱/۳۶۰)

مفہوم

۱۔ تو میں اس اللہ پر ایمان لایا جس کا میں بندہ ہوں اور جو ہلاکت چاہتے تھے میں نے ان کی اس بارے میں مخالفت کی۔

۲۔ اور میں نے اپنا رخ مکہ کی طرف کیا تاکہ مبارک نبی اکرم ﷺ سے بیعت کروں۔

۳۔ وہ ایسے نبی ہیں جو عیسیٰ کے بعد بولنا ہوا حق لائے ہیں جس میں فیصلہ کن باتیں ہیں۔

۴۔ وہ قرآن کے امین، روزِ محشرِ اول شفاعت کرنے والے اور فرشتوں کی آواز پر اول لبیک کہنے والے ہیں۔

۵۔ اسلام کے ارکان کی شکست و ریخت کے بعد انھوں نے ان کو مضبوط بنیاد پر قائم کیا اور تمام

عبادات کو قائم فرمایا:

اسی موضوع پر ایک دوسرے قصیدہ میں حضور ﷺ کی شان میں عرض کرتے ہیں:

ان الذی ورث النبوة والهدی بعد ابن مریم من قریش مہدی
(سیرت ابن ہشام ۵۱/۳، سیرت ابن کثیر ۵۹۰/۳)

مفہوم

۱۔ ابن مریم کے بعد قریش میں جو نبوت و ہدایت کا وارث ہوا وہ یقیناً ہدایت یافتہ ہے۔

ایک اور موقع پر رسول کریم ﷺ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

ہان محمداً عہد رسول لرب لا یضل و لا یجور
وجدناہ نبیا مثل موسیٰ لکل فتی ینخاہرہ معبر
(سیرت ابن ہشام ۸۱/۳، سیرت ابن کثیر ۶۳۶/۳)

مفہوم

۱۔ بے شک محمد ﷺ ایسے رب کے بندے اور رسول ہیں جو نہ گم راہ کرتا ہے نہ ظلم و جور۔

۲۔ ہم نے ان کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ہے، لہذا جو ان سے بھلائی میں مقابلہ کرے مغلوب ہوگا۔
غزوہ ہوازن کے موقع پر ایک قصیدہ میں کہا ہے:

یا خاتم النباء انک مرسل بالحق، کل ہدی السبیل ہذا کا
ان الالہ نبی علیک محبة فی خلقہ و محمداً سماکا
(سیرت ابن ہشام ۹۵/۳، سیرت ابن کثیر ۶۳۶/۳)

مفہوم

۱۔ اے خاتم الانبیا! بے شک حق کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور ہدایت کے تمام راستے آپ ﷺ کے رہنما ہیں۔

۲۔ بلاشبہ خدا نے اپنی مخلوق میں آپ ﷺ کے لیے محبت پیدا کر دی ہے اور آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ (قابل تعریف) رکھا ہے۔

اسی غزوہ کے موقع پر احسان مندی کے ساتھ ایک اور قصیدے میں اس طرح عرض کیا ہے:

و لکن دین اللہ دین محمد رضینا بہ، فیہ الہدی والشرائع
أقام بہ بعد الضلالة امرنا و لیس لأمر محمد اللہ دافع
(سیرت ابن ہشام ۱۰۱/۳، سیرت ابن کثیر ۶۳۷/۳)

مفہوم

۱۔ درحقیقت دین محمد ﷺ خدا کا دین ہے ہم نے اس کو پسند کیا کیوں کہ اس میں ہدایت اور احکام شریعت ہیں۔

۲۔ آپ ﷺ نے اس دین کے ذریعے ہمارے حالات درست فرمائے اور اللہ جو کرنا چاہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

غزوہ ہوازن کے موقع پر تیسرے قصیدے میں عرض کیا ہے:

من مبلغ الألوام ان محمداً رسول الاله راشد حيث يبعث
دعا ربه و استغفر الله وحده فاصبح قد و في اليه و انما
سويتنا و واعدنا قدبراً محمداً يوم بنا أمراً من الله محكما
(سیرت ابن ہشام ۳/۱۱۰-۱۱۱، سیرت ابن کثیر ۳/۶۵۰-۶۵۱)

مفہوم

۱۔ لوگوں کو کون بتائے گا کہ محمد رسول خدا ﷺ ہیں اور جہاں کا قصد کریں توفیق یافتہ ہیں۔
۲۔ انھوں نے اپنے رب سے دعا کی اور تمہارا اسی سے مدد مانگی تو اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ان پر نوازش کی۔

۳۔ ہم محمد ﷺ سے قدید پر ملنے کا وعدہ کر کے چلے وہ اللہ کی طرف سے طے شدہ بات کی تکمیل کے لیے ہماری قیادت فرما رہے تھے۔
ان کا ایک اور آخری نمونہ دیکھتے چلیں:

رأيتك ياخير البرية كلها نشرت كتابا جاء بالحق معلما
و نورك بالبرهان أمرا مدعيا و أطفأت بالبرهان جمرأ مضرما
فمن مبلغ عنى النبی محمداً و كل امری یجزی بما قد تکلما
تعالی علواً فوق عرش الهنا و كان مكان الله أعلى و اعظما
(عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام ص ۸۷، بحوالہ شواہد الغنی ص ۳۴، ابن ہشام

۲/۶۰، ابن ہشام ۲/۲۵۵)

مفہوم

۱۔ اے ساری مخلوق میں سب سے بہتر فرد میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے وہ کتاب عام کی جو

حق کو واضح کر کے سامنے لائی۔

۲۔ آپ ﷺ نے تاریکی میں دبے ہوئے امور کو ربانی برہان سے روشن فرمایا اور دھکتے شعلے کو بجھایا۔

۳۔ میری طرف سے کوئی نبی محمد ﷺ کو یہ بتا دے کہ ہر شخص کو اس کے کلام کا ہی بدلہ ملے گا۔

۴۔ آپ ﷺ نے ہمارے خدا کے عرش تک بلندی کی پرواز بھری جب کہ خدا کا مقام تو خود بہت بلند والا ہے۔

کعب بن مالکؓ وہ صحابی شاعر رسول اللہ ﷺ ہیں جو بدقسمتی سے دو اور صحابہ کے ساتھ غزوہ تبوک میں شرکت کی سعادت سے محروم ہو گئے تھے۔ اس کی پاداش میں ان کو اور ان کے دونوں ساتھیوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور تمام صحابہ کی طرف سے مکمل مقاطعہ کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ان سب کا اپنے خدا پر ایمان، رسول کریم ﷺ سے مخلصانہ وابستگی اور دین اسلام پر راسخانہ اعتقاد اس اعلیٰ جانے کا تھا کہ اس جان لیوا ابتلا و آزمائش اور امتحان کے دور سے اس سرخ روئی و سرفرازی کے ساتھ کامیاب و کامران نکلے کہ ان کی بھی توبہ کی قبولیت کا ریکارڈ تازا قیام قیامت قرآن شریف میں محفوظ ہو گیا اور آنے والے ہر دور کے مسلمانوں کے لیے بھی توبہ و استغفار کے صلے میں معافی اور مغفرت کی روشن امید کی جھلکائی کرن عطا کر گیا۔ ان کی شاعری میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق بعض اشعار کے نمونے ملاحظہ ہوں۔ غزوہ بدر کے موقع پر ان کے متعدد قصائد میں ایسے اشعار ملتے ہیں:

شهدنا بأن الله لا رب غيره و ان رسول الله بالحق ظاهر
(سیرت ابن ہشام ۲/۳۷۹، سیرت ابن کثیر ۲/۵۲۶)

مفہوم

ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ حق کے ذریعے غالب ہوں گے۔

یا یہ شعر:

نبی له في قومه ارض عزة و اعراق صدق هذبها ارومها
(سیرت ابن ہشام ۲/۳۹۵، سیرت ابن کثیر ۲/۵۲۷)

مفہوم

وہ ایسے نبی ہیں جن کی اپنی قوم میں عزت کی بڑی میراث ہے اور سچائی کی بنیادیں ہیں جن

کو ان کے حسب نسب نے سنوارا ہے۔

یا یہ شعر:

رسول اللہ یقیناً منا ہمارے من امر اللہ احکم بالقضاء
(سیرت ابن ہشام ۲/۳۹۵، سیرت ابن کثیر ۲/۵۲۷)

مفہوم

اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ ہم کو لے کر آگے بڑھتے ہیں اس بات کو طے کرنے کے لیے
جس کا قضا و قدر کے ذریعے فیصلہ ہو چکا ہے۔

غزوہ احد کے موقع پر ان کے قصائد کے بعض اشعار کا انتخاب دیکھیں:

و فینا رسول اللہ نبع امرہ اذا قال فینا القول لا تنظلع
تدلی علیہ الروح من عند ربہ ینزل من جو السماء و یرفع
نشاوردہ فیما لیرید و لصرنا اذا ما اشتہی انا تطیع و لسمع
(سیرت ابن ہشام ۳/۹۱، سیرت ابن کثیر ۳/۱۰۸)

مفہوم

۱۔ ہم میں رسول اللہ ہیں جن کا ہم حکم مانتے ہیں اور جب وہ ہم سے کوئی بات کہتے ہیں تو ہم
روگردانی نہیں کرتے۔

۲۔ ان پر ان کے رب کے پاس سے جبریلؑ آتے ہیں جو فضائے ساوی سے اُتارے جاتے ہیں
اور اُٹھائے جاتے ہیں۔

۳۔ ہم جو چاہتے ہیں ان سے اس میں مشورہ کرتے ہیں اور وہ جو چاہیں اس میں سماع و اطاعت
ہمارا مقصد ہوتا ہے۔

اسی غزوہ میں سید الشہداء حمزہؓ کی یاد میں ایک قصیدے کا ایک شعر یہ ہے:

رسول اللہ مصطبر کریم ہامر اللہ ینطق اذ یقول[☆]
(سیرت ابن ہشام ۳/۱۳۸، سیرت ابن کثیر ۳/۱۱۷)

مفہوم

رسول اللہ ﷺ صابر و کریم ہیں، جب بولتے ہیں تو اللہ کے حکم سے۔

غزوہ احد سے متعلق ان کے ایک اور قصیدے میں اپنے محبوب و محسن سے مدح ذرا

تفصیل کی ہے۔ دیکھیے کس انداز میں گویا ہوتے ہیں:

فینا الرسول شهاب لم يتبعه نور مضى، له فضل على الشهب
الحق منطقہ والعدل سيرته فمن يحبه اليه ينج من تب
لجد المقدم ماضى الهيم معتم حين القلوب على رجف من الرعب
بمضى و يذمرنا عن غير معصية كانه البدر لم يطبع على الكذب
بدالنا فابعدناه نصدقه و كذبوه، فكنا أسعد العرب
(سیرت ابن ہشام ۳/۱۳۶-۱۳۷)

مفہوم

۱۔ ہم میں رسول اللہ ﷺ ایک تارے کی مانند ہیں جس سے ایسی منور روشنی نکلتی ہیں جس کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

۲۔ ان کی بات سچ، ان کی سیرت منصفانہ ہے، جو ان کی بات پر کان دھرے گا ہلاکت سے بچے گا۔

۳۔ پیش رو دستہ کے پشت پناہ، ارادہ کے پکے، با حوصلہ اس وقت جب کہ دل خوف سے کاہنے لگیں۔

۴۔ آگے بڑھتے جاتے ہیں اور... بھائی کے ساتھ ہمارا حوصلہ بڑھاتے ہیں گویا کہ وہ بدر کا دل ہیں جن کی جھوٹ پر خلقت نہیں ہوئی ہے۔

۵۔ وہ ہم میں مبعوث ہوئے تو ہم نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے پیروی کی اور دوسروں نے ان کو جھٹلایا تو ہم تمام عربوں میں سب سے خوش قسمت ٹھہرے۔

فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ نے طائف کا رخ فرمایا تو شاعر کی نظر نے رسول اللہ ﷺ کا جو عکس اپنے اشعار میں محفوظ کیا وہ یہ ہے:

رئيسهم النبی، و كان صلباً
وشيد الامر ذا حکم و علم
نطیع نبینا و نطیع ربنا
هو الرحمن کان بنا رؤوفا
نقی القلب مصطبراً عزوفا
و حلم، لم یکن نزفا خفیفا
(سیرت ابن ہشام ۳/۱۳۳)

مفہوم

۱۔ مجاہدین کے نبی سردار عزم کے پکے، صاف دل، صابر اور بری باتوں سے متفرغ تھے۔

۲۔ صائب الرائے، صاحب اقتدار و با علم و حلیم تھے۔ غصے میں بے قابو ہونے والے یا اونچے نہ تھے۔

۳۔ ہم اپنے نبی اور پروردگار کی اطاعت کرتے ہیں جو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔
عہد نبوت کے ایک شہید اسلام شاعر عبداللہ بن رواحہ ہیں۔ ان کو شہادت کی ایسی تھی
تمنا تھی کہ غزوات میں ان کا شعار یا قفس ان لم تکتلی تموتی ہوتا تھا۔ آخر ان کی یہ تمنا اس طرح
پوری ہوئی کہ غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے بعد انھوں نے
بھی اسلامی لشکر کا جھنڈا ہاتھ میں لیے ہوئے لڑتے لڑتے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس
غزوہ کے لیے روانگی سے قبل رسول کریم ﷺ سے رخصتی ملاقات کے موقع پر انھوں نے
حضور ﷺ کی خدمت میں یہ نذرانہ عقیدت پیش کیا تھا:

فثبت اللہ ما آتاک من حسن تثبت موسیٰ، و نصراً کالذی نصرنا
انی تفروست فیک الخیر نوافلہ اللہ یعلم انی ثابت البصر
أنت الرسول فمن یحرم نوافلہ والوجه منه فقد أزدی بہ القدر
(سیرت ابن ہشام ۳/۳۲۸-۳۲۹، سیرت ابن کثیر ۳/۳۵۶-۳۵۷)

مفہوم

۱۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو موسیٰ کی طرح اس اچھے دین پر ثابت قدم رکھے اور ویسی ہی مدد کرے
جیسی ان کی کی تھی۔

۲۔ میں نے آپ ﷺ میں تمام اچھائیاں تاڑ لی ہیں اور خدا جانتا ہے کہ میں صحیح نگاہ والا ہوں۔
۳۔ آپ ﷺ ہی رسول برحق ہیں، اس لیے جو آپ ﷺ کی توجہ اور نوازش سے محروم رہا تو اس کی
قسمت ماری گئی۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے یہ اشعار سن کر ان کے لیے بھی یہی دعا دہرائی و انت
فبک اللہ (سیرت ابن کثیر ۳/۳۸۷)

پھر جب رسول اللہ ﷺ لشکر کو رخصت کر کے واپس ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ نے کہا:

خلف السلام علی امرئ ودعته فی النخل خیر مشیع و خلیل
(سیرت ابن ہشام ۳/۳۲۹، سیرت ابن کثیر ۳/۳۵۷)

مفہوم

سلامتی ہو اس شخص پر جس کو میں نے نخلستان میں رخصت کیا، وہ بہترین مشایعت کرنے والا

اور دوست ہے۔

بخاری کے حوالے سے ابن کثیر نے ان کے درج ذیل مدحیہ اشعار بھی نقل کیے ہیں:

و فینا رسول اللہ نعلو کتاب اذا انشق معروف من الفجر ماطع
یبت یحیا فی جنبہ عن فراشہ اذا استغفلت بالمشرکین المضاجع
انہی بالہدی بعد العمی فقلوبنا بہ موفیات ان ما قال واقع
(سیرت ابن ہشام ۳/۲۸۸)

مفہوم

۱۔ ہم میں رسول اللہ ﷺ ہیں جن کی لائی ہوئی کتاب صبح صادق طلوع ہونے کے وقت پڑھتے ہیں۔

۲۔ رات ان کا پہلو بستر سے جدا رہتا ہے جب کہ مشرکین کے بچھونے ان کے وزن سے بوجھل رہتے ہیں۔

۳۔ وہ کور بھری کے بعد ہدایت لائے جس پر ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ انھوں نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔

آخر میں ان کے یہ نعتیہ اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

روحی الفداء لمن اخلاقہ شہدت بانہ خیر مولود من البشر
عمت فضائلہ کل العباد کما عم البریۃ ضوع الشمس والقمر
لو لم تکن فیہ آیات مبینہ کانت بدیہتہ تنبیک بالخیر
(عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام ص ۷۵، نقوش لاہور، رسول نمبر ۱۰/۲۳۳)

مفہوم

۱۔ میری جان اس ذات پر قربان ہو جس کے اخلاق اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ تمام انسانوں میں سب سے بہتر ہے۔

۲۔ اس کے احسانات تمام بندوں کے لیے ایسے عام ہیں جیسے کہ چاند و سورج کی روشنی تمام مخلوقات کے لیے عام ہے۔

۳۔ اگر اس کی ذات میں اور روشن دلیلیں نہ بھی ہوتیں تب بھی اس کا چہرہ مہرہ تم کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیتا۔

آخر میں لسان رسالت مآب ﷺ کے ترجمان شاعر اسلام حسان بن ثابتؓ سے کون واقف نہیں۔ ان کے اعزاز کے لیے یہی کافی ہے کہ ان کو شاعری کی زبان میں کفار کے مقابلے کی ہدایت جناب رسول کریم ﷺ کی طرف سے جاری کی گئی تھی۔ اہجہم و جبریل معک۔ اور پھر انھوں نے اس حکم نبوی ﷺ کی تعمیل اس طرح کی کہ نہ صرف کفار کی بدزبانی اور گستاخیوں کے جواب دینے اور رسول کریم کی عزت و آبرو کی حفاظت و دفاع کی خاطر اپنی جان و مال اور عزت و آبرو سب داؤ پر لگا دی:

فان ابی و والدہ و عرضی لعرض محمد منکم ولاء
لسانی صارم لاعیب لہ و بحری لالتکدرہ الدلاء
(سیرت ابن کثیر ۳/۵۸۸)

مفہوم

۱۔ میرے باپ دادا اور خود میری عزت و آبرو محمد ﷺ کی عزت و آبرو کے لیے ڈھال ہے۔
۲۔ میری زبان کاٹنے والی تلوار کی طرح بے عیب ہے اور پانی ٹکانے سے میرے سمندر کا پانی گدلا نہیں ہوتا۔

بلکہ دعوت و تبلیغ و توفیق اسلام کا فریضہ ہو یا اسلامی غزوات و سرایا کے روشن کارنامے رقم کرتا ہوں یا شہدائے اسلام کے مرچے ہوں، انھوں نے اپنی شاعری کی خوب صورت زبان میں اپنا عہد و بیان وفا کیا اور ان میں سے ہر ایک کا حق ادا کر دیا۔ روایت ہے کہ ان کی پیش بہا شاعرانہ خدمات کے صلے میں ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کے شعر سننے سنانے کے لیے مسجد نبوی ﷺ کے ایک زاویے میں ایک منبر رکھوایا گیا۔ ان کے بعض قصائد میں سے ان کے عجیبہ کلام کے چند نمونے یہاں ملاحظہ ہوں:

رسول یصدق ما جاءہ و یقلو کتابا مضیا منیراً
(سیرت ابن کثیر ۳/۲۹۶)

مفہوم

ان کے پاس جو پیغام خداوندی آتا ہے وہ اس کی تصدیق فرماتے ہیں اور روشن و منور کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ کا وصف اس طرح بیان کرتے ہیں:

نبی یری ما لا یری الناس حوله و یملو کتاب اللہ فی کل مشہد
و ان قال فی یوم مقالة غائب فصد یقها فی الیوم او فی ضحی الفد
(سیرت ابن کثیر ۲/۲۶۲)

مفہوم

- ۱۔ نبی ﷺ ان حقائق کا ادراک فرما لیتے ہیں جن کو ان کے آس پاس کے لوگ نہیں دیکھ پاتے اور وہ ہر موقع پر کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔
- ۲۔ اور اگر وہ کسی دن کوئی غیبی بات عرض کریں تو اسی دن یا دوسرے دن صبح تک اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

ہنقرضہ کے قتل و جلا وطنی کے موقع پر ان کے مدوح ﷺ کی یہ تصویر کشی ملاحظہ ہو:

خداة اناہم یہوی الیہم رسول اللہ کالقمر المنیر
لہ عجل مجنبہ تعادی یفرسان علیہا کالصقور
(سیرت ابن کثیر ۳/۲۵۹)

مفہوم

- ۱۔ اس صبح ان کی طرف رسول اللہ ﷺ ماہ تاباں کی طرح بڑھے۔
 - ۲۔ ان کے ساتھ امیل گھوڑے تھے جن پر شہسوار دشمن پر ہازوؤں کی طرح جھپٹتے تھے۔
- حضرت حسان بن ثابتؓ کی شاعری میں سب سے زیادہ متوجہ کرنے والی بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کی ہر صنف میں ہمیشہ اسلامی تعلیمات کو بہت سلیقے سے سمونے کی کوشش کی ہے۔ یہاں ہم کو صرف مدح رسول اللہ ﷺ سے مطلب ہے۔ دیکھیے ان کی یہ خوش لحن آسان نعت جس میں حمد و نعت اور اسلامی تعلیمات کا کتنا حسین احتراز ہے:

أغر علیہ للنبوۃ خاتم من اللہ مشہود، یلوح و یشہد
و ضم الا لہ اسم النبی الی اسمہ اذ قال فی الخمس المؤذن أشہد
و شق لہ من اسمہ لیجلہ فلنوالعرش محمود و ہذا محمد
نبی اتانا بعد یاس و فترۃ من الرمل، والأوثان فی الأرض تعد
فامسی سراجاً مستیراً و ہادياً یلوح کم الاح الصیقل المہند

و اندرنا ناراً و بشر جنۃ و علمنا الاسلام فاللہ نحمد
و أنت الہ الخلق ربی و خالقى بذلک ما عمرت فی الناس اشهد
تعالیت رب الناس من قول من دعا سواک الہاء أنت اعلی و امجد
لک الخلق و النعماء، والأمر کلہ فایاک نستہدی، و ایاک نعبد
(عبداللہ عباس مدوی، عربی میں نعتیہ کلام ص ۶۵-۶۶، بحوالہ دیوان حسان بن ثابت)

مفہوم

- ۱۔ اللہ کی طرف سے ان پر ثبت شدہ درخشاں و تاباں مہر نبوت گواہ ہے۔
- ۲۔ خدا نے نام نبی کو اپنے نام کے ساتھ اس طرح ملایا کہ مؤذن پانچوں اذانوں میں اشهد ان
محمداً رسول اللہ کہتا ہے۔
- ۳۔ اور ان کے اعزاز کے لیے اپنے نام سے ان کا نام مشتق فرمایا تو صاحبِ عرشِ محمود ہے اور یہ
محمد ﷺ۔

- ۴۔ وہ رسولوں کے انقطاع کے ایک عرصہ تا آمیدی کے بعد ہم میں تشریف لائے جب کہ سرزمین
میں بتوں کی عبادت کی جارہی تھی۔
- ۵۔ لہذا وہ ہدایت دینے والے روشن چراغ ثابت ہوئے۔ ایسے چمکتے ہیں جیسے کہ صیقل شدہ ہندی
نکوار۔

- ۶۔ انھوں نے ہم کو آگ سے ڈرایا، جنت کی بشارت دی، اسلام کی تعلیم دی، لہذا ہم اللہ ہی کی
حمد بیان کرتے ہیں۔

- ۷۔ اے میرے پروردگار! تو میرا اور تمام مخلوق کا معبود ہے، میں تا عمر اسی کی گواہی دیتا رہوں گا۔
- ۸۔ تیرے سوا جو دوسروں کو معبود کی حیثیت سے پکارے درحقیقت تو اُس کی اس ہرزہ سرائی سے
بلند و بالا ہے۔

- ۹۔ ساری مخلوق تمام نعمتیں اور حکم مطلق تیرا ہی ہے لہذا ہم تجھ ہی سے ہدایت چاہتے ہیں اور تیری
ہی عبادت کرتے ہیں۔

اسی لب و لہجہ اور لے میں یہ آخری مدحیہ نمونہ بھی دیکھیں:

واللہ ربی لانفارق ماجداً عف الخلیقہ ما جد الأجداد
متکرمأ یدعو الی رب العلی بذل النصیحة رافع الأعماد

مثل الهلال مبارکاً ذا رحمة سمح الخليفة طيب الأعواد
ان تتركوا فان ربي قادر امسى يعود بفضلہ العواد
والله ربي لانفارق امة ماكان عيش يرتجى لمعاد
لابسطى رباً مواه لاصرا حتى نوا في صحوة الميعاد
(عبداللہ عباس عدوی، عربی نعتیہ کلام، ص ۶۷، بحوالہ دیوان حسان بن ثابتؓ زاد المعاد)

مفہوم

- ۱۔ اے میرے پروردگار تیری قسم! ہم اس کا ساتھ نہ چھوڑیں گے جو بزرگ، مخلوق میں پاکباز اور عالی نسب ہے۔
- ۲۔ بزرگ و برتر پروردگار کی طرف بلانے والا محسن، خیر خواہ اور بلند حوصلہ ہے۔
- ۳۔ ہلال کی طرح مبارک، ہارمت، مخلوق کے لیے نرم خو اور حسب و نسب والا ہے۔
- ۴۔ اگر تم اس کو چھوڑ بھی دو تو میرا رب اس بات پر قادر ہے کہ اپنے فضل سے لوگوں کو اس کی طرف رجوع کرے۔
- ۵۔ اے میرے پروردگار تیری قسم! ہم ان کے دین کو نہ چھوڑیں گے ورنہ پھر آخرت میں کسی خیر کی امید نہیں۔
- ۶۔ ہم تیرے سوا کسی کو مددگار رب نہیں مانتے تا آن کہ ہم وقتِ موعود کو پہنچ جائیں۔

حاصل بحث

عہد نبوت کے بعض مسلم صحابی شعرا کے مذکورہ چند مدیہ نمونوں میں زبان و ادب کی چاشنی، وصف و بیان میں جاذبیت و کشش، حقیقت نگاری اور شاعرانہ خیال آرائی میں توازن و اعتدال، نامناسب غلو و مبالغہ سے احتراز اور عبد و معبود کے درمیان حدود کا پاس و لحاظ واضح طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان شعرا کے ہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا صحیح ادراک، عبدیت کے ساتھ مقام رسالت و نبوت کی قدر و منزلت، لیکن دونوں کے درمیان واضح فرق کا اتنا عمیق احساس ہے کہ سہواً بھی کہیں دونوں میں غلط بحث کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کی مدح میں آپ ﷺ کی عبدیت و بندگی کا ذکر اور پھر رسالت و نبوت کے مرتبہ کو خدا کے فضل و احسان سے تعبیر کرنا اور فوراً حمدِ باری تعالیٰ کا ترانہ الاہنا، اسلامی تعلیمات و شعائر کی تشریح و توضیح اور ان کی برتری کا بیان اس بات کا واضح ثبوت معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کی ہر صنف کا بنیادی مقصد

دھوتی اور تبلیغی تھا، جس کے ذریعے مسلمانوں کو ایمان و اسلام پر ثبات و استقامت کی دولت پر ناز و افتخار حاصل ہوتا تھا اور کفار و مشرکین و منافقین کے سامنے خداوندی پیغام کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا ہوتا تھا، اس لحاظ سے ان کی شاعری کو آج کی معروف اصطلاح میں تحریکی شاعری کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یہی شاعری ہمارے آج کے شعرا کے لیے بھی نمونہ و مثال کا کام دے سکتی ہے جس کے ذریعے وہ اسلامی خدمت کے متنوع وسیع میدانوں میں سے ایک میدان میں بحیثیت داعی مسلمان شاعر اپنے اوپر اسلام کے دفاع کے حق اور فرض سے سبک دوش ہو سکتے ہیں۔



حاشیہ

☆۔ ابن اسحاق نے یہ شعر عبداللہ بن رواحہ کا بتایا ہے۔ اور ابن ہشام نے کعب بن مالک کا۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ گوجرانوالہ

ظہورِ قدسی

(اردو نعت کے آئینے میں)

اقبال نے کہا تھا:

اے ظہور تو شبابِ زندگی جلوہ است تعبیرِ خوابِ زندگی
اے زمیں از بارگاہتِ ارجمند آسماں از یوسہ ہامتِ بلند

حضور ﷺ وحی و وجود کائنات ہیں اور سب قاتحوں کی غایتِ ادنیٰ، بالواسطہ یا بلاواسطہ کائنات کی جملہ رعنائیاں آپ ﷺ ہی کے حسن سے مستعیر اور جملہ پہنائیاں آپ ﷺ ہی کے ذکر سے معمور ہیں۔ وقت کی ہر ساعت آپ ﷺ ہی کی یاد سے تازگی، گفتگو اور بالیدگی لے رہی ہے:

ہر لمحہ، ہر صدی کا ازل سے اُفقِ اُفق صَلَّیْ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا سردیِ نغمہ سنائے ہے
تورات ہو یا زبور، انجیل یوحنا ہو یا برہاس، بدھ کے لہنوںات ہوں یا بھویش پران کے اسباق،
اقروید کے منتر ہوں یا دستاویز کے اصول... قدیم صحافت کا ورق ورق کسی نہ کسی طور آپ ﷺ کے
ذکر سے تابندہ ہے، کہیں آپ ﷺ کو فارغلیہ کہا گیا، کہیں مخمنا، کہیں مہر یا کہیں بھکت گرو، تحریفات
کے باوجود اناجیل میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں بشارتیں واضح انداز میں نظر
آتی ہیں:

رقم ہیں صحیفوں میں القاب تیرے تو یسین و طہ میں طلعت نما ہے
گوئج ان کی ثنا کی رہی ہے ہر نبی نے خبر ان کی دی ہے
کوئی ایسا صحیفہ نہیں ہے جس میں ان کا حوالہ نہیں ہے

وہ وجود پاک جو اعتبار اولیٰں بھی ہو اور افتخار آخریٰں بھی۔ جو تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود بھی ہو اور قیمتی تر گوہر دریائے جود بھی، جو مطلع دیوان نبوت بھی ہو اور مقطع نظم رسالت بھی۔ جو منظر نور کبریا بھی ہو اور حبیب خدا بھی۔ جو سید التقلین بھی ہو اور امام القبلین بھی۔ جو ساقی کوثر بھی ہو اور شافع محشر بھی۔ جو قبلہ زاہداں بھی ہو اور کعبہ قدسیاں بھی۔ جس کا جلوہ صبح ازل کی ضو بھی ہو اور شام ابد کی کو بھی۔

وہ عظیم الشان انسان چمکتے جس کے خرام ناز نے تاریخ کے دھارے کو موڑا اور تمدن کے رخ کو نکھارا ہو۔ جس کے کوچے کے ڈڑوں کو چھو کر گزرنے والی ہوائے مشکبو سے دل کے غنچے نمو پاتے اور روح کے آگن مسکراتے ہوں جس کے نقوش پا کی چمک اور جس کے محاسن کی دھنک آج بھی منزل نشاں ہو۔ رب جہاں جس کے مسکن کی قسم کھاتا اور تفہیم مطالب کیلئے اُسے شاہد بناتا ہو اور جس ذات اقدس کے نعتیہ ترانوں کی آغوش میں ازل نے انگڑائی لی ہو اور ابد انھی نفوس کے لیے گوش بر آواز ہو۔ جس کا ہر قدم تاریخ ساز، ہر یول ہدایت نما، ہر فعل نقش جاوداں اور ہر نفس خزاں بخت کائنات کے لیے موج بہار ہو اور جس کے فیض نگاہ سے عقل، صاحب اشار اور عشق تیغ جو ہر داد ہو... مجھ ایسا عاجز و درماندہ اور انتہا کی گنہ گار و خطا کار انسان، سیاہ رو و سیاہ کار شخص، گندم نما جو فروش اور زنا ردار خرقہ پوش بشر اُس خیر البشر چمکتے کے ہارے میں اپنی زبان کے سارے اسلوب، اپنے اظہار کے سارے پیرائے اور اپنے انداز کے سارے حسن سمیٹ کر بھی، اپنے مجز بیان ہی کو بیان کے طور پر پیش کر سکتا ہے کہ سکوت بھی تکلم بلوغ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسے نغمے بھی ہوا کرتے ہیں جو شرمندہ آواز نہیں ہوتے:

ترے جلووں کے آگے طاقتِ شرح بیاں رکھ دی

زبان بے نگاہ رکھ دی، نگاہ بے زباں رکھ دی

مدیر ”نعت رنگ“ اجازت دیتے تو ظہور قدسی سے متعلق نعتیہ انوار کے ساتھ ساتھ کچھ خوب صورت نثر پاروں کو بھی مربوط کرتا جاتا کہ یہ رشحات خامہ بھی میرے نزدیک نثری نعتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نثر پارے اُن شخصیتوں کے قلمی نوادر ہیں، جو خاصانِ بارگاہ ہی نہیں، صاحب اسلوب نثر نگار بھی ہیں، جس طرح قامتِ زیبا، کسی سرور رواں کی قیامت آفرینیوں کا غماز ہوا کرتا ہے اسی طرح صاحب اسلوب نثر نگار کی تحریر خود بولتی ہے کہ وہ کس قسم کے خرام ناز کا حاصل ہے کہ صاحب طرز کہتے ہی اس کو ہیں جو لاکھوں میں ایک ہو اور ہزاروں میں پہچانا جائے

اور جسے لٹ جانے کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ جس کے پاس جو ہو اس کا اپنا ہو اور جس کا فکری گداز اس کی شخصی بصیرت اور قلبی فضیلت سے ہم آہنگ ہو اور جس کی تحریر کا حسن خود بخود نگاہوں سے لپکتا اور بے ساختہ دل میں اتر جاتا ہو... ورنہ کتنے ہی ”با تخلص“ ہیں کہ اُن کی ”نثر نما اشعار“ پڑھ کر نہ دل کیف پاتا ہے نہ روح وجد کرتی ہے۔ اور دوسری طرف کتنے ہی صاحب قلم ہیں کہ اُن کی نثری جملوں پر بھی تغزل کی ایمائیت جھومتی ہے، حسن جہاں بھی ہو، کسی بھی رنگ، ڈھنگ اور آہنگ سے ہو، بات بہر نوع حسن آفرین ہی تک جاتی ہے اور ہر راہ، اُسی کی چاہ کے در تک پہنچتی ہے، شاعر کا قلم لاکھ تعلق کرے کہ:

چلتا ہوں رُخِ وقت پہ الہام کی افشاں اپنا بھی قلم حضرت جبریلؑ کا پر ہے
کیوں زندہ جاوید نہ ہو میرا تغزل میں خضرِ ادب ہوں مری تخلیق امر ہے
شکر تو اُسی ذات بلند و برتر کا ہے جس نے قلم کا ذریعے علم کے ایوان روشن کیے ہیں
اور اگر تذکرہ اُس ذات اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت کا ہو، جسے رب عالم نے رحمت عالم بنا کر بھیجا ہو جس کے نطق سے غنچے پھول بنتے ہوں جس کی نگاہوں سے سورج ضیا لیتا ہو، جو اُلٹتا ہو تو ستارے فرشِ راہ ہو جاتے ہوں، بیٹھتا ہو تو زمین عرش بن جاتی ہو، تو قلم میں پُر ہما کی جنبش خود بخود پیدا ہو جاتی ہے کہ خیال میں زیبائی ہے تو اُسی ذات سے، دلوں میں بصیرت ہے تو اُسی نام سے، زبانوں میں تاثیر ہے تو اُسی یاد سے اور قلم میں حسن ہے تو اُسی ظہور سے۔ حق یہ ہے کہ اگر وہ تشریف نہ لاتے تو ہماری پوری کائنات دھواں دھواں ہوتی، نہ فکر و خیال کی دنیا میں کوئی چاندنی ہوتی اور نہ قرطاس و قلم کی وادیوں میں کوئی روشنی...

ظہور قدسی کے سلسلے میں اردو شعر و ادب اس قدر نظر افروز اور دل آویز و مسکتوں کا حامل ہے کہ نگہِ انتخاب حیران و ششدر ہے کہ کسی نثر پارے، کسی نظم اور کسی نعت کو لیا جائے اور کسی کو چھوڑ جائے۔ سیرت نگار جب بھی ولادت باسعادت کے ذکر پر پہنچتے ہیں تو اُن کا دل مسکرا اُٹھتا اور قلم گل فشاں ہو جاتا ہے۔ نتیجہ معلوم کہ بعض نثر پاروں کے سامنے شعر بے حیثیت نظر آتے ہیں۔ احقر نے (چند شعروں کے سوا) غزل کی ہیئت میں لکھی جانے والی نعتوں کے ایک مختصر سے انتخاب پر اکتفا کی ہے۔ متعلقہ نظموں کو اردو نثر نہیں لیا کہ نظم کا انداز مسلسل ہوتا ہے اور پوری نظم بطور اکائی کے لطف دیتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ظہور قدسی سے متعلق خوب صورت نثر پاروں، نظموں اور نعتوں کا مکمل احاطہ کسی مقالے میں ممکن ہی نہیں۔ اس کے لیے ایک مبسوط تالیف مطلوب

ہے۔ بہر کیف احقر کے دامن نگاہ کی تنگیاں اور ”نعت رنگ“ کی ”ضخامتی مجبوریاں“ نثر و نظم کے ان گہائے حسین کی فراوانیوں سے معذرت طلب ہیں۔

اب ایک شعری قوس قزح دیکھیے کہ ولادت باسعادت کا تذکرہ کس رنگ و آہنگ کے ساتھ جلوے بکھیر رہا ہے۔

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے ظلیل اور نوید مسیحا
(حالی)

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغِ ذرہ رنگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
(اقبال)

آگے حضرت کہ جلووں کو جہاں درکار تھا ظلمتوں میں آفتابِ ضوفشاں درکار تھا
(حافظ مظہر الدین)



امام الانبیا آئے، حبیبِ کبریا آئے دلوں کی روشنی لے کر محمد مصطفیٰ آئے
نہ جانے کب سے دنیا میں لہو انساں کا ارزاں تھا نصابِ زندگی لے کر رسول ﷺ ہامضا آئے
خدا سے ناشناسا تھا ہر اک انسان دھرتی کا رہ وحدت دکھانے کے لیے مقدمہ کشا آئے
(آثم فردوسی)

ہوا جب ضوفشاں دنیا میں مہرِ وادیِ بظا رخِ ہستی پہ رنگِ جلوۂ نور سحر کھرا
مشیت نے عظامِ زندگی ترتیب دینے کو کتابِ زندگی میں بابِ رحمت اک نیا کھولا
جبینِ شوق اس کے آستاں پہ کیوں نہ جھک جائے کہ جس نے قلبِ مسلم کو مذاقِ آرزو بخشا
(حیرت جلال پوری)

چھائی ہوئی تھی ظلمتِ شبِ دور دور تک آتی ہے اب نویدِ سحرِ دور دور سے
آمد سے اُن کی، زیست کی قدریں بدل گئیں دنیا حسین بن گئی اُن کے ظہور سے
آسودہ آ کے منزلِ بظا میں ہو گیا جلووں کا کارواں جو چلا کوہِ طور سے
(ذکی کیفی)

ہر سمت جہنِ آمدِ شاہِ ہدیٰ ہے آج ہر ایک لب پہ نغمہِ صلِ علیٰ ہے آج
زینتِ فزائے دہر ہے تنویرِ حسن و عشق ہر سمت نورِ ایزدی جلوہ نما ہے آج

جس کی فہیم سے یہ فضا کیں ہیں صرصار باغ جہاں میں وہ گلِ رحمت کھلا ہے آج
 آئی حجابِ نور سے دل کش نوائے شوق ہر سو خیائے طلعتِ بدرالمنیٰ ہے آج
 ارض و سما ہیں حسن سے جس کے فروغِ گر وہ آفتابِ ہاشمی جلوہ نما ہے آج
 (قریزدانی)

ہوا جہاں میں تری ذاتِ پاک کا جو ورود نظر کی حد سے بھی آگے تھے روشنی کے حدود
 (احسان دانش)

تاریکیوں پہ چھانے لگا نورِ سرمدی آفاق پر ظہورِ کمال سحرِ ہوا
 ویران بت کدے ہوئے آتش کدے بجھے کس شان سے وہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا
 ہر بوند اس کے لطف سے موجِ رواں بنی ہر ذرہ اس کے فیض سے لعل و گہر ہوا
 بظا کی خاک بن گئی اکسیرِ لازوال اس کے خرامِ ناز کا ایسا اثر ہوا
 (صفی العیشی)

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
 (احمد رضا خاں بریلوی)

☆

آج ہے اس نبی کی ولادت کا دن سارے نبیوں کو جس کی امامت ملی
 ہر گھڑی اس گھڑی کا قصیدہ پڑھے خاک کو جب ستاروں کی عظمت ملی
 جھوٹی معبودیت منہ کے بل گر پڑی محنِ کعبہ کو بھی عبادت ملی
 (مظفر وارثی)

فرشتے تھے فضائے قدس میں صرف پُرانی
 خوشی سے جھومتے تھے ان کے پیکر ہائے نورانی
 پروں کی جنبش لرزاں سے موسیقی کی لے پیدا
 لبوں کی لرزشِ پیہم سے طاری کیفِ روحانی
 دُورِ نور کا عالم تھا ایسا آخرِ شب میں
 کہ ہر تارے پہ ہوتی تھی فدا خورشیدِ سامانی
 پڑیں قارآن کی چوٹی پہ بوندیںِ ابرِ رحمت کی
 فزوں تر پارۂ سیماب سے بھی جن کی تابانی

خوشی سے مست تھے سب آسماں والے کہ اتنے میں
یکایک یہ ہوا روح الامیں کو حکم یزدانی
منادی جا کے کر دو خشک و تر میں، بحر میں، بر میں
ہوئے پیدا محمد ﷺ آج عبداللہ کے گھر میں
(عبدالجید سالک)

پو پٹی دیدہ و دل منور ہوئے
آپ ﷺ آئے تو فصل بہار آگئی
آپ ﷺ آئے تو ایماں ہوا دل فہمیں
آپ ﷺ آئے تو غم دیدہ انسان کو
آپ ﷺ آئے تو دڑے بھی انجم بنے
آپ ﷺ آئے تو بیکے ہوئے قافلے
آپ ﷺ آئے تو سب نقش اُجاگر ہوئے
سب ورق گل کدوں کے مصور ہوئے
فلک پریشاں ہوئے، وہم ششدر ہوئے
ہچی خوشیوں کے عنوان میسر ہوئے
آپ ﷺ آئے تو کنگر بھی گوہر ہوئے
کامرن خیر کے راستے پر ہوئے
(جعفر بلوچ)

ترنین کائنات برنگِ دگر ہے آج
صدیوں سے فرشِ راہ تھے جس کے لیے نجوم
صبح ازل کو جس نے دیا حسن لازوال
کس کے قدم سے چکی ہے بلحا کی سرزمین
اے چشمِ شوق، شوکتِ نگارہ دیکھنا
شوقِ نگارہ نے وہ تراشا ہے آئینہ
جشن ولادتِ شہِ ﷺ جن و بشر ہے آج
آغوشِ آمنہ میں وہ رشکِ قمر ہے آج
وہ موجِ نورِ ذہنت دیوار و در ہے آج
ظلمتِ کدوں میں شورِ نویدِ سحر ہے آج
ماہِ فلک چراغِ سر رہ گزر ہے آج
جس آئینے میں جلوہ آئینہ گر ہے آج
(ناصر کاظمی)

بارگاہِ کبریا سے آگیا
ظلمتِ جہل و ضلالت میں ہوا
آگیا وہ حسنِ انسانیت
سیدالکونین ہے جس کا لقب
جس کی تعلیمات سے برپا ہوا
بے نواؤں کی دعاؤں کا جواب
ضوفشاںِ رشد و ہدئی کا آفتاب
جس کی آمد سے کھلے خوشیوں کے باب
رحمتِ دارین ہے جس کا خطاب
ایک عالم گیر فکری انقلاب
(ضیا محمد ضیا)

جب تک ترے چہرے کا اُجالا نہ ہوا تھا
ہے جن کی ذات رحمت سر بسر تشریف لاتے ہیں
وہ دل کی سلطنت کے تاجور تشریف لاتے ہیں
زمانہ جن کا ہے مدینہ گر تشریف لاتے ہیں
وفا کی مشعلوں سے جلائے جاں جگمگا لیے
(حفظ تائب)

وہ خدا کے آخری پیغامبر پیدا ہوئے
قلمت دنیا میں آثارِ سر پیدا ہوئے
باہلوں میں برق، پتھر میں شر پیدا ہوئے
یوں تو دنیا میں ہزموں سنگ و پیدہ ہوئے
(قمر میرٹھی)

کہ خود صنم قدرت مدح خواں ہے جس کی کھبت کا
انہی کی ذات اقدس مطلعِ اول ہے خلقت کا
وہ آئے، عکلمہ جن سے ہوا احکام قدرت کا
تو رہتا ہم سے غلی حسن صنعت، دستِ قدرت کا
(افق کالمی)

بزمِ رسل کے تاج دار، محرمِ راز کن فلک
غنیے کھلے کلی انسی، برگ و شجر ہوئے جواں
قلب و نظر کو پھر ملی طلتِ سوزِ جاواں
آئے شفیعِ حامیاء، آئے پناہ بے کساں
(ذکی کیفی)

چھاگئی سارے جہاں پر رحمتِ عالم کی ذات
آپ ﷺ جب تشریف لائے جگمگائی چاند رات
آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کو ملا ایسا ثبات
آپ ﷺ آئے تو منہ ہو گیا روئے حیات
(سلیم اختر فاروانی)

انساں کو شعور گل و لالہ نہ ہوا تھا
ذمہ انسانیت کے چارہ گر تشریف لاتے ہیں
کریں گے جو مسخرِ دہر کو اخلاقِ عالی سے
خدا کی جن کے در سے بھیک پائے گی تمدن کی
دیارِ دل کو خوش بوئے عقیدت سے بسا لیے

نام تھا لکھا ہوا جن کا سر لوحِ ازل
روما چرخِ رسالت پر ہوا میرِ عرب
اُس نظر سے بے حسوں کو بھی ملا سوزِ حیات
آپ ہی کا آستان ہے جس پہ زخم ہیں دو جہاں

کھلا ہے باغِ عالم میں وہ گلِ بستانِ فطرت کا
جو وہ پیدا نہ ہوتے، تو نہ ہوتے دو جہاں پیدا
وہ آئے جن کے آنے کی خبر دی ہر پیبر نے
اگر آتی نہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ اس بزمِ ہستی میں

آئے وہ جن کے دم سے ہے رونقِ بزمِ رنگ و بو
معنِ جن میں چل پڑی پھر سے نسیمِ صبرِ ہیز
علم و عمل کی قوتیں بخش دیں کائنات کو
آئے وہ جن کے فیض نے حسن دیا حیات کو

غیر فانی امن کا منشور ہے ان کا ظہور
گھپ اندھیروں کی صفیں لٹیں، اُجالے ہو گئے
جو ازل سے آج تک ہر اک زباں کا ورد ہے
جلتی بجھتی زندگی کی تو فروزاں ہو گئی

قدیل نور، شمع حرا، زینت حرم
نقش جمیل صبح اول کا کہیں ہے
(حافظ لدھیانوی)

ہوا کے نرم جھوکوں سے مدد انجم کو نیند آئی
نقاب شب عروس مہر نے چہرے سے سرکائی
حرم قدسی میں محفوظ تھی جو روزِ ازل سے
جنابِ مصطفیٰ، صل علیٰ تشریف لائے
اُجالا ہو گیا ظلمت کدوں میں مہر تاباں سے
شفق پھول، چمن جاگے کرن پھولی، سحر آئی
نمود صبح صادق اک پیام جاں فزا لائی
وہ نعمتِ آمنہ کی محترم آغوش نے پائی
سود طیبہ و بلحا پہ رحمت کی گھٹا چھائی
ظلم جہل ٹوٹا، زندگی نے روشنی پائی
(اقبال عظیم)

کیف سا ایک عالم پہ چھانے لگا
زندگی کی فکرتہ لوائی رُکی
آفتاب رسالت ہوا جلوہ گر
پھر چمن در چمن گل مہکنے لگے
قصر وہم و گماں ہو گیا معہم
مل گیا سازِ ہستی کو پھر دیر و ہم
شب کی تاریکیوں نے دیا توڑ دم
پھر صدف ریزیاں ہو گئیں یم بہ یم
(غلام رسول صدیم)

جوشِ رحمت سے کلا باب اثر آج کے دن
کس کے پر تو نے اندھیروں سے تراشے سورج
گم رہی گرد ہوئی، نور بصیرت چکا
قطرے قطرے کو ہوا بحر کا دھندان نصیب
ملی انسان کو معراجِ نظر آج کے دن
گم رہوں کو ملی منزل کی خبر آج کے دن
جگمگانے لگی ہر راہ گزر آج کے دن
ڈرتے ڈرتے کو ملا حسنِ نظر آج کے دن
(طفیل ہوشیار پوری)

کھلیں کلیاں، بنے غنچے، چمن میں بھی بہار آئی
اُلتے ہیں ترانے سازِ فطرت کے فضاؤں میں
فلک سے بھی زمیں پر نور کی بارش برستی ہے
شمیم جاں فزا آئی، حسین و دلربا آئے
سحر کے روح پرور کیف میں نور ہدی آئے
جہاں میں رحمتیں لے کر امام الانبیاء آئے
(گوہر ملیانی)

مظہرِ نور حق جلوہ بار آگیا
نازشِ لطف پروردگار آگیا
جس کی توصیف ہے برب قدسیاں
حسنِ عالم پہ گویا کھار آگیا
بزمِ کونین کا تاج دار آگیا
دستِ قدرت کا وہ شاہ کار آگیا

جس کا کونین میں کوئی ہم سر نہیں
بے سہارو، مبارک، سہارا ملا

ذات یکتا کا آئینہ دار آگیا
بے قراروں کو مژدہ، قرار آگیا
(تابش صدائی)

نظر لالہ و گل پہ اب کیا اٹھے گی
بجھے گا نہ جس کا چراغ نبوت
اب انسان کو انسان کا عرقان ہوگا
ازل سے جو تھا باغباں کی نظر میں
جو خیرات میں تاج و اورنگ دے گا
زمانے کو اب اپنی منزل مبارک
فلک اپنا اسلوب گردش بدل دے
میں ہوں حق بہ جانب اگر میرے لب پر

کہ اک حاصل لالہ دار آگیا ہے
وہ غمخیز چٹخے ذی وقار آگیا ہے
یقین ہو گیا، اعتبار آگیا ہے
وہ گل بن کے جان بہار آگیا ہے
فقیروں میں وہ شہر یار آگیا ہے
کہ اک خضر صد رہ گزار آگیا ہے
کہ اک مصلح روزگار آگیا ہے
کوئی نغمہ بے اعتبار آگیا ہے
(احسان دانش)

آپ ﷺ آئے نور کی ہمیں فروزاں ہو گئیں
آئیں جب ساتیں صبح ولادت کی قریب
کوہ قاراں سے جو ابھرا آفتاب دعویٰ

قوئم اشرار باطل کی پریشاں ہو گئیں
دعویٰ کی وسعتیں، گلشن ہداماں ہو گئیں
بلبلیں بستان ہستی کی شاخواں ہو گئیں
(محمد اکرم رضا)

راستے صاف بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
کہکشاں راہ گزر، چاند ستارے، ذرے
رہ گزر میں نظر آنے لگے ہر سو جلوے
چاند تاروں میں نصیر آج بڑی لہلہل ہے

لوگ محفل کو سجاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
سب چمک کر یہ دکھاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
ذرے رہ رہ کے بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
ہمیں آثار بتاتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
(نصیر الدین نصیر گولڑوی)

آمنہ کا لخت دل، نور نظر پیدا ہوا
اوج گردوں پر مقدر کا ستارا آگیا
ہر نبی کے لب پہ تھی جس کی خبر پیدا ہوا

خاندانِ ہاشمی میں اک گھر پیدا ہوا
آمنہ کی گود میں اک ماہ پارا آگیا
راہ حق میں رہبروں کا راہبر پیدا ہوا
(یزدانی جالندھری)

بعد مدت آج پھر آسودگی ہر گھر میں ہے
اک ہزیمت کا سافقشہ اس کے کل لشکر میں ہے
غلغلہ عیش و طرب کا گنبد بے در میں ہے
(مرزا فرحت اللہ بیگ)

اب ہو چکی بساط شب نامراد طے
اب ہو رہی ہے بارش انوار پے بہ پے
تاجد مصر و شام، بہ الحراف روم درے
(عابد علی عابد)

کفر رخصت ہو گیا، دین متین روشن ہوا
نور ایمان سے ہر اک قلب حزیں روشن ہوا
عرش تاباں ہو گیا، فرش زمیں میں روشن ہوا
آسمان حق پہ اک ماہ مبین روشن ہوا
آگیا جو آپ کے زیرِ قلمیں، روشن ہوا
(اکرم علی اختر)

آپ ﷺ کی آمد پہ عالم سر پہ سر کچھ اور تھا
آپ ﷺ جب آئے تو انداز سر کچھ اور تھا
(راز کا شمیری)

سرکار ﷺ بحر جود و سخا بن کے آگئے
آپ اس جن میں ٹھنڈی ہوا بن کے آگئے
علمت میں آنحضور ﷺ ضیا بن کے آگئے
آپ ﷺ ایک دور نو کی صدا بن کے آگئے
(ضیا محمد ضیا)

خواجہ کونین، شاہ بحر و بر پیدا ہوئے
ہر نفس امکان معراج نظر پیدا ہوئے
خیر سے خیر الامم، خیر البشر پیدا ہوئے

آج وہ دن ہے جگہ پڑتی ہے رحمت کی گھاٹ
آج وہ دن ہے چمپا پھرتا ہے شیطان لعین
آج وہ دن ہے کہ سب درہائے جنت کھل گئے

اب آفتاب برج سعادت میں آگیا
اب دیدہ بہار میں ہے سرمہ غبار
اب تاجدار عرش و بطحا کا ہے ظہور

وادی مکہ میں جب نور یقین روشن ہوا
ہو گئیں کافور سب تاریکیاں، مایوسیاں
آپ کے آنے سے روشن ہو گئے دشت و جبل
بندۂ مومن کی دنیا، دین میں شامل ہوئی
جو ہٹا سرکار ﷺ سے دھندلا گیا، کھلا گیا

آپ ﷺ سے پہلے جہان خشک و تر کچھ اور تھا
نور در آغوش یوں تو روز ہوتی تھی سر

طلق خدا کی پیاس بجھانے کے واسطے
ٹو سے مجلس رہا تھا جن زار دہر کا
پھیلیں شعاعیں نور نبوت کی چارسو
پیغام انقلاب تھی بشت حضور ﷺ کی

کعبہ جاں، قبلۂ قلب و نظر پیدا ہوئے
ہر قدم اک مشرق نور و ضیا کا سامنا
عارف ارض و سما، میر بساط کائنات

جس نے دیکھا پھر نہ دیکھا اور کچھ ان کے سوا اک نظر میں سینکڑوں حسن نظر پیدا ہوئے
اب نہ اُتریں گے صحیفے، اب نہ آئیں گے رسول لے کے قرآن آخری پیٹا مبر پیدا ہوئے
(احسان دانش)

زُبخ حیات کے جلوے نکھارنے کے لیے عرویں و ہر کے گیسو سنوارنے کے لیے
حقیر و عاجز و پامال نوعِ انساں کو وقارِ حد بشر تک اُبھارنے کے لیے
خدا نے ہادیِ کامل ﷺ کو دہر میں بھیجا روِ نجات پہ انساں کو ڈالنے کے لیے
(بشیر احمد تنہا)

شبِ غفلت کے ہنگاموں میں گم تھی نسلِ انسانی یکایک طاقِ کعبہ پر چراغِ ہاشمی آیا
تبسم کی ادا کیسی تھی کب گلہائے ہستی نے جب اک انسانِ کامل لے کے ہونٹوں پر ہنسی آیا
پڑی سوتی رہیں دنیا کی قومیں خوابِ غفلت میں وہ جب آیا تو انساں کو شعورِ زندگی آیا
(شفیق جوہداری)

دنیا ئے نعت گوئی میں جب بھی ولادتِ باسعادت کا ذکر ہوا ہے، ساتھ ہی درود و
سلام بھی شعری گفتگو، فکری تازگی، قلبی زندگی اور روحانی ہالیدیگی کا سبب بنتا رہا ہے۔ محبت، تعلق،
اُلیسیت کا یہ سلسلہ پیہم رواں دواں ہے کہ اوقاتِ عالم کا ایک ثانیہ بھی ایسا نہیں گزرتا جب کہ کوئی
نہ کوئی مسلمان، کہیں نہ کہیں نہ پڑھ رہا ہو اور اپنے آقا اور محسن حضرت محمد ﷺ کے حضور میں درود و
سلام نذر نہ کر رہا ہو۔

ربّ دو جہاں کی ذات بلند و برتر ہے اور اس کی حمد و ثنا پیہم رواں اور ہر دم خواں
ہے۔ اس کی مشیت تھی کہ اس کے حبیب ﷺ کی ذات کی عظمت کو بھی دوام مل جائے۔ چنانچہ
اس نے ذکرِ حبیب ﷺ کو رفعت عطا کر دی ایسی رفعت جس میں پوری کائنات کھٹی ہوئی ہے جس
کے محیط میں گنبدِ آگینہ رنگ بھی حبابِ آسا ہے جو ہر حد سے بڑھ کر اور ہر جہت سے بالاتر ہے۔
اس ذکر کو ہر نوع سے رفیع الشان رکھنے کا اہتمام یوں کیا گیا کہ خود وہ ذات جو ہر شاکہ، ہر اعتبار
سے مستحق ہے وہ بھی صلوٰۃ و سلام کے ذریعے حضور ﷺ کی سعادات و برکات میں اضافہ کرتی
رہے۔ شب و روز فرشتے اس مقامِ نازِ اِنوار کے طبق لے کر اُترتے رہیں جسے گنبدِ خضریٰ کہتے
ہیں اور بندے اپنے ظرف کے مطابق سلام بھیجتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور عطا کے مطابق
رحمت و عطوفت کے آرزو مند رہیں یہ آرزو مندی اللہ کے حکم کی تعمیل بھی ہے، اس کی رضا کے

حصول کا ذریعہ بھی اور اس نوع سے دعا بھی کہ اس خزانہ رحمت پر جتنی زیادہ رحمت نازل ہوگی عالمین اتنی ہی زیادہ تقسیم ہوگی کہ وہ ذات پاک ﷺ الطاف حق کی قاسم ہے اور ہم ہر اعتبار سے محتاج لطف و کرم:

میں خاک محض، میں انبار گل میں مشتمل غبار تری نگاہ جو پڑ جائے کیسا ہوں میں درود ہوں تری رحمت مآب کملی پر روائے یاس میں لپٹی ہوئی قبا ہوں میں تو رحمتوں کا تجل، تو شفقتوں کا جمال یہ میری سوچ کا محور نہیں کہ کیا ہوں میں درود و سلام ہمارے لیے وجہ رحمت ہے۔ زندگی کی ظلمتوں میں نور اور تمازت محشر میں عرش کا سایہ ہے یہ قرب کا ایک دلاویز ذریعہ ہے۔ ایک پاکیزہ محرک ہے کہ یاد کا جواب یاد سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھی فرشتوں کی جانب سے بھی اور خود مدد و رحیم و جلیل کی طرف سے بھی، یاد کے تسلسل ہی سے تعلق کی بنیاد استوار رہتی ہے۔ یہی وہ تذکرہ ہے جس سے اعمال کا حسن نکھرتا لحد عزتیں رہتی اور مغفرت کے ایوان کھل جاتے ہیں۔ قبولیت دعا کے لیے درود اُچک لے جانے والی بجلی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے۔ یہ دعاؤں کا محافظ، رضائے الہی کا حاصل اور سعادتوں کا سرچشمہ ہے۔ سلام نعت گوئی کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی اور نعت ثناء و تعظیم اور رحمت و عطوفت کو غم جاں، غم جاناں اور غم دوراں سے ہم آہنگ کر کے اس انداز سے پیش کرتی ہے کہ اس کی لے، کہیں ذات میں گم ہو جاتی ہے، کہیں صفات سے انوار سمیٹتی ہے، گاہے اھلکوں کو صورت و صدا بتاتی ہے اور کبھی روح کی لرزشوں کو نفس کی عطا کرتی ہے، کہیں دل کی بے چینیوں کا اظہار ہو جاتی ہے اور کہیں زیادہ زمانے کی گفتوں کا تذکرہ۔ گویا نعت ذاتی ہوتے ہوئے بھی کائناتی و سمعی کی آئینہ دار ہے یہ اُمت کی ایک ایسی فریاد ہے جو اس ذات اقدس کے حضور میں پیش کی جاتی ہے جو فی الواقع ثناء و تعظیم کے قابل ہے جس کی رحمت بے کراں ہے اور جس کی عطوفت ضرب المثل:

اب بھی مجھے سرکار کی رحمت پہ یقین ہے

کل بھی مجھے سرکار کی رحمت پہ یقین تھا

درود و سلام حکم خداوندی کی تعمیل کا ایک شرعی انداز بھی ہے اور شعرا کی زبان و قلم کا

ایک غنائی اظہار بھی، اردو زبان اس اعتبار سے معتبر ہے کہ سلام کے جس قدر نذرانے اس میں ہیں کسی اور زبان کے شعری ادب میں نہیں ہیں اور صلوة و سلام کی اس نعمانی کہکشاں کے رنگ

روپ میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ ثنائے رسول ﷺ ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ، فرشتے اور بندے ایک ہی سطح پر ایک ہی بات کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ ظرف کے مطابق عطا اور طلب میں فرق ہو سکتا ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کے بارے میں صلوٰۃ و سلام کے انداز کو پیچ اپنانا پھر فرشتوں اور بندوں کو بھی اس شان و تعظیم میں شریک کر لینا ثبوت ہے اس بات کا کہ درود و سلام ہی وہ شرف اور نعمت ہے جس پر عالم طلوی اور عالم سفلی دونوں کا اجماع ہے ورنہ کہاں عرش، کہاں فرش، کہاں خاک، کہاں عالم پاک، اگر کوئی نسبت ہے تو وہ درود ہی کی بنا پر موقر اور محترم ہے:

ساز دل سے نغمہ کی صورت اٹھی موج درود

عظمت کردار پر حق کی شہادت دیکھ کر

صلوٰۃ و سلام دراصل خمین ہے مصور حقیقی کے سب سے بڑے شاہ کار کی۔ مصور حقیقی کی آرزو ہے کہ اس کے نقش بہترین کی بہترین تعریف ہو، تعریف کرنے والا اگر صاحبِ نظر ہے تو اس کی قدر شناسی مصور کے نزدیک لعل و جواہر سے بھی گراں سمجھی جائے گی۔ خمین نظرِ ظرف اور توفیق کے مطابق مختلف ہوا کرتی ہے۔ بعض صرف زبان سے اعتراف کرتے ہیں، بعض تصویر کو دیکھ کر وجد میں آ جاتے ہیں، بعض مصور کی عظمتوں کے حضور میں جھک جھک جاتے ہیں اور بعض کا شوق دیدار، آنسوؤں میں ڈوب جاتا ہے۔ آنسوؤں کی زبان سے ادا ہونے والی ستائش خود مصور کے دل میں سرخوشی بن کر سما جاتی ہے۔ تصویر دیکھتے دیکھتے اگر مصور بھی مل جائے تو یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔ حضور ﷺ نقاشِ ازل کا بہترین نقش ہیں کہ جو دیکھنے والا اُن کے حسن کی کما حقہ کی خمین کرتا ہے۔ وہ دراصل مصور حقیقی کے جذبہ رحمت اور لطفِ بے نہایت کو جوش میں لاتا ہے۔ یوں فطرت کی نوازشات بے پایاں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں۔

اس رحیم و کریم ذات کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں دعا کے آداب بھی سکھائے اور طلب کے انداز بھی بتائے اور ہم پر واضح کر دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے تو اللہ کے حبیب ﷺ کے حضور میں ستائش کے نذرانے پیش کرو یہی منعم کے انعام کی خمین ہے۔ یہی فن کی داد ہے اور اسی داد کا دوسرا نام صلوٰۃ و سلام ہے۔ گویا سلام بحضور سرورِ کونین ﷺ، رضائے الہی کے حصول کا ایک معتبر، مستند اور مبرور ذریعہ ہے اور رضا ہر جزا سے بڑھ کر ہوا کرتی ہے اور آخر میں آغا شورش کاشمیری کے الفاظ میں:

سلام پہنچے آمنہ کے اس لالہ ﷺ کو جس نے ہمیں اپنی رحمۃ للعالمین

میں پناہ دی، ہمارے بازوؤں کو کشور کشائی کی طاقت بخشی، ہمارے دلوں کو اپنی خندہ جمینی سے آفتاب و ماہتاب کی طرح جگمگایا، ہمیں ایمان کی لاقائی دولت سے مالا مال کیا۔ جس پر قرآن کریم جیسی لازوال کتاب نازل ہوئی۔ جو مسکرایا تو چمنستان کو نمن کے پھولوں نے ہنسا سکھایا۔ جو اٹھا تو پہاڑوں نے سر بلندی پائی۔ جس کے خرام ناز سے صبا نے ٹھلنا سیکھا، جس نے کائنات کو نورانی کیا۔ جو نور میں سب سے پہلے اور ظہور میں سب سے آخر تھا۔ جس کی توانائیوں نے ہمیں کائنات کی تغیر پر قادر کیا۔ جس نے عرب کے بدوؤں اور حجاز کے ساربانوں کو شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلتا سکھایا۔ جس نے عرب و عجم کی تیز مٹا ڈالی۔ جس نے انسانوں پر انسانوں کی فوقیت کو ختم کیا اور تقویٰ، دیانت اور فراست کو انسانی شرف و مجد کی دلیل ٹھہرایا۔

سلام پہنچے اس محسن کائنات ﷺ پر جو کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔ جس کا عشق ہمارا قبلہ مراد اور کعبہ ذوق ہے۔ جو تمام نبیوں میں آخری نبی ہے۔ جس کی ختم الرسلینی پر ساڑھے تیرہ سو سال میں کئی رہزلوں نے دست درازی کرنا چاہی لیکن وقت کی غیرت نے انھیں نقشِ آب کی طرح محو کر دیا۔ جو بظاہر گنبدِ خضریٰ میں سو رہا ہے لیکن جس کی چشمِ نگران ارض و سما کی وسعتوں اور پہنائیوں سے باخبر ہے۔ ہم حقیروں میں اتنی ہمت کہاں کہ حضور ﷺ کی ثنا کر سکیں۔ یہاں قلم عاجز اور زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔



اردو میں منظوم سیرت نگاری (چند مزید کتب کا تعارف)

”نعت رنگ“ شمارہ نمبر ۱۵ میں منصور ملتانی کا مضمون اردو میں منظوم سیرت نگاری ایک جائزہ شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں موصوف نے ابتدا تا حال اردو میں لکھی گئی گیارہ منظوم سیرتوں کا جائزہ کیا ہے۔ چند غیر مطبوعہ سیرتوں کے نہ مل پانے کا اعتراف بھی انھوں نے کیا اور جن سیرتوں کے اشتہار یا صرف نام سے واقف تھے فٹ نوٹ میں بھی ان کا تذکرہ کر دیا ہے۔ لیکن بعض نہایت اہم منظوم سیرتیں جن پر ”نعت رنگ“ میں تبصرے بھی شائع ہوئے ہیں وہ منصور ملتانی کے مضمون میں جگہ نہ پاسکے۔ شاید یہ منظوم سیرتیں ان کی دست رس سے باہر رہی ہوں گی۔ ذیل میں ان تمام منظوم سیرتوں کا تنقیدی جائزہ اس مضمون میں لیا جا رہا ہے جو منصور ملتانی کے مضمون میں شامل نہیں ہو سکیں۔

۱۔ صلسلۃ الجرس / عمیق حنفی

یہ عمیق حنفی کی لکھی ہوئی منظوم سیرت رسول ﷺ ہے۔ اپنی اس تصنیف کے عنوان کے لیے شاعر نے حدیث رسول ﷺ سے رجوع کیا ہے اور وحی رسول ﷺ کی مناسبت سے اس کا نام ”صلسلۃ الجرس“ رکھا۔ واضح رہے کہ نزول وحی کے متعلق ایک حدیث میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ترمذی شریف کے باب المناقب میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

عن عائشۃ ان الحارث بن ہشام قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کیف باتیک الوحی۔ فقال رسول اللہ علیہ وسلم احیاناً باتینی
مثل صلسلۃ الجرس (الترمذی جلد الثانی ۲۰۴)

آنحضرت ﷺ کے ذکر خیر کا مرقع ”صلسلۃ الجرس“ کو دقیق النظر نقادوں نے بھی

پسند کیا ہے اور اشتراکیت کے قائلین نے بھی۔ چنانچہ غلیل الرحمن اعظمی نے اپنے ذاتی مکان ”اردو پاغ“ میں داخلے کی تقریب پر ”مصلحتہ الجرس“ عمیق حنفی سے پڑھوائی تھی۔ یہ نظم شاعر نے انوکھے انداز اور عجیب طرز میں لکھی ہے جو بیک وقت پابند بحور و قافیہ بھی ہے اور معری اور آزاد بھی۔

سیاہ کف در دہاں سمندر / نہنگ جس کے ہزار حلقے / سیاہ، اجلاء، ڈراؤنا
جال ڈال ہے / تڑپتی مچھلی کی طرح جس میں پھنسا ہوا ہے تمام عالم / تمام
عالم پکارتا ہے / بچانے والا نہ آئے، ہونٹوں پر اس کا پیارا سا نام تو
آئے۔^{۱۶}

آج بھی زمانے کو آنحضرت کی شدید ضرورت ہے۔ لیکن اب کوئی غیر قوم کی اصلاح کے لیے نہیں آئے گا، کیوں کہ آپ ﷺ ختم المرسلین ہیں۔ آج تمام عالم بربریت کے آتش فشاں اور انسانیت سوز بارود کے ڈھیر میں پر محسن انسانیت کا مختصر ہے اور انھیں کے نام وحی کی بدولت جاہی سے بچا ہوا ہے۔ عصر نو کے اس ذہنی انتشار، اخلاقی خلفشار اور سماجی، تہذیبی و تمدنی بحران کی عکاسی عمیق حنفی نے کتنی عمدگی سے کی ہے۔

یہ نیم اسرار وادی سے نکل کر کون آتا ہے / گماں کی گرد چھتی جا رہی ہے /
شگتی سنسناتی گولیاں / فضاؤں میں پھلتی جا رہی ہیں / سرنگوں میں بھی
بارود آتش بازیاں بن کر / سیاہی پر اجالوں کی کشیدہ کاریاں کرتی جا رہی
ہیں / یہ کن خوش لمس پیروں کی رگڑ کھا کر / کبھی چنگاریوں جیسی، کبھی بریلی
ریک بے یقینی رو پہلی اور سنہری روشنی کے پھول بن کر / نچھاور ہو رہی
ہے / یہ قصوا اور ہدعا کے نقوش پا / سیاہی پر چھڑکتے جا رہے ہیں روشنی کا
عود و عنبر / سواران کا ادل و جاں کا امیر کارواں ہے۔^{۱۷}

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل عرب کی حالت کا جائزہ ہر منظوم سیرت نگار نے لیا ہے۔ عمیق حنفی نے وہاں کی جاہلیت کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

در کعبہ پہ دیکھو تو ہل کا بت کھڑا ہے / وہی اعراب مکہ کا خدا ہے
کہیں انصاف یا محقق کی اقلیدی شکلیں
کہیں اداخان یا انسان صورت پتھروں کی مورعیں

کہیں انسان یعنی دعات یا لکڑی کے بت انسان کی صورت^{۳☆}
 غذائے ریگ ہے نو زائیدہ بچی / مگر لات و منات و عزّی ان کی دیویاں بچی / لیکن
 آپ ﷺ کی آمد سے یہ بربریت ختم ہو جاتی ہے اور عرب کی کایا پلٹ جاتی ہے:
 عناصر عناصر سے ازاں کی پرکشش آواز آتی ہے / خدائی اپنے مرکز کی طرف سب کو
 بلاتی ہے کہ وادی غیر ذی زرع میں کھیتی لہلاتی ہے / بگولے رقص کرتے ہیں^{۳☆}
 عمیق حقی نے سلسلۃ الجرس میں آنحضرت ﷺ کی ولادت، واقعہ شق الصدر، ہجرت
 اور فتح مکہ وغیرہ تمام واقعات سیرت منظوم کر دیے ہیں۔

۲۔ لَمْ يَأْتِ نَظِيرُكَ فِي نَظَرِ / عنبر بہرائچی

یہ عنبر بہرائچی کی لکھی ہوئی منظوم سیرت رسول ﷺ ہے۔ شاعر نے ایک ہی بحر میں
 ایک ہزار چوبیس اشعار قلم بند کیے ہیں۔ شوکت الفاظ پر شکوہ انداز و اسلوب اور پوری نظم میں
 یکساں آہنگ و لے اس منظومہ کو رزمیہ بنا دیتے ہیں۔ واقعات کے تاریخی تسلسل کو برقرار رکھتے
 ہوئے شاعر نے سیرت رسول ﷺ کو دل کش اور جاذب نظر انداز میں نظم کیا ہے۔ عنبر بہرائچی اس
 سے قبل گوتم بدھ کی منظوم سوانح ”مہا بھٹکر من“ لکھ چکے ہیں جسے کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ
 دونوں کتابیں اردو میں رزمیہ کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ عنبر تاریخی واقعات کو فکر کی آماجگ دے کر
 تخیلات کے سانچے میں ڈھالنے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ ان کے یہاں نظم
 میں ڈھلتی ہے تو رطب و یابس سے یکسر پاک ہوتی ہے اور اس کی کثافت لطافت میں بدل جاتی
 ہیں۔ عقیدت سے مملو عنبر کی مذہبی شاعری شعریت سے عاری نہیں ہوتی، تقدس تخلیقی اظہار کا اہم
 عنصر بن کر ان کی شاعری میں ابھرتا ہے۔ اسلوب کی جدت، لہجے کا ندرت اور تخیل کی لالہ کاری
 سے ان کی شاعری کو ایک وقار حاصل ہے۔ یہ سارے شعری محاسن ”لم یأت نظیرک فی نظر“ میں
 یکجا ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے یہ کتاب بے نظیر بن گئی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت
 مبارکہ کو رزمیہ شعری اسلوب میں پیش کرنے کا سہرا عنبر بہرائچی کے سر بندھتا ہے۔ سیرت
 پاک ﷺ کو منظوم کرنے کی روایت اگرچہ بہت قدیم ہے لیکن عنبر نے جو اسلوب و لہجہ اپنایا ہے وہ
 نیا اور منفرد ہے۔

شاعر نے اس منظوم سیرت میں بحث سے فتح مکہ تک کے احوال و کوائف نظم کیے

ہیں۔ خود شاعر اس کے متعلق رقم طراز ہے کہ:

میں نے اس نظم میں اعلان نبوت سے فتح مکہ تک واقعات کا احاطہ کیا ہے۔ کیوں کہ حیات طیبہ کا یہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین تک دو سے بھرا ہوا ہے۔^{۵۷}

عزیز نے آپ ﷺ کے سوانحی حیات واقعات کو مختلف شاعرانہ سرخیوں کے ذیل میں پیش کرنے کا جتن کیا ہے۔ مثلاً بعثت کے واقعہ کے لیے ”حرا“ دوسری وجہ کو جہاں سے سلسلہ نبوت کا باقاعدگی سے آغاز ہوا ہے۔ اس کے لیے ”مطلع انوار“ پہلی دعوت دین کے لیے ”کوہ صفا“۔ ان کے علاوہ عام الحزن، اسرای، ہجرت، ”مواخات و معنویات“، ”یوم الفرقان“، ”قرآن السعدین“ ”شہیدان وفا“ اور ”فتح مکہ“ وغیرہ۔ یہ تو واقعات آپ کی حیات طیبہ کے نہایت اہم ہیں بلکہ یہی وہ آیات نبوت ہیں جنہیں بہ ظاہر تو جھٹلایا گیا لیکن مشرکین بہ باطن نبوت کی ان نشانیوں کے قائل تھے اور حسرتیں لیے ہوئے دنیا سے چل بے ”آیات نبوت“ کے یہ سلسلے آپ ﷺ کی تیس ۲۳ سالہ نبوی زندگی کے اہم واقعات کی مربوط کڑیاں ہیں۔ یہ وہ واقعات ہیں جو آپ ﷺ کی بشریت اور فوق البشریت کی گواہی دیتے ہیں اور بنی نوع انسان میں پیغمبر کی عظمت و فضیلت اور رفعت و سر بلندی میں کڑی آزمائشوں کے مظہر ہیں۔

عزیز کی اس طویل منظوم سیرت میں رزمیہ کے تمام عناصر ترکیبی پائے جاتے ہیں۔ اس کا ہیرو عالم انسانیت کا سب سے عظیم المرتبت انسان ہے۔ اس کے ذیلی کردار بھی انسانوں میں سب سے افضل تر ہیں۔ اس کا اسلوب بھی اعلیٰ وارفع ہے۔ پوری نظم میں ایک ہی بحر و وزن کو قائم رکھا گیا ہے۔ ذیلی واقعات تسلسل کے ساتھ اصل سیرت کے حالات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ نظم میں آغاز سے اختتام تک ایک جیسا آہنگ پایا جاتا ہے۔ اس نظم میں پیش کیے گئے تمام واقعات تاریخی ہیں بلکہ تاریخ ساز بھی ہیں۔ غرض کہ عزیز بہراپہی کی اس منظوم سیرت رسول ﷺ میں رزمیہ کی تمام تر خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ شاعر نے ”حرا“ کی سرخی دے کر آپ ﷺ کی بعثت سے قبل کے عربی تمدن کی جھلک یوں پیش کی ہے:

ہر اک طرح کے جور و ظلم دہر میں ہوئے روا
ہیں برگ و بار سے نمی شرافتوں کی ڈالیاں
زنان گل سرشت، جبر کا شکار جس طرح
ہول میں الجھ گئی ہوں کینوڑے کی بالیاں

پدر نے جیتے جی انھیں بہ زور دُفن کر دیا
نظر میں باپ کو بھرے جدا ہوئی ہیں بچیاں
وہ پتھروں کے بت بشر کے ہاتھ سے گڑھے ہوئے
حواسِ آدمی پہ کر رہے ہیں حکمِ رانیاں^{۶۵}

ایسے انسانیت کش اخلاق سوز تہذیب و تمدن کی ظلمتوں میں حرا کے غلوت نشیں کا نور
جلوہ گر ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جس کی چھاؤں میں سکون کی رتیں محو خرام رہتی ہیں، رحمتوں کی بدلیاں
چھائی رہتی ہیں۔ یہی جگہ وجہ تخلیق کائنات ہے۔ وجودِ ایں و آن اور چرخ وز میں کی خوش خرامی کا
سبب یہی ذات ہے۔ یہ ذات ﷺ مطلعِ شہود کا نقشِ اولیں ہے اور خاتم النبیین بھی۔ اسی ذات
پاک ﷺ کو اللہ کی طرف سے پہلی وحی آتی ہے۔

ہوا جو ختمِ انہماک، جبرئیل آگئے

میانِ شرق و غرب، شہدوں کی نے نوازیاں
ملک نے یہ کہا پڑھو! خدا کے نام سے پڑھو
کہ جس کے دستِ فیض سے تمام خلقِ ساریاں
جے ہوئے لبو سے آدمی کو دستِ و پا دیے
پڑھو! تمہارے رب کی انگنت ہیں مہربانیاں
اسی نے علم کے دیے، قلم سے ضوئیاں کیے
اسی نے جہلِ آدمی پہ کیسِ شعور پاشیاں^{۶۶}

مندرجہ ذیل بالا اشعار قرآن حکیم کی پہلی سورۃ ”اقرا“ کی گویا تفسیر ہیں۔ شاعر نے
نہایت محتاط انداز میں اسے منظوم کر دیا ہے۔ اس کے بعد ”مطلع النوار“ کے تحت انھوں نے دوسری
وحی کے اہم واقعہ کو نظم کیا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے غارِ حرا میں آپ کو اپنے سینے سے بھیج کر
”اقرا“ کا درس دیا تھا اس واقعے سے آپ ﷺ خوفِ زدہ ہوئے تھے اور گمراہ کر حضرت خدیجہؓ
سے کابل اوڑھانے کا کہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی تھی۔ اس اثنا میں حضرت جبرئیلؑ
آپ ﷺ پر دوسری وحی ”یا ایہا المدثر قم فانذر“ لے کر آئے۔ اس وحی کے بعد آپ ﷺ نے
دعوتِ حق دینی شروع کی۔ حضرت خدیجہؓ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کی۔
پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، زید بن حارثہؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ بالآخر ”کوہ صفا“ پر آپ ﷺ نے تمام اہل مکہ کو ایک خدائے برتر کی پرستش کی دعوت دی۔ منبر نے ”کوہ صفا“ پر آپ ﷺ کی دعوت کی تصویر کشی کچھ اس انداز سے کی ہے:

حضور ﷺ نے صدا یہ دی کہ اے گروہ گم رہا
تمہارے مشغلے ہیں سب، عذاب سخت کے لیے
حصار شرک میں نہ یوں جاہ زدگی کرو
جھکاؤ سر فقط خدائے لا شریک کے لیے
یہ دلوں سے اور ایک حیرگی لپٹ گئی
سنی جو یہ صدائے نور بیز الہ کفر نے
پیام دل نشیں کو پتھروں نے دیں سلامیاں
مگر گروہ بولہب کے بخت میں یہ گل نہ تھے^{۸۵}

اس سرخی کے تحت نظم کیے گئے واقعات میں آخری واقعہ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے ”عام الحزن“، ”اسرا“، ”ہجرت“، ”مواخات و معنویات“، ”یوم الفرقان“، ”قرآن السعدین“، ”احد“، ”اکم مبین“، ”شہیدان مکہ“ اور ”فتح مکہ“ جیسی سرخیاں قائم کی ہیں اور متعلقہ ہر واقعہ کو اسی کے ذیل میں نظم کیا ہے۔ اس طرح منبر کی یہ منظوم سیرت رسول ﷺ اختتام کو پہنچتی ہے۔

۳۔ مثنوی رسول ﷺ / صفوت علی صفوت

نئی صدی کے آغاز پر صفوت علی صفوت نے مثنوی رسول ﷺ لکھ کر اردو میں منظوم سیرت کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ صفوت کراچی (پاکستان) کے متوطن ہیں۔ لیکن انھوں نے امریکا کی شہریت اختیار کر لی ہے اور وہاں کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے شعبے کے افسر اعلیٰ ہیں۔ اردو کے لیے غیر ذی زرع زمین میں انھوں نے ”مثنوی وقت“، ”فکر فردا“، اور مثنوی رسول ﷺ لکھ کر باغ اردو کو سنوارا ہے۔ انھوں نے ”مثنوی وقت“ کا انگریزی میں منظوم ترجمہ ”Tiambic“ کے عنوان سے کیا ہے جو امریکا ہی میں شائع ہوا اور ان کی ویب سائٹ پر یہ دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ مثنوی تخلیقی کائنات کی سائنسی داستان ہے۔ شاعر نے اس میں ایک نہایت ہی اچھوتا مضمون

باندھا ہے۔ انھوں نے ”زماں و مکاں“ کے فلسفہ کو سائنسی نقطہ نظر سے پرکھا اور خلا بسیط میں موجود اجرام سادی، کھکشائیں، کالے بھنور (Black Holes) اور روشنی کی رفتار وغیرہ کئی موضوعات کو اس مثنوی میں پیش کیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ ان کی اس تخلیق پر اسلامی افکار غالب رہی ہے۔ اردو کے شعری ادب میں مثنوی وقت ایک نیا موضوع لے کر آئی ہے، جس پر تا حال کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ اس مثنوی میں انھوں نے ایک جگہ لکھا تھا:

تو وہ نور احمد مجتبیٰ، وہ الگ ہے عشق کی داستاں

یہ عبور وقت کی بات ہے، وہ میں پھر کروں گا کبھی بیاں

بالآخر اس وعدے کو نبھانے کے لیے انھوں نے مثنوی رسول لکھ ڈالی۔ ”مثنوی وقت“

میں شاعر نے مثنوی کی مروجہ بحر سے ہٹ کر بحر کامل مثنیٰ سالم کا استعمال کیا تھا۔ مثنوی کی بحر میں یہ ایک قسم کی جدت تھی۔ ”مثنوی رسول ﷺ“ میں بھی مصنوت نے بحر کے حق میں اپنی جدت کو برقرار رکھا اور بحر ہزج مثنیٰ سالم میں اس مثنوی کے اشعار ترتیب دیے۔ اس میں بھی اشعار کی روانی کالوں میں رس گھولتی ہے۔ یہ مثنوی منظوم سیرت رسول ﷺ ہے۔ مصنوت نے سیرت کے واقعات کو بڑے سائنٹفک انداز میں پیش کیا ہے۔ یعنی وقت کی محسوس رفتار (جو مصنوت کا پسندیدہ موضوع ہے) کے مطابق مثنوی کے واقعات اشعار میں ڈھلتے ہیں۔ مثلاً مصنوت نے پہلے پینتیس (۳۵) اشعار میں ازل سے حضور ﷺ کی ولادت کے واقعات قلم بند کر دیے۔ پہلے چند اشعار پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وقت کا وجود ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اکیلی ہے اور اپنے وجود کا اعتراف کرانے کے لیے تخلیق کائنات کا سوچ رہی ہے۔ سائنسی زبان میں اس حالت کو ”Singularity“ یا ”Nothingness“ کہا گیا ہے۔ مصنوت اس حالت کی تصویر کشی یوں کرتے ہیں:

تن تھا ہے وہ اس کو خیال آیا خیالوں میں

نہیں اس کے سوا کچھ بھی میاں اس کے اجالوں میں

نہ ہیں الفاظ نے بحر و زمیں ہیں یا رسول اللہ

قلم اور روشنائی بھی نہیں ہیں یا رسول اللہ

مگر وہ سوچتا ہے یہ کئی اب دور ہو جائے

روایت اس کے آگے بڑھ کے اب دستور ہو جائے

اصول اس نے بنا ڈالے ہیں کچھ تخلیق کے لیکن
مکان و لامکان میں دعوت و تصدیق کے لیکن
تذبذب ہے ابھی اس کو ذرا خلقت کے بارے میں
ابھی تک وقت بھی ہے محمد خود اپنے دھارے میں
فنا مخلوق کے اک روپ کا تبدیل ہونا ہے
اسی اک قاعدے میں وقت کو تحلیل ہونا ہے^{۹۵}

اس ذات حقیقی کا خیال کن میں ڈھل کر آدم و حوا، ہانبل و قاتل، نوح، ابراہیم،
اسماعیل، عبدالمطلب اور عبداللہ کی صورت میں تخلیق پاتا چلا گیا۔ بالآخر مقصد تخلیق کی تکمیل عبداللہ
کے گھر آمنہ کے بطن سے حضرت محمد ﷺ کی ولادت ہو جاتی ہے۔ تخلیق آدم سے لے کر ولادت
رسول ﷺ تک کے واقعات کو شاعر نے بہت ہی کم وقفہ میں بیان کر دیا ہے۔ وقت کی تیز رفتاری
سے اتنا طویل زمانہ مطلب ہونا گیا۔ لیکن ”عام الحزن“ کے بعد جب آپ کو معراج نصیب ہوئی
تو شاعر واقعات کا بیان اس انداز سے کرتا ہے گویا وقت کی طنائیں کھینچ لی گئی ہوں۔ ماہرین
فلکیات کا خیال ہے کہ خلا میں سفر کرتے وقت آدمی کا طبعی وقت تقم جاتا ہے اور اس کی حیاتیاتی
گھڑی (Biological Clock) رک جاتی ہے۔ حضور ﷺ چوں کہ معراج میں خلاؤں سے دور
عرش اعلیٰ پر پہنچے تھے اس لیے شاعر نے وقت کے تقم جانے کا تاثر ان اشعار میں دیا ہے۔ صغوت
نے واقعہ معراج کی تصریح جدید علم سائنس کی شاخ علم پرواز (Aeronautical
Engineering) کی بنیاد پر کی ہے۔ مگرین معراج رسول ﷺ کو علم کی پرواز کی روشنی میں
واقعہ معراج پر غور کرنا چاہیے۔ سائنس کے پرستاروں کو بھی علم حقیقت معراج سے آگاہ کر سکتا
ہے۔ بہر حال! صغوت کی مثنوی رسول ﷺ میں خاص واقعہ تو معراج کا ہی بیان کیا ہوا ہے،
جذہ الوداع تک کے واقعات نہایت سرسری طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ ہم اس کتاب کو ”نئے
معراج نامے“ طور پر بھی قبول کر سکتے ہیں۔ جو اپنے اسلوب اور طرز بیان میں اردو میں موجود
دیگر معراج ناموں سے یکسر الگ ہے۔ امریکا میں شائع ہوئی اس کتاب کا ہندی ایڈیشن بھارت
میں انشا جلی کیشنر کے جناب ف۔س۔ اعجاز نے ہندی رسم الخط میں کلکتہ سے ۲۰۰۲ء میں نہایت
اجتہام سے شائع کیا ہے۔ اس ہندی ایڈیشن میں راقم کا پیش لفظ ہے۔

۴۔ حرا کی روشنی / شرف الدین ساحل

ڈاکٹر شرف الدین ساحل کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ شرف الدین ساحل بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ اچھے شاعر بھی ہیں اور ان کے تین چار مجموعہء کلام شائع ہو چکے ہیں۔ وہ تاریخ، ادبیات اور اسلامیات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ”حرا کی روشنی“ ایک مستقل کتاب کی صورت میں انھوں نے نعتیہ ادب کو دی جس میں ”مصلصلۃ البحر“ کے طرز اسلوب کے علاوہ شاعر نے اپنے خلاق تفہیل سے بھی اضافہ کیا ہے اور حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے ضعف و غرابت سے پاک اہم ترین واقعات کو صحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ساحل کا یہ کمال ہے کہ وہ عقیدت کی شاعری میں روایت کو درایت کی میزان میں تولتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عقیدت دل کے تابع ہوتی ہے اور درایت عقل کے زیرِ قلمیں۔ شاعری میں شاعر کا دل کار فرما ہوتا ہے۔ لیکن ساحل کی شاعری میں دل و دماغ دونوں بہ یک وقت متحرک نظر آتے ہیں۔ شاعری میں اقبال کے بعد سے اس رجحان کو کافی تقویت ملی ہے۔

اس منظوم سیرت میں دور جاہلیت اور ولادت تو اجمالاً پیش کر دیے گئے ہیں لیکن بعثت رسول ﷺ سے لے کر حجۃ الوداع تک کے واقعات بالانفصیل بیان کیے ہوئے ہیں۔ ساحل نے صحیح روایات ہی پیش کیے ہیں، دو راز کار تشبیہات اور بعید از فہم اصلاحات سے انھوں نے قصداً اجتناب برتا۔ ان کے یہاں سیرت میں آپ ﷺ کی شان رسالت میں عہدیت کی رنگ آمیزیاں اتنی گہری ہیں کہ الوہیت کی پرچھائی تک کا اس میں شائبہ نہیں ہوتا۔ فرق مراتب کا ساحل نے اتنا خیال رکھا کہ ان کے نعتیہ اشعار کے لفظ لفظ میں باخدا دیوانہ باش و ہامد ﷺ ہوشیار کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔

ساحل زندگی کے بے چین و پرسکون اور اذوق و سہل حالات کے مطابق عروضی اوزان کو ڈھالنے کا فن خوب جانتے ہیں۔ ”حرا کی روشنی“ میں انھوں نے اسی طریقہ کو اپنایا ہے، مثلاً حضور ﷺ کی ولادت سے قبل کے حالات سے نعت خواں کو کیا لینا دینا، اس لیے شاعر بس اک سرسری سی تصویر دکھا کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسے پر آشوب دور میں پیدا ہونے والے بچہ ﷺ کو (جو آگے چل کر نبی بننے والا ہے) اس دور کی پیچیدگی اور دشواری سے کیا واسطہ، اس لیے ساحل نے نہایت تیزی سے قارئین کی نظروں کے سامنے سے جاہلیت کی تصویر گزارنے کے لیے

”فاعلن“ رکن کا استعمال کیا ہے۔ جو ایک ”سبب“ اور ایک ”ذمہ“ سے مل کر بنتا ہے۔ لیکن جیسے ہی آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی سارے عالم میں طمانیت و سکون کی فضا چھا گئی۔ ایسے پرسکون ماحول کی عکاسی کرنے کے لیے ساحل نے سر رکھی وزن مفاعلین مفاعلین کا استعمال کیا۔ بعثت رسول ﷺ کے بعد کار نبوت کے لیے رستے پر آپ ﷺ کو چلنا تھا۔ اس کٹھن راستے پر آپ ﷺ ابتدا آہستہ روی سے چلے۔ اس کیفیت کا اظہار ساحل نے پھر لمبی بحر مفاعلین مفاعلین کے ذریعہ کیا۔ لیکن دعوت حق کے خلاف جب مشرکین مکہ نے سر اٹھایا تو چاروں طرف بے چینی اور طوائف الملوکی کے حالات پیدا ہو گئے۔ ایسے درہم برہم اور اتر حالات کی عکاسی ساحل نے سخت آہنگ بحر و وزن ”مفاعلاتن“ کے ذریعہ کی۔ ہجرت کے بیان میں مسدس بحر کا استعمال ہوا جس میں بجائے ارتعاش کے سکوت پایا جاتا ہے۔ بیعت عقبہ کے بعد شمع رسالت پر مر مٹنے والوں کا جوش بڑھنے لگا تو ساحل نے جذبات کی مناسبت سے طویل الصوت ارکان کے استعمال میں تخفیف کر کے اس میں جوش و ولولہ والی صورتی لے کر پیدا کی۔ یعنی مٹمن بحر کو مریع میں بدل دیا۔ مشرکین مکہ کی پر اگندہ ذہنیت اور اودھم کود، لطم لٹھا والی کیفیات کی عکاسی کے لیے شاعر نے غلو ط الارکان بحر کا استعمال کیا ہے۔ بدر و احزاب کے غزوات کی عکاسی انھوں نے مختلف ارکان کو ایک ہی مصرع میں استعمال کر کے کی ہے۔ ان غزوات کے بیان میں فعلن / فعلن / فاعلاتن، فاعلاتن اور فاعلاتن فاعلن / فاعلاتن جیسی ترکیبوں کا استعمال کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کی مر شریف کے آخری ایام ہیں۔ امت کو بہ غفلت تمام ذمہ داریوں سے آگاہ کرتا ہے۔ ان حالات کے بیان کے لیے شاعر بھی ارتعاشی آہنگ والے ارکان کا استعمال کرتا ہے۔ ان ارکان کے استعمال میں تعدی فرق سے جو آہنگی نشیب و فراز بنتا ہے وہ صحابہ کرام کے جذبات کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اب حضور ﷺ اس دار قانی سے کوچ کرنے والے ہیں۔ بیماری کا غلبہ ہے۔ اضطلال اور بیماری کی کیفیت ہے۔ شمع رسالت کی روشنی دھیرے دھیرے کم ہوتی جا رہی ہے۔ جوش و ولولہ ہے کہ لخت لخت ہو رہا ہے۔ جذبات کلڑے کلڑے ہو رہے ہیں۔ ان کیفیات کی عکاسی کے لیے ساحل نے یہاں بھی ارتعاشی آہنگ والے ارکان کا استعمال کیا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ فعلن / فعل بھی جوڑے گئے ہیں۔ جن سے ارکان کی ارتعاشی لے میں غم کی کپکپاہٹ محسوس کی جاسکتی ہے:

جب آیا وقت آخر / تو لکے نطق حادی سے وہ جیلے مثل گوہر

جو خط ایک امتیازی کھینچتے ہیں عبد اور معبود کے بیچ / دھک اٹھی ہے آتش^{۱۰☆}
 آخر حضرت ابوبکرؓ کی آواز اس خاموشی میں ابھرتی ہے۔ لیکن غم میں غم حال، دل رنجور
 جو کرتے ہیں محمدؐ کی عبادت / انہیں معلوم ہو وہ جا چکے ہیں
 مگر کرتے ہیں جو رب کی عبادت / وہ رب زندہ ہے اس پر موت وارد ہو نہیں سکتی^{۱۱☆}
 یہ وہ الفاظ ہیں جن کی وحی تصدیق کرتی ہے:

نہیں ہیں کچھ محمدؐ / فقط وہ تو پیغمبر ہیں خدا کے / اگر ہو جائے ان کی موت واقع /
 تو کیا پھر جاؤ گے تم راہ حق سے۔

غرض کہ ڈاکٹر ساحل کی یہ منظوم سیرت رسول ﷺ ارکان و اوزان کی لے و آہنگ
 اپنے جلو میں لیے ختم ہو جاتی ہے۔

۵۔ تنزیل / امین صدیقی

منظوم سیرت رسول ﷺ کی اجمالی تاریخ کا ایک ورق الٹنے پر امین صدیقی کا نام بھی
 ہمارے سامنے آتا ہے۔ ان کی طبیعت کی اٹھان اور ان کی شاعری کا رجحان مذہبی نوعیت کا ہے۔
 مقصدیت اور نصب العین سے وابستگی نے ان کی شاعری کو افادیت کا حامل بنا دیا ہے۔ مزاج کے
 تکون اور خیالات کی اثران کے زیر اثر ان کی شاعری تخلیق نہیں پاتی بلکہ پاکیزہ جذبات اور صالح
 احساسات کی مرہون منت ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عقیدت اور عقیدے کی شاعری کو ہمارے
 ناقدین شعریت سے عاری سمجھتے رہے ہیں۔ اور اسی لیے ایسی تخلیقات کو ناقابل اعتنا سمجھا گیا۔ در
 آں حالے کہ آج بھی ساری دنیا کا کلاسیک ادب کھنگالا جائے تو اس کے عظیم شہ پاروں میں
 عقیدت کا نور جھلکاتا ہوا دکھائی دے گا۔ پھر وہ ہومر کی ایلید ہو یا ملٹن کی ”فردوس گم کشیہ“ تلسی
 داس کی رامائن ہو یا گوئٹے کی ”نغمہ محمد“ ابن العربی کی رسالہ اغفران ہو یا حالی کی مدو جز اسلام۔
 کیا یہ مشہور زمانہ کتابیں شعریت سے عاری ہیں۔ ٹی۔ ایس۔ ایلٹ جیسا ناقد جو ادب میں مذہب
 کے داخلے کا قطعی روادار نہیں تھا، ایسی شاعری کو بے حد پسند کرتا جس میں کیتھولک نظریات کی تشہیر
 ہوئی ہو۔ امین صدیقی کی ”تنزیل“ (جو منظوم سیرت رسول ﷺ ہے) کا شمار بھی ایسی ہی کتابوں
 میں کیا جاتا ہے جن پر نقدی رنگ غالب ہے لیکن جن میں شعریت کو بھانے کے بھرپور جتن
 کیے گئے ہیں۔

”تنزیل“ میں سیرت رسول ﷺ کے ہر واقعہ کو تاریخ کے حوالے سے لکھا گیا ہے، ضعیف روایات اور من گھڑت واقعات سے امین صدیقی نے اس کتاب کو محفوظ رکھا ہے۔ شاعر نے سراقہ کا نائب ہونا، کسریٰ کے کنگنوں کے متعلق پیشین گوئی، مدینہ میں آپ ﷺ کا ورد مسعود، قبا میں قیام، مسجد کی تعمیر، مدینہ میں قیام، غزوہ بدر اور دیگر غزوات، دعوت حق کی خاطر صعوبتوں کو برداشت کرنا اور فتح مکہ وغیرہ تاریخی واقعات جو سیرت رسول ﷺ سے جڑے ہوئے ہیں ان تمام کو اجمالاً مگر موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ہجرت کے موقع پر اہل مدینہ کس بے چینی سے آپ ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کی تصویر کشی امین نے یوں لکھی ہے:

شہر کا شہر اٹھ پڑتا تھا	کتنی حسرت سے راہ نکلتا تھا
یاس نے گھیرا آس ٹوٹی تھی	ساری امید دل سے چھوٹی تھی
یک بیک اک یہود کے گھر سے	شور اٹھا کہ آرہے ہیں وہ
اہل ایمان کے محترم صاحب	نرم دل صاحب کرم صاحب
گرد اڑاتی ہوئی نظر آئی	دور صحرا کے پاک سینے میں
ابر رحمت اٹھا جو مکہ سے	سایہ آگن ہے اب مدینے پر
بچے خوش ہو کے دف بجاتے تھے	خیر مقدم کا گیت گاتے تھے ^{۱۲}

بخاری شریف میں آپ ﷺ کی مدینہ منورہ میں آمد پر بنو بخار کی لڑکیوں نے گایا ہوا عربی گیت محفوظ ہے۔ امین نے اس استقبال گیت ”طلع البدر علینا“ کا منظوم ترجمہ کر دیا ہے:

چاند ہم پر طلوع ہو ہی گیا	الوداع کی حسین گھاٹی سے
شکر ہم پر خدا کا واجب ہے	مانگنے والے اور کیا مانگیں
ہم میں معبود ہو کے آیا ہے	ساتھ میں حکم رب کا لایا ہے
بس اطاعت اسی کی لازم ہے	جس کے آگے ہمارا سر خم ہے ^{۱۳}

لیکن بعض نہایت اہم واقعات یا تو منظوم ہونے سے رو گئے ہیں یا ان کا مقام بدل گیا ہے، مثلاً ”اذان“ کی ابتدا اسلام کی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ ہے آپ ﷺ کی سیرت سے جڑا ہوا ہے۔ یہ واقعہ غزوہ بدر سے قبل پیش آیا تھا لیکن کتاب میں وہاں موجود نہیں ہے۔ یہی حال تعمیر مسجد قبا اور بنو بخار کی لڑکیوں کی جانب سے آپ ﷺ کے استقبال کے واقعہ کا ہے۔ ان میں مؤخر کو مقدم اور مقدم کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔ ان چند معمولی اسقام کے علاوہ پوری نظم فن کا رانہ

اعزاز میں نظم ہوئی ہے۔ انھوں نے ضائع بدائع کے ساتھ ساتھ روزمرہ اور محاوروں کو بھی زبان کے چٹکارے کے لیے برتا ہے، مثلاً شاعر نے مدینہ میں آپ ﷺ کی آمد کو ”طلوع نور“ کہا ہے۔ اسی لیے نور کی مناسبت سے نورانی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

ہے۔ امین نے اس استقبالیہ گیت ”طلع البدر علینا“ کا منظوم ترجمہ کر دیا ہے:

نیک لوگوں کا ہے مگر دیکھو	اس طرف نور کا سفر دیکھو
ہر طرف نور کا اجالا ہے	یہ مدینے کی ہے سحر دیکھو
نور عرفاں سے آنکھ تر دیکھو	لے کر آیا تھا نور کا لشکر
ماہ انور وفا کی بہتی میں	اس کو گھیرے ہوئے تھے پروانے
جان و دل سے فدا تھے دیوانے ^{۱۳}	

خط کشیدہ الفاظ ”نور“ کی مناسبت سے لائے گئے ہیں۔ مناسبت لفظی کی یہ عمدہ مثال ہے۔ اس طرح امین صدیقی کی منظوم سیرت رسول ﷺ تنزیل نعتیہ ادب میں قدروں نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ امین صدیقی نے منظوم سیرت لکھ کر جہاں اردو کے نعتیہ سرمایے میں اضافہ کیا ہے وہاں فلاح آخرت کا اندوختہ بھی تیار کر لیا گیا ہے۔

۶۔ رسول اکرم ﷺ / نصیر پرواز

نصیر پرواز ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ”خطہ گلاب“، ”متاع دیدہ تر“، ”گیت تھکی سانسوں کے“ اور ”ایک تھا صدا“ ان کی شعری تصانیف ہیں۔ سن ۲۰۰۳ء میں انھوں نے منظوم سیرت ”رسول اکرم ﷺ“ بھوپال سے شائع کی۔ حسن اتفاق کہ پرواز صاحب نے یہ کتاب مجھے اس وقت بھیجی جب یہ مضمون زیر قلم تھا۔ نصیر پرواز غالباً تنہائی پسند شاعر ہیں۔ وہ اپنے اطراف کی ادبی سرگرمیوں سے بھی بے خبر دکھائی دیتے ہیں۔ ”رسول اکرم ﷺ“ کے ”ابتدا“ میں وہ رقم طراز ہیں:

سیرت کی جتنی بھی تصانیف میرے علم میں آئی ہیں وہ سب کے سب
نثر پاروں پر مشتمل ہیں۔ نعتوں کے مجموعے ضرور منظوم ہیں... عاشقان
رسول ﷺ میں ایسے ایسے باکمال اہل علم گزرے ہیں کہ ممکن ہی نہیں کسی
نے مکمل منظوم سیرت پاک نہ لکھی ہو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کاوش کسی

وجہ سے منظر عام پر نہ آسکی ہو... میرا یہ دعویٰ قطعی نہیں کہ منظوم سیرت پاک ﷺ سب سے پہلے میں نے لکھی ہے۔ یہ دعویٰ اس لیے بھی نہیں کہ میرے محترم قیصر الجبٹری صاحب ”چراغِ حرا“ کے نام سے ایک منظوم سیرت پاک ﷺ شائع کر چکے ہیں۔^{۱۵*}

اس کتاب کی ورق گردانی کرنے کے بعد راقم نے ان سے فون سے رابطہ قائم کیا اور ولی ولیدری سے موصوف تک تمام منظوم سیرتوں کے نام گنوائے تو ان کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔ بہر حال! منظوم سیرتوں میں پرواز کی یہ تخلیق ایک اچھا اضافہ ہے۔

نصیر پرواز نے اس منظوم سیرت میں وہ نہایت اہم واقعات منظوم کر دیے ہیں جو سیرت نگاری کے ضمن میں اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اشاعتِ دین کی خاطر جو صعوبتیں برداشت کیں جو تکالیف، انگینت کیں ان کا اجمالاً تذکرہ اس کتاب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ بحر و اوزان کی خاطر بعض ناموں کے صحیح تلفظ کو نہیں نہا سکا۔ پیش لفظ میں اپنی اس مجبوری کا پرواز نے برملا اظہار کر دیا ہے۔ یہ منظوم سیرت مثنوی کی طرز میں ہے اور شروع سے آخر تک بلا سرخی مسلسل نظم کر دی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے بعض واقعات رسول ﷺ تلاش کرنے میں دستواری پیش آتی ہے۔ شاعر کا کمال یہ بھی ہے کہ اس نے بعض قرآنی آیتوں کا منظوم کر دیا ہے۔ مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی قرآن کی اس وحی کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ (الہوم اکملت... الاسلام دینا)۔

جب جماعت دو نمازوں سے فراغت پائی بارگاہِ رب سے آقا ﷺ کو بشارت آگئی
آج کے دن دین کو ہم نے کھل کر دیا نعمتوں سے آپ ﷺ کی امت کا دامن بھر دیا
کر لیا ہم نے سراسر دینِ اسلامی پسند آج کے دن ہو گیا ایمان کا رتبہ بلند^{۱۶*}
یا رحلت رسول ﷺ پر ابو بکرؓ نے قرآن کریم کی آیات سنا کر صحابہ کے حواس و درست
کیے تھے اس واقعہ کے بیان میں قرآنی آیات کا منظوم ترجمہ بے جوڑ محسوس نہیں ہوتا:

ابو بکرؓ نے پھر قرآن پاک کی آیت پڑھی
اس اندھیرے میں ملی جس سے سبھی کو روشنی
تھے محمد ﷺ تو فقط ربِ دو عالم کے رسول
اس سے پہلے بھی ہوا ہے کتنے نبیوں کا نزول

وہ اگر مر جائیں تو کیا دین سے بھر جاؤ گے
 اس طرح تم اپنے رب سے کچھ صلہ نہ پاؤ گے
 نعتیں ان کے لیے ہیں جو رہیں ثابت قدم
 خالق اکبر کی نظروں میں وہی ہیں محترم^{۱۸}
 مجید و مبین رسول ﷺ کے واقعات نقل کرنے کے بعد شاعر نے آپ کی مدحت
 طرازی میں جو سوز و گداز والی کیفیت پیدا کی ہے اس سے شاعر کی عقیدت رسول ﷺ منکشف
 ہوتی ہے۔ شاعر کے جذبات کا اک دریا ہے جو اس مدحت رسول ﷺ میں موجزن دکھائی دیتا ہے:
 وہ نبی شمس الضحیٰ، بدر الدہیٰ، صدر العلیٰ
 وہ سراج السالکین، نور المحدثین، کھف الوریٰ
 محسن انسانیت، کوثر کا ساقی وہ نبی ﷺ
 جس کے صدقے میں جہان عشق باقی وہ نبی ﷺ
 وہ نبی ﷺ جس پر مکمل ہو گیا دین میں
 وہ نبی ﷺ، جس کی شریعت علم و عرفان و یقین
 جس نے لکھا فکر کے ماتھے پہ حرف آگہی
 جس نے بھٹا خاک کے ذروں کو اسرار خودی^{۱۸}

نصیر پرواز کی یہ کتاب (رسول اکرم ﷺ) منظوم سیرتوں میں غالباً آج تک کی آخری
 تصنیف ہے۔ اس میں شاعر کی زبان و انداز بیان پر اثر ہے اور محاوروں، کہاوتوں اور
 ضرب الامثال کی چاشنی لیے ہوئی ہے۔ سیرت کے ہر واقعہ کو شاعر نے دیانت دارانہ طور پر نظم کیا
 ہے اور اس کی تاریخی شہادتوں پر بھی نظر رکھی ہے۔ نصیر پرواز کی یہ کوشش نعتیہ ادب میں یقیناً
 سنگ میل ثابت ہوگی۔

۷۔ شاہنامہ اسلام (حصہ پنجم) بہ طرز حفیظ جالندھری
 مصنفہ محمد علی خاں مجددی نقشبندی

ہم سبھی جانتے ہیں کہ ابوالاثر حفیظ جالندھری نے ”شاہنامہ اسلام“ چار جلدوں میں
 حضور ﷺ کی سیرت کے اہم واقعہ ”غزوہ احزاب“ تک منظوم کیے ہیں۔ زندگی کے وقائع نہ کرنے

کی وجہ سے منظوم سیرت کو مکمل کرنے کا ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ناقدین ادب کی یہ بھی رائے ہے کہ احزاب کے واقعات قلم بند کرنے کے بعد ان کی توجہ اس مقصد عظیم سے ہٹ گئی تھی اور وہ گیت اور نظمیں لکھنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ طبیعت کا یہ ٹھہراؤ پتہ نہیں کیوں ہوا کہ وہ بعد میں سیرت لکھ ہی نہیں سکے۔ بہر حال! جو بھی کوائف رہے ہوں حفیظ جالندھری کی یہ عزت ادھوری رہ گئی تھی۔ بعد کے واقعات قلم کرنے کے لیے پہل کرنے والوں میں حیدر آباد کے ایک غیر معروف لیکن کہنہ مشق شاعر محمد علی خاں کا نام ہمارے سامنے آتا ہے۔ انھوں نے حفیظ ہی کی طرز میں غزوہ تبوک تک کے واقعات رسول ﷺ قلم بند کیے ہیں اور اسے ”شاہنامہ اسلام“ جلد پنجم کی شکل میں ہمارے سامنے رکھا۔ محمد علی خاں نے شاہنامے ہی کی بحر میں اور اسی اسلوب میں باقی ماندہ واقعات قلم کرنے کی سعی کی ہے۔ انھوں نے حواشی اور فٹ نوٹس بھی اسی نہج پر رقم کیے ہیں۔ واقعات کی منظر کشی محمد علی خاں نے نہایت موثر انداز میں کی ہے اور بجائے تفصیل کے اجمال میں پورے واقعات کو قلم کرنے کے جتن کیے ہیں۔ حفیظ کی زبان کے پٹھارے البتہ اس میں نہیں پائے جاتے۔ پھر بھی محمد علی خاں کی یہ کوشش بنظر استحسان ہی دیکھی جائے گی۔ انھوں نے حفیظ کے ادھورے کام کو پورا کرنے بیڑا اٹھایا ہے۔ ان کی قلم کردہ ”تبوک“ کے بعد کی سیرت رسول ﷺ کی بقایا جلدیں میری نظر سے نہیں گزریں شاید وہ زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکی ہوں۔ یا میری دست رس سے دور رہی ہوں۔

۸۔ شاہنامہ اسلام جدید (عامر عثمانی)

حفیظ کے کام کو آگے بڑھانے میں مدبر جلی (دیوبند) مرحوم نے بھی کمر کسی تھی اور رحلت رسول ﷺ کے بعد کے تاریخ اسلام کے واقعات کو قلم بند کر کے پہلی جلد شائع بھی کر دی تھی۔ لیکن قارئین کا حلقہ انھیں نصیب نہ ہو سکا اور پہلی جلد ہی میں ان کے جذبات کا چراغ گل گیا۔ ”مسجد سے خانے تک“ قارئین جلی کی سیر کرانے کے والے عامر عثمانی کی ناگہانی موت نے ان کے ہاتھوں سے تاریخ اسلام کو قلم کرنے کا کام چھین لیا اور وہ حسرت لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بہر حال! منصور ملتانی نے منظوم سیرت پر جتنی تخلیقات کا تعارف قارئین ”نعت رنگ“ کو کرایا تھا ان میں سے جو چھوٹ گئی تھیں، اپنی بساط بھر کوشش سے ان تمام کو تلاش کر کے ”نعت رنگ“ کے قارئین کے سامنے رکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

حواشی

- ☆۱۔ عتیق خاں: ”مصلحۃ الجبرس“ (مکتبہ شعر و حکمت) حیدرآباد، طبع اؤٹ، ۱۹۷۲ء، ص ۱۷
- ☆۲۔ ایضاً، ص ۱۹
- ☆۳۔ ”مصلحۃ الجبرس“، ص ۳۶
- ☆۴۔ ایضاً، ص ۳۳
- ☆۵۔ حمزہ بھراہنگی: ”لم یات ظہیرک فی نظر“، طبع ۵۶، ص ۳۲
- ☆۶۔ حمزہ بھراہنگی: ”لم یات ظہیرک فی نظر“، دوسرا ایڈیشن، کھٹنوا ۱۹۹۶ء، ص ۳۷-۳۶
- ☆۷۔ ایضاً، ص ۳۶
- ☆۸۔ ایضاً ۵۴-۵۵
- ☆۹۔ عفت علی صوفی: ”شعوی رسول“، (امریکا) ۲۰۰۱ء، ص ۱۵-۱۶
- ☆۱۰۔ شرف الدین ساحل: ”سرا کی روشنی“، ناگپور، ۱۹۹۰ء، ص ۶۳
- ☆۱۱۔ ایضاً ص ۶۵
- ☆۱۲۔ امین صدیقی: ”تذیل“، بالیکاؤں ۲۰۰۱ء، ص ۶۷
- ☆۱۳۔ ایضاً، ص ۶۸
- ☆۱۴۔ ایضاً، ص ۶۶
- ☆۱۵۔ نصیر پرواز: ”رسول اکرم ﷺ“، بھوپال، ۲۰۰۳ء، ص ۵
- ☆۱۶۔ ایضاً، ص ۱۵۱
- ☆۱۷۔ ایضاً، ص ۱۵۹
- ☆۱۸۔ ایضاً، ص ۱۶۰



نعتیہ شاعری میں ذکرِ احادیثِ رسول ﷺ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی اطاعت کا حکم دیا وہاں اپنے رسول اکرم نبی معظم ﷺ کی اتباع کا بھی حکم صادر فرمایا اور اطاعتِ رسول ﷺ کے حوالے سے اُمتِ مسلمہ کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اطاعتِ ربِّ العالمین ہے۔ قرآن مجید میں محبتِ کبریٰ کے دعوے داروں کو اطاعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والکرام کی ہدایت کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس حکم پر عمل کر کے وہ اللہ کی محبت و مغفرت کے مستوجب ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بھشتِ انبیاء کا مدعا یہ ہے کہ اذنِ خداوندی سے اُن کی اتباع کی جائے۔ مزید یہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم مؤمن ہو تو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر رحمتِ ایزدی کے طلب گار ہو تو اللہ اور رسول کی اتباع کرو، اگر تم خدا و رسول کا حکم نہیں مانگو گے تو حبِ الہی کی دولت سے محروم رہو گے، اگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور رسول مکرم ﷺ کی فرماں برداری نہ کی تو تمہاری نیکیاں اکارت جائیں گی، کوئی عمل خواہ کتنا ہی تمہارے نزدیک اچھا ہو، تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور قیامت کے دن تہی دست حاضر کیے جاؤ گے، جہاں عذابِ عظیم اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہوگی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اطاعتِ الہی کے ساتھ ساتھ اتباعِ رسول ﷺ بھی ضروری ہے اور اسے ترک کرنے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے واضح ارشادات اور دونوں احکامات کے باوجود بعض نام نہاد مسلمانوں نے اطاعتِ رسول کو غیر ضروری قرار دیا، یا اس کے معانی و مفہوم کی من مانی تاویلات کرنا شروع کر دیں، حالانکہ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا، ”وما اتکم الرسول فخذوه وما نہکم عنہ فانتهوا“☆ (جو کچھ تمہیں رسول دے دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں

اُس سے رُک جاؤ) لیکن اس کے باوجود فقہ انکار حدیث کے ذریعے مولوی عبداللہ چکڑالوی اور غلام احمد پر دیز جیسی شخصیات نے اُمت کو اتباع رسالت سے برگشتہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس تحریک کو مقبول عام بنانے کے لیے ابتدائی طور پر فرنگیوں نے اہم کردار ادا کیا اور پھر وحی الہی کے بجائے اپنی ناقص عقل پر کلی انحصار کرنے والے محدودے چند اہل قلم نے اپنی ساری توانائی اس پر صرف کر دی کہ کسی طرح اُمت کو سنت محمدیہ ﷺ سے دُور کیا جاسکے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق علمائے حق نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے لسانی و قلمی جہاد کے ذریعے ان لوگوں کی تمام تر کوششوں کو خاک میں ملا دیا۔

شعرا معاشرے کا سب سے حساس طبقہ ہوتے ہیں اور اپنے کلام میں اپنے عہد میں سر اٹھانے والے فتنوں اور عصری انقلابات کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ تاہم ہر شاعر اپنے عہد پر آشوب کی ہر شورش کو یکسانی سے محسوس نہیں کرتا۔ ایک معاشی استحصال سے زیادہ اثر لیتا ہے تو دوسرا مذہبی فتنوں پر زیادہ حساسیت کا اظہار کرتا ہے۔ گزشتہ صدی میں برصغیر پاک و ہند میں اُٹھنے والے فقہ انکار حدیث سے۔ مذہبی شاعری کرنے والے خن ور متاثر ہوئے اور انھوں نے ضرورت و اہمیت حدیث، حجیت حدیث کے اثبات اور منکرین حدیث کی مذمت میں خن سرائی کی۔ اس کی چند ایک مثالیں یہاں پیش کی جا رہی ہیں:

خالد بزمی نے دس اشعار پر مشتمل ایک نظم ”فقہ انکار حدیث“ لکھی جس میں انھوں نے منکرین حدیث کے باطل عقائد کی تردید کی ہے۔ پہلا بند ملاحظہ ہو:

جو لوگ منکرین حدیث رسول ﷺ ہیں

مذہب کے نام ہی سے دراصل ان کو جہ ہے

کہتے ہیں وہ کہ جس کا نہیں دین میں ثبوت

کرتے ہیں وہ کہ جس کا کوئی سر ہے نہ جہ ہے

چوتھے بند میں بزمی نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ منکرین حدیث فقط احادیث کو خلاف قرآن ثابت کرنے کے لیے ہی سرگرداں نہیں بلکہ قرآن بھی ان کے دستِ ستم سے نہیں بچ سکا۔ ان متجدد فقہاء نے اگر ایک طرف حدیث کا انکار کیا ہے تو دوسری طرف قرآن مجید کی آیات کی من مانی تاویلات بھی کی ہیں:

ان منکروں کی دوڑ حدیثوں ہی تک نہیں

قرآن بھی ان کے دستِ ستم سے نہ بچ سکا

انکار اُس طرف ہے تو تاویل اس طرف
 دیں ”ماڈرن فقیہوں“ کے ہاتھوں میں آگیا
 آخری بند میں اہل ایمان کو ان مذہب دشمن عناصر کی فتنہ انگیزی سے ہوشیار رہنے کا
 یوں مشورہ دیتے ہیں:

اے حق پرست و صاحب ایمان دوستو
 مذہب کے دشمنوں کا ارادہ کچھ اور ہے
 ہشیار منکرینِ حدیثِ رسول ﷺ سے
 یہ دور آزمائشِ ایمان کا دور ہے
 شورشِ کشمیری نے بھی ”فتنہ انکار حدیث“ کے عنوان سے ایک نظم کہی لیکن پوری نظم
 میں اصل موضوع پر صرف یہ شعر ہے:

جانتے ہو کہ یہاں فتنہ انکار حدیث
 اپنے انکار بد انجام میں پرویزی ہے^{۳۶}
 ماہر القادری نے منکرینِ حدیث کی مذموم مسامی کے خلاف یوں آواز بلند کی:

حدیثِ دیں کو باز پچھو ادب نہ بنا
 کلامِ حق کو دلی جوش کا سبب نہ بنا
 دلیل و عقل سے انکار کے تو بت نہ تراش
 ہوائے نفس کی لذت کو اپنا رب نہ بنا
 ادب کی آڑ میں دے کر پیامِ گم راہی
 تمام دہر کو بوجھل و بولہب نہ بنا^{۳۷}

آخری مصرع توجہ طلب ہے جس میں شاعر نے منکرینِ حدیث کو ابوجھل و بولہب
 قرار دیا ہے کیوں کہ یہ دونوں بھی رسول اکرم ﷺ کے ارشادات کے منکر تھے۔ ایک اور شعر میں
 ماہر القادری کہتے ہیں:

ترا نطقِ وحی یزداں تری باتِ شرحِ قرآن
 ترا نامِ دل کی تسکین، ترا ذکرِ راحتِ جاں^{۳۸}
 رازِ کشمیری حضورِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ہر قول و فعل کو معیارِ حق تسلیم کرتے

ہیں، اُن کے علاوہ کسی کی بات کو مستتر نہیں سمجھتے۔ اسی لیے کہتے ہیں:

معیار حق ہے آپ ﷺ کی ہر بات، ہر عمل

نامستبر ہے سارا جہاں، آپ ﷺ مستبر^{۶۵}

راتح عرفانی حضور اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلنے والی ہر بات کو خدائی کلام کی

تشریح و تعبیر قرار دیتے ہیں:

نکلا ہے جو بھی لفظ زبانِ حضور ﷺ سے

لاریب ترجمہ ہے خدا کے کلام کا^{۶۶}

ایک اور شعر میں کہتے ہیں:

چراغِ جادۂ منزل ہے مصطفیٰ ﷺ کی حدیث

نظر کا نور ہے محبوبِ کبریا ﷺ کی حدیث^{۶۷}

محمد ہارون الرشید ارشد حضور خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی پیروی کو ایک

مومن کے لیے سعادت اور واجبِ التعمیل قرار دیتے ہیں:

ہے سعادت سنت خیر البشر ﷺ کی پیروی

واجبِ التعمیل ہے فرمانِ فخر الانبیا ﷺ^{۶۸}

ارشاد نے اپنی نعتیہ شاعری میں سنت و حدیث کی اہمیت واضح کی ہے۔ اُن کے کئی

اشعار سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال کا پرتو محسوس ہوتا ہے۔ انھوں نے

آیتِ کریمہ ”وما یَنطَقُ عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی“ کا یوں منظوم ترجمہ کیا ہے:

جو وحی خدا تھی، وہی لب پہ آئی

کلامِ خدا ہے کلامِ محمد ﷺ^{۶۹}

ارشاد کے کلام سے سنت کے موضوع پر رد و اور شعر ملاحظہ ہوں:

توحید میرادل ہے تو جاں سنتِ رسول ﷺ

بعدِ خدا ہیں میرے لیے حضرت رسول ﷺ^{۷۰}

میرے یقین کا معیار صحیف و سنت

میرا عقیدہ کلامِ خدا، کلامِ حضور ﷺ^{۷۱}

عبدالجید صدیقی کے نعتیہ کلام میں ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں انھوں نے ارشادات

مصطفیٰ ﷺ کو فرامینِ کبریا قرار دیا ہے:

سچ کہا ہے ”گفتہ اُد گفتہ اللہ بود“

۱۳☆ شاہد ناطق ہے خود قرآن اس اعتبار کا

ارشاد ہے ”ما نطق“ جب ان ہی کے حق میں

۱۴☆ اللہ کا فرمان ہے فرمانِ محمد ﷺ

اسی بات کو حافظ عبدالنظار حافظ نے یوں شعر کے قالب میں ڈھالا ہے:

عین حق ہے جو بھی نکلا ہے زبانِ پاک سے

۱۵☆ عین فرمانِ خدا فرمانِ والا آپ ﷺ کا

عبدالکریمؐ نے بھی اسی تخیل کو یوں نظم کیا ہے:

تری حدیث ہے اُم الکتاب کی تفسیر

۱۶☆ تری زباں بھی خدا کی زبان سے ملتی ہے

حکیم شریف احسن نے ”من يطع الرسول فقد اطاع الله“ کا منظوم ترجمہ یوں

کیا ہے:

وہی ہیں جن کی اطاعت اطاعتِ حق ہے

۱۷☆ خدا کی بات ہے گفتارِ رحمتِ عالم ﷺ

راغبؒ مراد آبادی نے بھی حضور اکرم ﷺ کے اقوال کو اقوالِ حق تعالیٰ قرار دیا ہے۔

اُن کے مطابق حضور سیدِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر بات وحی و الہام پر مبنی ہوتی تھی۔ دو اشعار

ملاحظہ ہوں:

اُس کا ہر نقشِ قدم ہے شبِ اسریٰ کا چراغ

اُس کی ہر جنبشِ لبِ نغمہ وحی و الہام

اُس کا ہر لفظ ہے برہانِ صداقتِ بکنار

۱۸☆ اُس کی ہر بات نجاتِ ابدی کا پیغام

حافظ مظہر الدین اقوالِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یوں توصیف کرتے ہیں:

کیف افروز ہے بات بات آپ ﷺ کی

۱۹☆ وجد انگیز ہے ہر کلام آپ ﷺ کا

حافظ محمد افضل فقیر نے بھی اپنے کلام میں ارشادات مصطفیٰ علیہ الخیرۃ والکائنات کے انوار کا ذکر کیا ہے اور اہتمام سنت کا درس دیا ہے:

جس سے تاب ناک امروز، جس سے کامراں فردا
وہ حضور کی سنت اور اہتمام اس کا^{۲۰☆}

☆

اُس کے ارشادات حسین کی منزل منزل خویریں
اس کے مضمون رحمت کے عالم عالم بھرائے^{۲۱☆}
علیم ناصری نے ائمہ حدیث کا یوں ذکر کیا ہے:

اک عمر رہے پختے یا قوت حدیثوں کے^{۲۲☆}
مالک ہیں بخاری ہیں مسلم ہو کہ کاشانی

احادیث پر عمل کی خاطر ان کے علم کے جوہر سے خود کو آراستہ کرنے والا کنگال دروازہ
ذرا ندوز بن جاتا ہے۔ اس مضمون کو علیم ناصری نے یوں نظم کیا ہے:

کرلوں میں اگر جمع حدیثوں کو جوہر
ہو جاؤں اس افلاں میں دروازہ و دراندوز^{۲۳☆}

مولانا ظفر علی خاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زبان اقدس سے نکلنے والے
ارشادات کے متعلق کہتے ہیں:

ان ہو الا وحی یوحی جس کی شان میں آیا ہے
رحمتِ عالم ہو کے اک امی اس مکتوب کو لایا ہے^{۲۴☆}

بعض غیر مسلم شعرائے نعت نے بھی اپنی نعتیہ شاعری میں احادیث کا ذکر کیا ہے۔ لالہ
بجی نرائن سرپو استو سحاک کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

کچھ شک ہو اگر تم کو تو جبریل کو لاؤں
گفتارِ خدا ملتی ہے گفتارِ نبی ﷺ سے^{۲۵☆}
کلام حق ہو تفسیراً حدیثِ پاک توضیحاً
یہ بزم وصف احمد ﷺ رات بھر یوں ہو تو بہتر ہے^{۲۶☆}

ایک اور ہندو شاعر پروفیسر سائر ہوشیار پوری کو سارے عالم میں گفتارِ مصطفیٰ ﷺ کی گونج سنا کی دیتی ہے:

دھوم ہے سارے جہاں میں آپ ﷺ کی گفتار کی
اک زمانہ معتقد ہے آپ کے انوار کا^{۲۷}
بلونت کمار ساگر احادیث کو شرح قرآن قرار دیتے ہیں:
کیوں مسلمان نہ اس پہ ہو قرباں
شرح قرآن جو ہے کلام نبی ﷺ^{۲۸}
حکیم تر لوگ ناتھ اعظم جلال پوری کلام کبریا کو کلام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والہی قرار دیتے
ہوئے کہتے ہیں:

کلام محمد ﷺ خدا کا پیام
کلام محمد ﷺ خدا کا کلام^{۲۹}
لالہ رام سرور پشید احادیث رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یوں ذکر کرتے ہیں:
ہیں احادیث آپ ﷺ کی دنیا میں بہر انتظام
ہے زمانوں پر رواں وہ آپ ﷺ کا شیریں کلام^{۳۰}
گیان چند منصور کلام خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلام اللہ قرار دیتے ہیں:
کلام محمد ﷺ کلام الہی
کلام الہی، کلام محمد ﷺ^{۳۱}
امام شکر چرنیش ہازل لکھنوی حضور ختمی المرتبہ ﷺ کے اقوال کی شہادت اس طرح
دیتے ہیں:

آپ ﷺ کہلائے صادق الاقرار
قول کے بادشاہ کیا کہنا^{۳۲}
عرشِ ملیانی تغیرِ اسلام ﷺ کے کلام کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:
یہ شانِ فصاحت، یہ آیاتِ مصحف
کلیم اللہ اللہ، کلام اللہ اللہ

نہ قول و عمل میں کوئی فرق مطلق

پیامی سراسر، پیام اللہ ﷻ

مولوی خرم علی بلہوری حدیث رسول ﷺ کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ناحق تجھے اور کچھ ہوں ہے

قرآن و حدیث تجھ کو بس ہے

حق ہوگا حدیث خواں سے خرم

اور شاد رسول ﷺ فخر عالم ﷻ

گزشتہ سطور میں اردو شعرا کے کلام سے ضرورت و اہمیت حدیث اور حجیت و حقانیت حدیث سے متعلق جو اشعار دیے گئے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف شعرائے نعت نے اِکا ذکا اشعار میں سنت و حدیث کا ذکر بھی کیا ہے۔ راقم کو جو دو نظمیں اس موضوع پر ملی ہیں، وہ بھی اردو شاعری کا اعلیٰ نمونہ قرار نہیں دی جاسکتیں۔ دراصل ہمارے شعرائے کرام کتب احادیث و سیرت سے استفادہ تو درکنار، قرآن مجید کی تفہیم کے لیے اس کا مطالعہ بھی شاذ و نادر ہی کرتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے ہاں حدیث کے موضوع پر بہت کم اشعار ملتے ہیں تاہم دنیائے نعت میں ایک ایسا شاعر بھی ہے جس کے کلام میں اُن گنت اشعار میں اس مضمون کو نظم کیا گیا ہے۔ اس کا نام راجا رشید محمود ہے جو ربیع صدی سے اپنے شب و روز محنت حبیب کبریا علیہ النجۃ والثناء کے لیے وقف کیے ہوئے ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ محمود کی شاعری میں اردو کے تمام شعرا سے زیادہ احادیث رسول ﷺ کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خالصتاً نعت گو شاعر ہے، ثانیاً اس شاعر کا کتب احادیث و سیرت کا مطالعہ اپنے ہم عصر نعت گو شعرا سے کہیں وسیع ہے۔ ثالثاً اس نے احادیث اور سیرت کے موضوع پر بعض منشور تحقیقی تصانیف بھی لکھی ہیں۔ ان وجوہ کے باعث ان کے ہاں احادیث مبارکہ کا پر تو دیگر شعرا کی نسبت زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ شاعر نعت کے پہلے اردو مجموعہ ”وہنا لک ذکرک“ میں ایک کمل نعت میں صرف اسی مضمون کو نظم کیا ہے:

کلام پاک ہے معیار گفتگوئے رسول ﷺ خدا کا کفر ہے انکار گفتگوئے رسول ﷺ
وہی ہوئے ہیں زمانے میں صاحب کردار کھلے ہیں جن پہ بھی اسرار گفتگوئے رسول ﷺ
کھلے ہیں جس میں محبت کے پھول ہر جانب وہی ہے گلشن بے خار گفتگوئے رسول ﷺ
گھرے تھے کفر و ضلالت میں جو عرب، ان پر ضیا گلن ہوئے انوار گفتگوئے رسول ﷺ

ہر اک زمانے کو بخشے گا کچھیں محمود بہارِ زا ہے چمن زار گفتگوئے رسول ﷺ
اپنے ایک اور نعتیہ مجموعہ ”حرفِ نعت“ میں بارہ اشعار پر مبنی نعت میں اس شاعر نے
حضور اکرم ﷺ کی قولی حدیث کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خیر کا پیغام بر قولِ نبی ﷺ سامنے شر کے پر قولِ نبی ﷺ
کبریا کے قول سے ثابت ہوا سر بہ سر سچا ہے ہر قولِ نبی ﷺ
اک محیطِ علم و حکمت پھر بھی ہے خواہ ٹھہرے مختصر قولِ نبی ﷺ
ہے مفہیمِ کلامِ اللہ کا ایک حسنِ مستتر قولِ نبی ﷺ
ہے ادھر صادق کلامِ کبریا اور سچا ہے ادھر قولِ نبی ﷺ
راجا رشید محمود نے ایک غیر مطبوعہ نعت^{۳۲۵} میں حجیتِ حدیث اور حکمت و عظمتِ حدیث
یوں کا اظہار خیال کیا ہے:

اقوالِ مصطفیٰ ﷺ رعی خاصیتِ حدیث ثابت کلامِ حق سے ہے حجیتِ حدیث
احکامِ لایزال کی تہذیب ہو گئی یہ عصمتِ حدیث ہے، یہ عظمتِ حدیث
شارع ہیں، صرف شارح دیں ہی نہیں نبی ﷺ وا مومنوں پہ ہو گئی ہے حکمتِ حدیث
اسی نعت میں وہ محدثین کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے روایت و درایت
کے اصول وضع کر کے احادیث میں ہر قسم کی آمیزش کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا:

کر کے روایت اور درایت کا اہتمام قائم دلوں میں کی گئی ہے حرمتِ حدیث
اس کو محدثین نے یوں منضبط کیا روشن مثال مہر ہوئی صورتِ حدیث
شاعرِ نعت نے قولِ نبی ﷺ کے قولِ کبریا ہونے اور قرآن مجید کے بعد احادیث کے
ماخذِ قانون ہونے کا مضمون یوں لقم کیا ہے:

قولِ نبی ﷺ کو حق نے کہا قولِ کبریا واضح ہوئی ہے اس طرح حیثیتِ حدیث
ہیں محتر دو ماخذِ قانونِ کبریا نور کلامِ حق ہو کہ ہو طلعتِ حدیث
محمود دینِ حق کی ہمیں روشنی ملی قرآن کے ساتھ مل گئی جو نعتِ حدیث
محمود نے ایک پوری نعتِ حدیث کی خوبیوں کے لیے مختص کی ہے جو بارہ اشعار پر
مشتمل ہے۔ بطورِ نمونہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اقوالِ کبریا کی ہے شارح یہ بے گماں قرآن کی ہے ہم نوا سرکارِ نبی ﷺ کی حدیث

ماہطق کے حکم خدا سے عیاں ہے یہ الہام کا ہے سلسلہ سرکار ﷺ کی حدیث
 آقا ﷺ کی زندگی تھی صحابہ کی رہنما اپنے لیے ہے رہنما سرکار ﷺ کی حدیث
 تشریح اور توجیہ کلام خدا کی ہے ہے شارح دین ہدی سرکار ﷺ کی حدیث
 تفسیر اس کو جالیے قرآن پاک کی محمود حق ہے بر ملا سرکار ﷺ کی حدیث^{۳۸☆}
 کلام محمود میں بیسیوں ایسے اشعار ہیں جن میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
 ارشادات و فرمودات کی تعمیل کی تحریک ہے، کہیں حضور اکرم ﷺ کے اقوال کو فرامین حق قرار دیا
 ہے تو کہیں احادیث مبارکہ کو سرچشمہ ہدایت بتایا گیا ہے۔ یہاں اُن کے مختلف مجموعہ ہائے نعت
 سے بطور نمونہ چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

۱۔ ورنعنا لک ذکرک

دہر بھر کی ہر صداقت کو پرکھ کر دیکھ لو
 جو حدیث مصطفیٰ ﷺ میں ہے، وہ سچائی کہاں^{۳۹☆}

۲۔ دیار نعت

دیکھو اٹھا کے لوگو، احادیث کی کتب
 جو قول بھی نبی ﷺ کا ہے، کیا دل نشیں نہیں^{۴۰☆}

۳۔ مدحت سرور ﷺ

مان لو آقا ﷺ کے فرمودات و ارشادات کو مومنوں کے واسطے تو یہ ہے فرمانِ حیات^{۴۱☆}
 کلام حق کی وضاحت کو تو ضروری ہے رسول پاک ﷺ کے اقوال معتبر کا وجود^{۴۲☆}
 ہر اک بات آقا و مولا کی ہے الہام پر مبنی ہر ارشاد ان کا ہے اللہ کے پیغام پر مبنی^{۴۳☆}
 ۴۔ کتاب نعت

حدیثوں کے سوا ملتا نہیں ہے کہیں سے رہنمائی کا تصور^{۴۴☆}
 مغایم کلام حق بتاتی ہیں حدیثیں ہی
 کہ ارشادات آقا ﷺ اس کی تشریحات کرتے ہیں^{۴۵☆}

۵۔ اوراق نعت

راز ”ماہطق“ سے کھولا ہے کلام اللہ نے
 بات بات آقا ﷺ کی ہے نطق الہی ہو بہ ہو^{۴۶☆}

۶۔ اشعارِ نعت

”ہاتھوں“ کی رُو سے جو خود رب کی بات ہے
میرے حضور پاک ﷺ کی ہر بات کو سلام^{۴۷☆}

۷۔ مدحِ سرکارِ ﷺ

میرے رسول پاک ﷺ کی اک اک حدیث میں
جو بات ہے وہ آدمی کی بھتری میں ہے^{۴۸☆}

۸۔ حی علی الصلوٰۃ

وہ بے شک مت پڑھے صلوات نام مصطفیٰ ﷺ سن کر
احادیثِ نبی ﷺ پر ہی نہ جس کو اعتبار آئے^{۴۹☆}

۹۔ حرفِ نعت

آقا ﷺ کی ہر حدیث کو دل سے پڑھو، سنو
کیا بات بات آپ ﷺ کی درسِ عمل نہیں^{۵۰☆}

☆

احادیثِ حبیبِ کبریا ﷺ ہی اس کا باعث ہیں
جو وقعتِ فضلِ رب سے، راستی کی ہے مرے دل میں^{۵۱☆}

۱۰۔ نعت (مجموعہ نعت)

نارِ قلب مرا آپ ﷺ کی حدیثوں پر
ہے قولِ آقا ﷺ پہ قربانِ ذوقِ نعت مرا^{۵۲☆}

۱۱۔ فردیاتِ نعت

پڑھتا جاتا ہے جب انسان احادیثِ رسول ﷺ
کرتی جاتی ہے زباں اور مدحِ سرکارِ ﷺ^{۵۳☆}

۱۲۔ سلامِ ارادت

ہیں احادیثِ نبی ﷺ میں اس کی تفصیلات بھی اس طرح قرآن کی تشریحات کو میرا سلام^{۵۴☆}
جو خدائے پاک کے احکام کی تشریح ہیں سید و سرور کے ارشادات کو میرا سلام^{۵۵☆}

۱۳۔ تسبیح نعت

میرے حضور ﷺ کا ہر قول، قول حکمت ہے میرے حضور ﷺ کی ہے بات بات ذاتی ۵۶☆
 اُن کے ہر اک عمل سے، ہر ارشاد پاک سے رب کے کرم سے ملتی ہے ہر منزلت کی خبر ۵۷☆
 ۱۴۔ صابح نعت

مطابحِ راز آئے ”ماہِ طلق“ میں ہے محمود بات رب کی ہے، تقریر آپ ﷺ کی
 لوحِ جہاں پہ نقش ہے بے شبہ و گماں سرکار ﷺ کی حدیثِ صداقت کا حرف حرف ۵۸☆
 ۱۵۔ احرام نعت

جو احادیثِ نبوی ﷺ سے لاطلق سا رہا ایسا بد بخت آدمی ہے مغفرت نا آشنا
 احادیثِ رسولِ محترم ﷺ کو جمع کرنے میں بڑی کاوش نظر آتی ہے مسلم اور بخاری کی
 جو غور و خوض احادیثِ پیبر ﷺ پر کرے کوئی تو پائے علمِ قرآن کے مغایم و معانی کا
 احادیثِ حبیبِ کبریا ﷺ ہم کو بتاتی ہیں بلاغت اُن پہ بس ہے اور فصاحت ختم ہے اُن پر
 پڑھ پڑھ کے احادیثِ میرے سرور دین ﷺ کی ہر مسئلہ پیشِ نظر کا کوئی حل ۵۹☆
 آخر میں شعرائے کرام سے یہ درخواست ہے کہ وہ اپنی نعتیہ شاعری میں حضور
 اکرم ﷺ کی سنت جیسے اہم موضوع پر ضرور اشعار کہیں، کیوں کہ دینِ قرآن و سنت کے مجموعے کا
 نام ہے۔ حدیث کے بغیر قرآن کی تفہیم ممکن نہیں۔ تاہم انھیں خود مجموعہ ہائے احادیث کا مطالعہ
 کرنا ہوگا، وگرنہ اس موضوع پر اُن کی شاعری میں سطحیت ہوگی۔

حواشی

- ۱☆۔ آلِ عمران ۳: ۳۲
- ۲☆۔ خالد بنی: ”مجھے ہے علمِ ازاں“ (لاہور: قاضی پبلی کیشنز ۱۹۹۲ء)، ص ۳۳-۳۴
- ۳☆۔ شورش کاشمیری: ”چہ قلندرانہ گفتن“ (لاہور: مطبوعات چٹان ۱۹۶۵ء) ص ۱۰۳
- ۴☆۔ سارکونٹی ”مولانا محمد صادق: ”غریبِ حدیث“ (گوجرانوالہ: مکتبہ نعیمی، ۱۹۶۱ء) ص ۳۳۷
- ۵☆۔ ماہر القادری: ”ذکرِ جمیل“ مرقبہ: طالب ہاشمی (لاہور: بزمِ قارآن، ۱۹۸۹ء) ص ۱۷۰
- ۶☆۔ راز کاشمیری: ”لوحِ بھی تو قلم بھی تو“ (گوجرانوالہ: عثمان اکیڈمی، ۱۹۸۸ء) ص ۹۵
- ۷☆۔ راجِ عرفانی: ”ارمغانِ حرم“ (گوجرانوالہ: مکتبہ نور، ۱۹۷۷ء) ص ۵۵
- ۸☆۔ راجِ عرفانی: ”کھتِ حرا“ (گوجرانوالہ: مکتبہ نور، ۱۹۸۹ء) ص ۳۳
- ۹☆۔ ارشد، محمد ہارون الرشید: ”آبشارِ کرم“ (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۳۱۲ھ) ص ۹۳
- ۱۰☆۔ حوالہ سابق، ص ۷۱

- ۱۱☆۔ حوالہ سابق، ص ۴۹
- ۱۲☆۔ حوالہ سابق، ص ۴۲
- ۱۳☆۔ عبدالحید صدیقی، ”صدقِ مقال“ (کراچی: ناشر ڈاکٹر محمود احمد صدیقی، ۱۹۵۹ء) ص ۲۸
- ۱۴☆۔ حوالہ سابق، ص ۴۵
- ۱۵☆۔ حافظ عبدالغفار حافظ، ”قصیدۂ رسولِ تہامی ﷺ“ (کراچی: انجمن ترقی نعت، ۱۹۸۸ء) ص ۳۶
- ۱۶☆۔ عبدالکریم شرر، ”شعر و الہام“ (لاہور: مکتبہ عرفان، ۱۹۶۲ء) ص ۲۱۹
- ۱۷☆۔ شریف احسن، حکیم، ”عبدہ و رسول“ (فیصل آباد: نعت اکادمی، ۲۰۰۰ء) ص ۷۲
- ۱۸☆۔ راجب مراد آبادی، ”نعتِ خیر البشر ﷺ“ مرتبہ: سید فیضی (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۷ء) ص ۲۹
- ۱۹☆۔ حافظ مظہر الدین، ”تجلیات“ (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء) ص ۵۰
- ۲۰☆۔ حافظ محمد افضل فقیر، ”جانِ جہاں ﷺ“ (لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۴۰۳ھ) ص ۴۵
- ۲۱☆۔ حوالہ سابق، ص ۱۲۰
- ۲۲☆۔ علیم ناصری، ”طلع الہدٰی“ (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۱۹۹۹ء) ص ۹۱
- ۲۳☆۔ حوالہ سابق، ص ۱۳۲
- ۲۴☆۔ ظفر علی خان، ”خاستان“ (لاہور: مکتبہ کارواں، ص ۱۴)
- ۲۵☆۔ ماہنامہ ”نعت“ لاہور، ”غیر مسلموں کی نعت“ حصہ چہارم (لالہ بھی نرائن کی نعت گوئی) جلد ۵، شمارہ ۷ (جولائی ۱۹۹۲ء) ص ۹۰
- ۲۶☆۔ حوالہ سابق، ص ۱۰۰
- ۲۷☆۔ راجا رشید محمود، ”غیر مسلموں کی نعت گوئی“، ماہنامہ ”نعت“ لاہور، جلد ۸، شمارہ ۱۱، ص ۵۵ (نومبر ۱۹۹۵ء) ص ۱۵۰
- ۲۸☆۔ نور احمد میرٹھی (مرحب) ”نورِ سخن“، ص ۱۱۸ / ماہنامہ ”نعت“ لاہور، جلد ۸، شمارہ ۱۱، ص ۵۵
- ۲۹☆۔ نور احمد میرٹھی، ”بہرِ زماں بہرِ زباں“ (کراچی: ادارہ فکرِ نو، ۱۹۹۶ء) ص ۱۲۱
- ۳۰☆۔ حوالہ سابق، ص ۴۶
- ۳۱☆۔ حوالہ سابق، ص ۵۶۵
- ۳۲☆۔ عرفان عباسی، ”تذکرہ شعرائے اتر پردیش“ (لکھنؤ: نگار پریس، ۱۹۸۳ء) ص ۶۲۷
- ۳۳☆۔ یزدانی، مولانا محمد حنیف، ”محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں“ (لاہور: شاہین سز، ۱۹۷۹ء) ص ۵۱
- ۳۴☆۔ بلوچی، خرم علی، ”نصیحۃ المسلمین“ (لاہور: المکتبۃ الشقیہ، ۱۹۸۲ء) ص ۸۲
- ۳۵☆۔ راجا رشید محمود، ”دورِ فضا لک ذکر“ (لاہور: اختر کتاب گھر، ۱۹۹۳ء، اشاعت سوم) ص ۵۷
- ۳۶☆۔ راجا رشید محمود، ”حرفِ نعت“ (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت لاہور، ۲۰۰۰ء) ص ۱۰۷-۱۰۸
- ۳۷☆۔ راجا رشید محمود، ”احرامِ نعت“ (زیرِ طبع ہے)
- ۳۸☆۔ راجا رشید محمود، ”صباحِ نعت“ (زیرِ طبع ہے)
- ۳۹☆۔ راجا رشید محمود، ”دورِ فضا لک ذکر“، ص ۴۵
- ۴۰☆۔ راجا رشید محمود، ”ذیابِ نعت“ (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۲ء) ص ۵۷
- ۴۱☆۔ راجا رشید محمود، ”مدحتِ سرور ﷺ“ (لاہور: مکتبہ ایوانِ نعت، ۲۰۰۲ء) ص ۳۲
- ۴۲☆۔ حوالہ سابق، ص ۴۳

- ☆ ۴۳۔ حوالہ سابق، ص ۴۳
- ☆ ۴۴۔ راجا رشید محمود: ”کتاب نعت“ (لاہور: مکتبہ ایوان نعت، ۲۰۰۰ء) ص ۱۰
- ☆ ۴۵۔ حوالہ سابق، ص ۱۰۸
- ☆ ۴۶۔ راجا رشید محمود: ”اوراق نعت“ (لاہور: مکتبہ ایوان نعت، ۲۰۰۲ء) ص ۱۵
- ☆ ۴۷۔ راجا رشید محمود: ”اشعار نعت“ (لاہور: مکتبہ ایوان نعت، ۲۰۰۰ء) ص ۶۸
- ☆ ۴۸۔ راجا رشید محمود: ”مدح سرکار ﷺ“ (لاہور: مکتبہ ایوان نعت، ۱۹۹۷ء) ص ۲۲
- ☆ ۴۹۔ راجا رشید محمود: ”حق علی الصلوٰۃ“ (لاہور: مکتبہ ایوان نعت، ۱۹۹۸ء) ص ۳۹
- ☆ ۵۰۔ راجا رشید محمود: ”حرف نعت“ (لاہور: مکتبہ ایوان نعت، ۲۰۰۰ء) ص ۸۲
- ☆ ۵۱۔ حوالہ سابق، ص ۱۷
- ☆ ۵۲۔ راجا رشید محمود: ”نعت (مجموعہ کلام)“ (لاہور: مکتبہ ایوان نعت، ۲۰۰۱ء) نعت نمبر ۳
- ☆ ۵۳۔ راجا رشید محمود: ”فردیات نعت“ (لاہور: مکتبہ ایوان نعت، ۲۰۰۰ء) ص ۹۰
- ☆ ۵۴۔ راجا رشید محمود: ”سلام ارادت“ (لاہور: مکتبہ ایوان نعت، ۲۰۰۰ء) ص ۷۳
- ☆ ۵۵۔ حوالہ سابق، ص ۷۲
- ☆ ۵۶۔ راجا رشید محمود: ”تسبیح نعت“ ماہنامہ ”نعت“ لاہور، جلد ۱۶، شمارہ ۲ (اپریل ۲۰۰۳ء) ص ۱۸
- ☆ ۵۷۔ حوالہ سابق، ص ۱۲۹
- ☆ ۵۸۔ راجا رشید محمود: ”صباح نعت“
- ☆ ۵۹۔ راجا رشید محمود: ”احرام نعت“



معراج نامہ: بلاقی

اردو میں معراج ناموں کی روایت کا تعلق ایک طرف عقیدت رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ کو اجاگر کرتا ہے تو دوسری طرف اس سے اردو میں سادہ سفر پر مشتمل ادب وجود میں آیا۔ سادہ سیر پر مشتمل ادب کی تشکیل کا سراغ ہمیں سب سے پہلے عالمی ادب میں یونان کے ہومر کی ”اوڈیسی“ میں ملتا ہے۔ یہ ایک یونانی منظوم ڈراما ہے جس میں جنت دوزخ اور عرفات کے سفر اور وہاں کے آثار و شواہد کا قیاسی اور تخیلاتی بیان ہے۔ ہومر نے یہ ڈراما حضرت مسیح سے اٹھارہ سو برس پہلے لکھا تھا۔ اس کے بعد ڈانٹے (م ۱۳۲۱ء) کی تصنیف ”ڈیوائن کامیڈی (Divine Comedy) میں اس قسم کے سادہ سفر کی روئداد ملتی ہے۔ عربی ادب میں ابن ہشید اللامیسی (م ۱۰۳۲ء) کی ”رسالۃ التوابع والرواح“ اور ابوالفضل المری (م ۱۰۵۵ء) کی ”رسالۃ الغفران“ میں بھی افلاکی سیر کا بیان ہوا ہے۔ علامہ اقبال نے ”جاوید نامہ“ میں اور امیر خسرو کی ”نہ پہر“ میں بھی آسمانی سیاحت کے حالات نظم کیے گئے ہیں۔ غرض کہ سیر سادہ کو موضوع سخن بنانے کی روایت قدیم ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ڈانٹے کے بعد سے جتنی بھی تحقیقات اس قسم کی وجود میں آئی ہیں ان پر واقعہ معراج کا نمایاں اثر دکھائی دیتا ہے۔ سعید احمد اکبر آبادی ڈاکٹر لوئیس عوض کی رائے کو نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اس طرح کے ادب پارے مستقل بالذات ہیں۔ ان میں اسلامی روایات کے ساتھ ساتھ یونانی اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ (چٹاں چہ)۔۔۔ ڈانٹے کے زمانے میں واقعہ معراج پر ہسپانوی، لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں تین تراجم موجود تھے۔

”معراج“، تاریخ اسلام کا عظیم الشان واقعہ ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے ساتوں آسمانوں کی سیر کی تھی۔ واقعہ معراج کے متعلق نصوص بھی ہیں اور احادیث صحیحہ سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ عقائد کے لحاظ سے البتہ علمائے اسلام دو طرح کے خیالات رکھتے ہیں۔ ایک طبقہ اس واقعہ کو ”روحانی“ سفر گردانتا ہے تو دوسرا اسے ”جسدی“ قرار دیتا ہے۔ بہر کیف! اس تاریخی واقعے نے ادب لطیف پر گہری چھاپ چھوڑی ہے۔ اس کی وجہ سے شاعری کو نیا موضوع ملا اور نئی علامات و تشبیہات اور استعارات و اصطلاحات بھی ملیں۔

دکن میں واقعہ معراج پر مستقل تصنیف نثر میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م ۱۴۲۱ء) سے منسوب ہے۔ اور نظم میں معراج کے موضوع پر اولاً تصنیف بلاقی کی ”معراج نامہ“ ہے۔ بلاقی نے واقعہ معراج کو تصوف کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ہندوپاک کے علاوہ یورپی ممالک میں اس کے پھیلے ہوئے نسخے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ بلاقی کی اس تصنیف کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی تھی۔ شاہ کمال کے معراج نامہ (۱۱۹۱ھ) اور محمد باقر آگاہ کی ”ہشت بہشت“ (۱۲۰۶ھ) میں بلاقی کے معراج نامہ کا ذکر ہوا ہے۔

بلاقی کے ”معراج نامہ“ کے نسخوں میں ”مادۂ تاریخ“ کے اشعار میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اصل تاریخ تصنیف کا پتا لگانا دشوار ہو گیا ہے۔ راقم نے سالار جنگ میوزیم، آصفیہ لائبریری اور ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کے نسخوں کے علاوہ نسخہ ایچ پور بھی دیکھا ہے۔ ان تمام میں مادۂ تاریخ کے اشعار بالترتیب یوں نقل ہوئے ہیں:

ہزار ایک بیچ شت تھی سال میں	سو یکشنبہ کے روز خوش حال میں
ہزار ایک پر بیچ شصت تھیں سال میں	سو اتوار کے روز خوش حال میں
ہزار نیک پانصد بنی سال میں	کہ یکشنبہ کے روز خوش حال میں
ہزار یک و پنجہ وی سال میں	سو یکشنبہ کے روز خوش حال میں
ہزار نیک پانصد بنی سال میں	سو یکشنبہ کے روز خوش حال میں

کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد کے ان نسخوں سے بالترتیب ۱۰۶۵ھ، ۱۰۰۵ھ، ۱۰۸۰ھ، ۱۰۰۵ھ اور ۱۰۶۵ھ مستخرج ہوتے ہیں۔ آصفیہ کے نسخہ نمبر ۵۴۱ سے ۱۰۶۵ھ نسخہ نمبر ۳۸۱ سے ۱۰۸۰ھ اور نسخہ نمبر ۳۸۳ سے ۱۰۹۴ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کے نسخوں میں مادۂ تاریخ کے اشعار یوں مرقوم ہیں:

ہزار ایک پر بیچ صد بنی سال میں	کہ یکشنبہ کے روز خوش حال میں
--------------------------------	------------------------------

ہزار ایک پنجہ صدی سال میں کہ یکشنبہ کے روز خوش حال میں
ہزار ایک پر شصت کے سال میں سو یکشنبہ کے روز خوش حال میں
ان اشعار سے بالترتیب ۱۰۰۵ھ اور ۱۰۶۰ھ برآمد ہوتے ہیں۔ نسخہ پہلی پور سے ڈاکٹر نعیم الدین
صاحب نے ۱۱۰۵ھ مستخرج کیے ہیں۔ اس نسخہ میں مادۂ تاریخ یوں درج ہے:

ہزار ایک برس پنجہ صد سال میں کہ یکشنبہ کے روز خوش حال میں
”سجرات میں مڑی مٹھوایاں“ کے مصنف نے بھی بلائی کے معراج نامے کی تاریخ تصنیف
۱۰۶۵ھ میں بتائی ہے۔ البتہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی مشہور تصنیف ”تاریخ ادب اردو“
(جلد اول) ص ۴۹۳ پر بلائی کے معراج نامہ کی تاریخ تصنیف ۱۰۵۶ھ بتائی ہے۔ انھوں نے یہ
بھی لکھا ہے کہ:

معراج نامہ (قلمی) انجمن ترقی اردو پاکستان کے علاوہ آٹھ اور قلمی نسخے
میری نظر سے گزرے جن میں سنہ تصنیف ۱۰۵۶ھ دیا گیا ہے۔

پروفیسر سید رفیع الدین اشفاق نے اپنے تحقیقی مقالے ”اردو میں نعتیہ شاعری“ میں بلائی کے
معراج نامہ کو ۱۰۸۰ھ کی تصنیف گردانتا ہے۔ موصوف نے ادارۂ ادبیات اردو کے حوالے سے یہ
بات لکھی ہے۔ مجھے ادارہ میں یہ نسخہ نہیں ملا۔ ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری نے ۱۰۶۵ھ کے
اختلاف کو ”کاتبوں کی سہل پسندی کا ثمرہ“ کہا ہے کہ ”وہ (۵) اور (۶) کے تقدم و تاخر کو ملحوظ نہ
رکھ سکے۔ انھوں نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ یہ کاجانی معراج نامہ بلائی کی غلطی ہے یا کاتب
”تاریخ ادب اردو“ جلد اول کی۔ اگر اس غلطی کو وہ تاریخ ادب اردو کے کاتب سے جوڑتے ہیں
تو بالکل ہے یا بجا اور درست ہے لیکن اگر اس غلطی سے ان کی مراد ”کاجانی معراج نامہ بلائی“
کی غلطی سے ہے تو یہ درست نہ ہوگا کیوں کہ معراج نامہ بلائی کے مادۂ تاریخ والے اشعار میں
تاریخ ملفوظی ہے عددی نہیں۔ لفظوں سے لکھے گئے اعداد میں تقدم و تاخر سے تو وزن و بحر دونوں
بگڑ جاتے ہیں اور شعر مجروح ہو جاتا ہے۔ میرا اپنا قیاس یہ ہے کہ ہو سکتا ہے ڈاکٹر جمیل جالبی نے
جن آٹھ نسخوں کی نشان دہی کی ہے اس میں ”ہزار ایک پنجہ و شش سال“ لکھا ہوگا۔ جس سے
۱۰۵۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر جمیل جالبی کسی ایک مخطوطہ سے مادۂ تاریخ کا شعر اپنی موقر
کتاب میں نقل فرما دیتے تو ہم شش و پنج میں نہ رہتے۔

”معراج نامہ بلائی“ کے اشعار کی تعداد کے معاملے میں سید رفیع الدین اشفاق اور اسماعیل آزاد

نے وضاحتی فہرست ”تذکرہ مخطوطات“ جلد اول، ص ۲۷ پر زور مرحوم کے تعارف پر لکھ کر لیا ہے۔
 مرحوم نے لکھا ہے کہ ”یہ تقریباً ۵۲۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے۔“ یہی عبارت مذکورہ دونوں محققین
 نے اپنے تحقیقی مقالات میں شامل کر لی ہے۔ جب کہ تذکرہ مخطوطات جلد پنجم، ص ۶۴ پر زور
 مرحوم دوسرے نسخے کے متعلق رقم طراز ہیں۔ ”جلد چہرے کی بتائی گئی ہے اس میں مکمل مثنوی
 (معراج نامہ) محفوظ ہے اور ۷۶۵ ابیات ہیں۔“ ڈاکٹر صاحب نے اشعار کی تعداد نہیں بتائی۔
 میرے پیش نظر ادارہ ادبیات اردو کے نسخوں میں بلاقی نے خود رقم کیے ہوئے اشعار کی تعداد
 مندرج ہے:

کہا سات سو (سو) بیت معراج کے کہ جوہر جڑے تھے مگر تاج کے
 دوسرے نسخے میں یوں درج ہے:

کہا آٹھ سو بیت معراج میں جوہر جڑے ہیں... تاج میں
 ایچ پور کے نسخہ میں یہ شعر اس طرح درج ہے:

کہا آٹھ سو بیت معراج میں کہ جوہر جو ہیں فکر کے تاج میں
 ان اشعار سے پتا چلتا ہے کہ معراج نامہ بلاقی آٹھ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ تحقیق میں تسامع کے
 سبب ان محققین نے کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ کو ضروری نہیں سمجھا۔ میرے پیش نظر تمام
 مخطوطات میں بلاقی کے معراج نامہ کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے:

اول نام اللہ جو بولوں احد ثنا اور صفت اس کی کر بے حد
 ثنا اس اپنت سزاوار ہے کر نہار قدرت کرتا رہے
 کیا چاند سورج ستارے فلک زمین آسماں حور و جن و ملک
 ایچ پور کے مخطوطہ کا کاتب کم سواد ہے۔ اس کے یہاں اعلیٰ کی بہت ساری غلطیاں پائی جات
 ہیں۔ مثلاً اس نے پہلے ہی شعر میں آئے لفظ احد کو ”اہد“ لکھا ہے۔ اس نسخہ کا ترقیمہ بھی ادھورا
 ہے۔ فارسی عبارت اس طرح لکھی ہے:

تمت تمام شد۔ کارمن نظام شد۔ بتاریخ بستم ماہ جمادی الثانی بیوم چہار

شنبہ اتمام یافت در عہد سلطنت محمد شاہ بادشاہ غلد اللہ ملکہ و سلطنت

محمد شاہ کا زمانہ سلطنت ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ بمطابق ۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء رہا ہے۔ اس میں سالہ دور میں

۱۱۳۱ھ، ۱۱۳۹ھ، ۱۱۴۷ھ اور ۱۱۵۵ھ ان چار سالوں میں جمادی الثانی کی میں تاریخ بدھ کے روز

آئی تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ معراج نامہ ان چار سالوں میں کسی ایک سال میں لکھا گیا تھا۔ شاید ترقیمہ کی تاریخ کا لحاظ رکھتے ہوئے ڈاکٹر نعیم الدین صاحب نے معراج نامہ بلائی کی تاریخ تصنیف بھی ۱۱۰۵ھ بتائی ہے۔ دوسرے معراج ناموں کے ترقیموں میں تاریخ تحریر صاف صاف درج ہے۔ جیسے ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کے نسخہ نمبر ۱۰ کا ترقیمہ اس طرح ہے۔ ”تحریر فی التاريخ غره شہر ذی الحجہ ۱۱۶۵ھ تحریر یافت۔“ اس اعتبار سے بلائی کے ”معراج نامہ“ کے تمام نسخوں کے ایچ پور کا نسخہ قدیم تر ہے۔ استاد محترم ڈاکٹر سید نعیم الدین صاحب نے ناگ پور یونیورسٹی جرنل کے ۱۹۴۳ء کے شمارے میں اس نسخے کا تعارف کرایا تھا اور ہو اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ وہی سید بلائی ہیں جن کا مزار ایچ پور کی جامع مسجد کے قریب والے قبرستان میں ہے۔ بلائی کے حالات زندگی تا حال معلوم نہ ہو سکے۔

بلائی کا معراج نامہ درج ذیل سرخیوں پر مشتمل ہے:

حمد و نعت، صفت براق و روانگی، اول آسمان، دوم آسمان، سوم آسمان، چہارم آسمان، پنجم آسمان، ششم آسمان، ہفتم آسمان، دوزخ، بہشت، قدرت باری تعالیٰ، مقام جبرئیل، عرش، باری تعالیٰ، سزائے یہودی کہ مجروح، معراج رادروغ نمودہ بود، خاتم۔

حمد و نعت کے بعد بلائی آ واقعہ معراج کی تفصیل بیان کرتے ہیں (یہاں سے تمام حوالے اب ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کے قلمی نسخہ نمبر ۶۸ سے دیے جائیں گے۔)

کہ ہجرت کی ان کی برس بارہ کوں	چلے تھے محمد ﷺ سو معراج کوں
خوشی سوں محمد کی معراج کوں	سنوار یا عرش اس شہ تاج سوں
خدا نے نبی کوں سو دیکھیں بدل	جتا عرش و کرسی بنایا سکل

(ورق ۲ب)

کھڑا تھا فرشتہ بڑے بار کا	حکم یوں ہوا اس کرن ہار کا
نبی کن چلیا جا ادھی رات ہے	بولا لیا نبی کوں سو کچھ بات ہے
چلیا جب فرشتہ ادھی رات لے	ہزاراں لکا لک ملک سات لے

(ورق ۳الف)

زبان کے کھردرے پن اور الفاظ کے دکنی تلفظ سے ہٹ کر بھی اگر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ بلائی

سے تاریخ معراج کے تعین میں زبردست سہو ہوا ہے۔ نعتیہ شاعری پر تحقیق کرنے والوں نے اس کی نشان دہی نہیں کی۔ دراصل معراج رسول ﷺ ہجرت کے ایک سال قبل کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کو ۱۲ سال ہو چکے تھے۔ بلائی نے یہاں ”ہجرت کے بارہ برس“ نظم کر دیا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ درست نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں لفظ ”بعثت“ ہوگا کاتبوں کی کرم فرمائی سے ”ہجرت“ ہو گیا ہو۔ مذکورہ بالا اشعار میں شعری تقاضے کے تحت ”عَرُش“ کو ”عَرُش“ اور ”حُكْم“ کو ”حُكْم“ باندھا گیا ہے۔

حضرت جبریلؑ حکم خداوندی سے آسمان سے زمین کی طرف نزول فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ اُم ہانی کے ہاں استراحت فرما رہے تھے۔ جبریل حجرہ مقدسہ پر حاضری دیتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ آپ ﷺ کو کس طرح بیدار کیا جائے۔ بالآخر جبریل آپ ﷺ کے پیروں کو بوسہ دیتے تھے۔ آپ ﷺ کی آنکھ کھل جاتی ہے اور آپ ﷺ جبریل سے آنے کی وجہ سے دریافت فرماتے ہیں۔ بلائی اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

سو جبریل آہستہ پک کوں لے کر	چوے جو انوکوں اٹھے جاگ کر
اکبہاں کھول دیکھے تو جبریل ہے	کیوں آیا اومی رات اس کوں کہے
جو کچھ حق کیا اسکوں فرمان تھا	بیاں وار وو سب بھی سوں کہا
خدا کا کرم ہے سو تجھ ذات پر	بولا تجھے ہے سو اللاک پر

خدا نے سو مجھ کوں درود و سلام	یو تھہ جو بھیجا ہمیشہ عدام
لکھے چلو شہ سو معراج کوں	کھڑیا یو براق کے ساج سوں

(س الف/ب)

بلائی اس کے بعد براق کی تعریف بیان کرنے لگتے ہیں۔ لفظ ”براق“ کا عربی صرف و نحو کے مطابق صحیح تلفظ ”براق“ ہی ہوتا ہے۔ شاعر نے اس کا صحیح تلفظ ہی اپنے معراج نامے میں استعمال کیا ہے۔ مجھے لفظ ”براق“ کا صحیح استعمال اور دیگر معراج ناموں میں نہیں ملا۔ لفظ ”براق“ اب اتنا مروج ہو گیا ہے کہ عربی داں حضرات بھی اسے انداز کرنے لگے ہیں۔ بلائی نے البتہ بحر و وزن کو بھانے کے لیے جہاں دیگر الفاظ میں کنز و بیونت سے کام لیا ہے وہاں لفظ براق کو صحیح تلفظ کے ساتھ باندھا ہے۔ براق کی تعریف بلائی دیگر شعرائے معراج نامے کی طرح ہی کرتے ہیں مثلاً:

مخطوطات میں بلاقی کے معراج نامہ کی ابتدا اناشعار سے ہوتی ہے:

کیا زین اس پر سو یاقوت کا کھڑا رہ ترارے بچہ حوت کا
(ترارے: چلبلا، تیز، ترار)

☆

جڑت کا پتا ہے سو اس نگ کا جھلکا ہے بجلی کی جھلکار کا
سروسار مرجان موتی جڑے جلد باد سوں و دسواگی اڑے
(انگی: پہلے، اوّل)

کہنے لال لیا کر کیا پیش بند؟ بھوت سانچہ گھوڑا دودھ میں بلند
(کہنے: کس نے)

رکاباں لگیاں ہیں سو میزان سیاں جھلکا ہے سورج چند سار کیاں
(سیاں، سار کیاں: کی طرح، کے جیسے)
سو سرکان کوں ہر جنس جو ہر جڑے اگر نگ ڈٹا دے تو بے حد اڑے
(ڈٹا دے: ڈانٹے، پھٹکارے)

☆

کہ ڈھنگ لگی اس ہرے پانچہ کی گے تھے بہتر جنس پارہی
(ورق ۳ ب)

بلاقی اور دیگر معراج ناموں کے شعرا کے یہاں براق کی اوصاف بیانی میں صرف عام روایات ہی کی پاسداری کی گئی ہے۔ احادیث سے انحراف شاید اس لیے کیا گیا ہوگا کہ اُن میں براق کے اوصاف میں تحریف انگیزی نہیں پائی جاتی۔ قربی براق کی اوصاف بیانی میں اس کا سراپا بھی بیان کرتے چلے جاتے ہیں:

مبا اوق کی پونچا نہیں گرد کوں فلک دل بندیا تھا اوی گرد سوں
اتھاموں اوے آدمی کی مثال اتھے کان ہاتھی کے گھوڑے کے ہال
اتھی اوس کی گردن شتر کے کفن اتھے اس کے سینے میں اشتر کے فن
تھے سم بیل کے حسن و خوبی میں طاق دو پر ان پر تھے جو چھپاتے ساق
جڑت کی تھی دیں اس پر بے مثال چھلکتے اتھے سورتیوں جب اجال

(بحوالہ سخاوت علی مرزا، معراج نامہ قربی، مسئولہ اردو کراچی، ۱۹۵۴ء)

غرض کہ ایسی صفات والے براق پر آپ ﷺ کو سوار کیا جاتا ہے اور بیت الحرم سے مسجد اقصیٰ کی جانب آپ ﷺ کا سفر شروع ہوتا ہے۔ بلائی نے مسجد اقصیٰ کے پتھر (چٹان) کے متعلق عجیب و غریب روایت نقل کی ہے:

دو پتھرے نے خفگی سو فرمان سوں	لگیا بولنے دو نبی ﷺ خاص کوں
کہ اس ٹھار پر میں رہیا آج لک	کہ دروازہ میں اس برس سات لک
برس سات لک میں سو اس ٹھار پر	رکھا نہیں قدم کوئی میرے اُپر
مبارک قدم توں رکھا مجھ اُپر	توں کرنا دعا یوں مرے حق اُپر
نبی ﷺ جوں دعا اس کرے حق اُپر	زمیں سے معلق رہیا دو پتھر

(۵ الف/ب)

اس پتھر کے متعلق تقریباً تمام معراج ناموں میں ذکر ہوا ہے۔ مختار اس پتھر کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

بزاں حق کی فرمان سوں او مہر	نبی ﷺ سوں کیا بولنے یک دیگر
ہوے برس ہفتاد اس ٹھار میں	پڑیاں ہوں میں مسجد کے دربار میں
نہ مجھ پو رکھا کوئی اپنا قدم	مبارک رکھا ہے توں اپنا قدم

(۳۹ الف)

(مختار: معراج نامہ (قلمی نمبر ۷۷) ادارۃ ادبیات اردو، حیدرآباد)

ضمیر کے یہاں مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ شاہ کمال کے معراج نامہ مجروحہ کتب خانہ سالار جنگ نمبر ۹۶۴ میں ورق ۲ ب کے بعد ۱۳ الف تو موجود ہے لیکن سلسلہ واقعات میں فصل دکھائی دیتی ہے۔ ہو سکتا ہے بچ کے اوراق گم ہو گئے ہوں اور جلد بندی اسی طرح کر دی گئی ہو۔ پس وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ کمال نے بھی مسجد اقصیٰ کے پتھر کے متعلق روایت نقل کی ہوگی۔ مروجہ میلاد ناموں میں البتہ اس طرح کی روایات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر سوئے فلک روانہ ہو جاتے ہیں۔ معراج ناموں میں اس سادی سفر کی روئداد نہایت ڈرامائی انداز میں ملتی ہے۔ حضرت جبریلؑ پہلے آسمان کے دروازے پر پہنچے ہیں اور دربان کو دروازہ کھولنے کا حکم دیتے

ہیں۔ بلائی اس واقعہ کی تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں:

کہ پہلے سما کے سو دروان کوں کہا کھول بیگی سوں دروازہ تو
(بیگی: جلدی)

سو دروان بولا کہ توں کون ہے سو آیا ادھی رات کیا کام ہے
کہا میں ہوں جبریل کچھ کام تھا تیا تھا زمیں پر سو فرمان تھا
بھی دروان بولا دوجا کون ہے سو محبوب حق کا نئی خاص ہے
(۶ الف)

پہلے آسمان پر حضور ﷺ کی ملاقات آدم سے ہوتی ہے۔ دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی۔ بلائی نے اس کی منظر کشی نہایت عمدگی سے کی ہے۔ اس واقعہ بیانی میں بلائی نے احادیث سے رجوع کیا ہے اور مروجہ روایتوں کو بھی جگہ دی ہے۔

جو دیکھے نبی ﷺ نے سو اس ٹھار پر بوڑھا مرد بیٹھا ہے آدم بشر
سو جبریل کوں پوچھے جب اس کا نام تیرا جد ہے آدم علیہ السلام
اگے ہو محمد ﷺ نے کیجے سلام کہ آدم نے بولے ملک السلام
(اگے: آگے بڑھ کر)

توں فرزند میرا سو بولے آدم کہ سارے نبیاں میں سو تجھ پر ختم
خدا کے نبیاں میں بزرگی تجھے توں اس ٹھار پر یاد کرنا مجھے
سو شیطان مجھ کوں دیا تھا دغا سو اس روز کا میں بہوت شرمندا
(دوق ۷ ب)

مندرجہ بالا چوتھے شعر ”توں فرزند... تجھ پر ختم کے معنی میں التباس پیدا ہو گیا ہے۔ یا تو چاہیے تھا کہ ”نبوت بچہ پر ختم ہو گئی ہے“ یا ”سارے نبیاں میں تو محترم ہے“۔ خیر! احادیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر ہوا ہے۔ بلائی نے اصل خیالات اسی سے اخذ کیے ہیں اور اپنے خلاق تخیل سے بھی کام لیا ہے۔

یہاں سے آپ ﷺ دوسرے آسمان پر جاتے ہیں۔ یہاں حضرت ادریس و یحییٰ علیہما السلام سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوتی ہے۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف سے اور چوتھے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ ﷺ ملتے ہیں۔ چوتھے آسمان پر جبریل حضور ﷺ سے عزرائیل

کا تعارف کراتے ہیں جو یا قوت کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ملک الموت حضور ﷺ سے یوں ہم کلام ہوتے ہیں:

ملک موت بولیا نبی ﷺ کے کئے دیا امر حج کوں یہ جبار نے
(کئے: کے پاس)

قبض روح کرتا بندیاں کا تمام جتے جیو دنیا میں خاص و عام
(جتے: جتنے)

کہ جیتے جناور ہیں دنیا منیں دیا امر حق نے مرے ہات میں
(جیتے: جتنے، زندہ)

کہ حق کا رضا اب ہوئے سات میں کروں قبض لک جیو یکبات میں
(لک: لاکھ)

(ورق ۹ ب)

ضروریات شعری کے تحت بلائی نے دوسرے شعر میں لفظ ”قبض“ کو بد وزن مرض باندھا ہے جب کہ چوتھے شعر میں ”قبض“ صحیح تلفظ کے ساتھ باندھا گیا ہے۔ یہاں سے آپ ﷺ پانچویں آسمان پر تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں آپ ﷺ کو ایک نہایت ہیبت ناک فرشتہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کے سراپا کی تصویر کشی بلائی نے اس طرح کی ہے:

فرشتیاں میں دیکھے فرشتہ بڑا کہ رہتا ہے اس ٹھار پر وہ کھڑا
تسے پاؤں اس کے زمیں سات میں اُپر سر سو اس کا فلک سات میں
بڑی ناک ہورموں بھی سر بھی بڑا نبی ﷺ کا دو کلمہ سو کہتا کھڑا

(ورق ۱۱، الف)

مختار نے اس ہیبت ناک فرشتے کو چوتھے آسمان پر مقیم بتایا ہے۔ مختار کا یہ فرشتہ ہیبت کدائی میں بالکل بلائی کے بیان کردہ فرشتے جیسا ہے۔ انداز بیان میں بھی کوئی زیادہ فرق دکھائی نہیں دیتا۔ مختار کہتے ہیں:

فرشتیاں میں دیکھے فرشتہ بلند کھڑا ہے او جوں کوہ الوند مند
اتھی پاؤں تحت الخری کے بحر سرا کا اتھا نہ فلک کے اوپر
پر اس پر پڑے پاؤں کی تک او سے ہر ایک تک اہلاں کے پردے سے

(تک: ناک)

فارسی ادب میں نہ فلک (نو آسمان) کی اصطلاح رائج ہے۔ شاید مختار نے اسی لیے نو آسمانوں کی بات کہی ہے۔ لیکن یہ ساری روایات غیر مصدقہ اور خیالی ہیں۔ احادیثِ رسول ﷺ میں واقعہ معراج کے احوال میں یہ سب کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ایسا لگتا ہے کہ تمام معراج نامے موضوع روایات اور من گھڑت واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ معراج کی تاریخ ساز حقیقت کو وضع کردہ اور غیر مصدقہ روایات کی پوٹ لگا کر پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ ایسی صداقت ہے کہ نہ ماننے پر بھی اس کی عظمت نہیں گھٹتی اور مان لینے سے اس کی شان میں بڑھوتری نہیں ہوتی۔ یہ ایسی سچائی ہے جس کی تصدیق جدید سائنس کرتی ہے۔ بہر کیف! پانچویں آسمان پر اس فرشتے کے علاوہ آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ہارون سے ہوتی ہے۔ لیکن ضمیر لکھنوی نے اثنا عشری عقائد کے تحت فلکِ ہختم پر حضرت علیؑ سے آپ ﷺ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

کہ اس آسمان پر بحسن قبول	علی کی زیارت کریں گے رسول ﷺ
یہاں عقلِ انساں کی حیران ہے	کہ دیکھو علی کی بھی کیا شان ہے
روا کب ہے کہنا علی کو خدا	مگر وہ خدا سے نہیں ہے جدا

عجائب میں تھے فرقِ خیر الانام	براقِ فلک سیرِ گرمِ خرام
اوشا اٹھ کے کیا دیکھتے ہیں نبی ﷺ	کہ یک جا کھڑے ہیں علی ولی
علی کا بھی ہونا ہوا جب نبوت	کیا خاتم الانبیاء نے سکوت

(ورق ۲۸ اور ۳۰ ب)

(ضمیر لکھنوی: معراج نامہ (قلمی ۹۶۰) سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد)

بلائی نے البتہ حضرت علیؑ کو عرش کے قریب شیر کی صورت میں بتایا ہے۔ یہ بھی اہل تشیع ہی کا عقیدہ ہے۔ حضرت علیؑ کو شیعہ ”شیرِ خدا“ یا ”اسد اللہ“ بھی کہتے ہیں۔ بلائی حضرت علیؑ کے متعلق یوں گوہر افشانی کرتے ہیں:

ندا یوں ہوا اے محمد ﷺ تمہیں	کہ اس باگ کوں تو پہچانیا نہیں
(باگ: شیر)	

اتھا باگ دیکھیا توں دنیا بھر	سو دو باگ حاضر ہیاں تھار پر
(بھر: اندر)	

تری باٹ پکڑیا تھا دنیا میں وہ منگتا تھا حاجت سو تیرے کئے
(ہاٹ: راستہ)

علی کوں رکھیا میں سو دو باگ کر کہ قوت دیوے تجھ کوں دنیا بھر
میچانے کاہت میں ہے انگشتی سو دو باگ پنچہ جو ہے حیدری
(میچانے: پہچان کے لیے) (ورق ۱۸ الف)

تمام معراج ناموں میں اس طرح کی روایات کی تکرار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شعرا نے عوام الناس میں رواج پائی ہوئی ان ضعیف و من گھڑت روایات کو بلا تحقیق اپنی تخلیقات میں شامل کر لیا ہے، جس کی وجہ سے ”معراج نامہ“ کی تقدیمی شاعری عقیدت کے غلو میں حقیقت سے دور ہوتی چلی گئی اور اساطیر کے دھندلکے میں واقعات مقدسہ کا سراج منیر مدہم اور ٹٹماتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ درآں حالے کہ معراج ایسی ٹھوس سچائی ہے کہ اسے ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

بلائی کی اس مثنوی میں دیگر معراج ناموں کی طرح جزوی سرخیاں لگائی گئی ہیں اور متعلقہ تمام واقعات اس کے اندر بیان کر دیے گئے ہیں۔ بلائی کا معراج نامہ درج ذیل سرخیوں میں بنا ہوا ہے۔ ”حمد و نعت... صفتِ براق و روانگی... اول آساں... دوم آساں... سوم آساں... چہارم آساں... پنجم آساں... ششم آساں... ہفتم آساں... دوزخ... بہشت... قدرت باری تعالیٰ... مقام جبریل... عرش باری تعالیٰ... سزائے یہودی کہ معراج را دروغ بگفتہ نمودہ بود... خاتمہ...

بلائی پانچویں آساں کے حالات بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ کو فلک ششم کی سمت محو پرواز بتاتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد جبریل آپ ﷺ کو ساتویں آساں پر لے جاتے ہیں۔ یہاں حضرت ابراہیم سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوتی ہے۔ دوزخ، جنت کے مشاہدے کے بعد آپ ﷺ سدرۃ المنتہی پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں جبریل کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اب آپ ﷺ اکیلے عرش معلیٰ کی طرف رفر ف کی سواری پر سفر کرتے ہیں۔ عرش معلیٰ پر پہنچنے کے بعد عبد و معبود میں راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ نماز کے تحفہ سے آپ کو سرفراز کیا جاتا ہے۔ شعرائے کرام نے اپنے خلاق تخیل سے عرش معلیٰ کی گفتگو کو بھی قلم بند کیا ہے، مثلاً بلائی کہتے ہیں:

محمد ﷺ نے بولے اے پروردگار کہ امت کو پاتا ہوں میں گنہ گار

کہ اب نے کہا اے نبی الختم
کیا کھاوے گا توں سو امت کا غم
(کیا: کتنا)

وہ فرزند آدم سو امت تری
تیرے سوچے تجلوں بھوت فکر ہے
گنہ ہوا مگر تو زمیں آسمان
امت تیری ہو کر گنہ یوں کرے
نہ کر فکر کچھ تو اے میرے نبی
وہ بندہ مرا کھائے نعمت مری
گنہ گار بندے مجھے شرم ہے
جو قل میں ادلوں میں بخشوں عیاں
مجھے شرم لگتی وہ بندے مرے
امت کہ گنہ میں تو بخشا سبھی
(ورق ۱۸ الف)

مختار نے عرشِ معلیٰ کے واقعہ کے یوں قلم بند کیا ہے:
عما آتیا تب یو فی الغور میں
نہ نطین کاڑو محمد ﷺ تمہیں
(کاڑو: نکالو)

اتا آؤ میرے حبیب اے حبیب
رہو ہو کر مجھ نور سوں عنقریب
(اتا: ادھر، ابھی)
محبت کا سہرا بندائے ہیں تب
مہمانی کا پردہ اچائے ہیں تب
(مہمانی: درمیان) (ورق ۱۵ الف)

کمال کے ”معراج نامہ“ میں راوی خود حضور ﷺ ہیں۔ اس لیے ہر جگہ حکلم واحد کا
صیغہ ”میں“ کا استعمال ہوا ہے۔ عرشِ معلیٰ پر عہد و معبود کی گفتگو اس طرح بند کی گئی ہے:

پس سنا میں یہ ندائے جاں فزا
جس کا یہ مضمون تھا اور مدا
جو تیرا پروردگار ذوالکرم
تجھ پہ کہتا ہے سلام محترم
من کے یہ آوام ہو کر سرفراز
میں کہا یہ عرض از روئے نیاز
ہو السلام الیہ یعود السلام
تبارکت ربی ذوالجلال والاكرام
پس ہوا مجھ کو خطاب ذوالجلال
یا نبی اللہ قل ہذا النقال
لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ

بعد اس قول جلیل القدر کو
میں زباں پہ اپنے لایا ہو پہ ہو
پس کہا دیکھا ترے رب کا عذاب
میں کہا اے داور عالی جناب

اب تیرے رحمت سے کرنا ہوں طلب اپنے اور اُمت سے تخفیفِ تعب
پس کہا حق یا جیبی یا رسول میں کیا سب خلق سے تجھ کو قبول

(ورق ۶ الف)

(کمال الدین کمال: معراج نامہ، قلمی ۳۲/۹۶۳، سالار جنگ)

آخرش جنت، دوزخ کی سیر کر کے آپ ﷺ زمین پر واپس تشریف لاتے ہیں۔ احوالِ بہشت و نار کے بیان میں تمام معراج ناموں میں احادیثِ نبویہ سے مطابقت پائی جاتی ہے یا ان کا لفظی ترجمہ۔ حالاں کہ یہاں بھی شعرا نے اپنے خلاق تخیل سے کام لیا ہے اور نادر تراکیب استعمال کر کے جنت کے بیان میں حسنِ آفرینی اور جہنم کے بیان میں وحشت و ہیبتِ ناکی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلائی دوزخ کی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں:

نہی ﷺ نے جو دیکھے سو ڈاویں طرف کہ جلتا تھا دوزخ سو باویں طرف

(ڈاویں، باویں: ہائیں)

بھرے سانپ بچھواں دوا جگر تمام گنہ گار روتے رہیں صبح و شام

(ورق ۱۳ الف)

حاتم کے جہنم میں جلتے لیکن سعادت کی جوہ سے تخفیفِ عذاب کا بیان بھی معراج ناموں میں ملتا ہے۔ ان معراج ناموں میں جنت کے حالات بڑے مؤثر اور دل کش انداز میں بیان ہوئے ہیں، مثلاً ضمیر لکھنوی جنت کی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں:

نظر آئی دیوار باغ بہشت طلا اور نقوی اک ایک خشت
عجائب صفائی عمارت تمام جہاں چشم خورشید جھپکے مدام
عریض اور طویل ایک موتی کا در خدا کا بنایا ہوا ہے وہ گھر
زمین زرد عسل سے با آب و نام ہزاروں پڑے ناقہ مشک تاب
نظر انہیں پہلے دو نہریں رواں صفائی میں جوں طبع روشن دلاں
کناروں پہ اونگے جواہر کے کام وہ فیروز قام اور وہ یاقوت قام

(ورق ۴۱ ب)

قربانی نے جنت کے حوروں کی تصویر کشی بڑی خوب صورتی سے کی ہے:

وہ ڈیریاں میں حوراں تھے جوں آفتاب جھلکتا تھا اوں سنی سورتاب

(اول سنی: ان سے)

وہ آواز دل کش سوں گاتے تھے بھی ہر یک یکس کوں سراتے تھے
(سراتے: سرجاتے)

وہ نعمات دل کش سوں آتا صدا گل اور جھاڑیاں ستی خوش صدا
لیا تھا او رخسار سوں ماہتاب اتھا روشنی میں نخل آفتاب
اتھے بے نہایت سیاہ ان کے بال دیا جائے نا اون کو شب کا مثال
(بحوالہ: سخاوت مرزا: معراج نامہ، قربی، اردو کراچی، ۱۹۵۴ء)

نعتیہ شاعری پر تحقیقی مقالات جو پاکستان میں لکھے گئے ہیں وہ میری نظروں سے نہیں گزرے، اس لیے دثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ قربی کے معراج نامے کا ان میں ذکر ہوا بھی یا نہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کی مبسوط کتاب ”تاریخ ادب اردو“ جلد اول میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ محترم پروفیسر رفیع الدین اشفاق کے تحقیقی مقالے ”اردو میں نعتیہ شاعری“ (۱۹۵۵ء) جو غالباً نعتیہ شاعری پر پہلا تحقیقی مقالہ ہے، میں بھی قربی کا ذکر نہیں۔ ڈاکٹر اسٹیل آزاد فتح پوری کے مقالے کا دکنی حصہ تو رفیع الدین صاحب کے مقالے کا حصہ ہی ہے۔ اس میں بھی قربی کا کہیں ذکر نہیں۔ البتہ حضرت طلحہ رضوی برقی کی کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں قربی کے معراج نامہ کا ذکر ہوا ہے۔ برقی صاحب نے قربی کے معراج نامے کے دو اشعار ہی پیش کیے ہیں ساتھ ہی انھوں نے نو معراج ناموں کی بھی نشان دہی کی ہے، جن کا تاحال شاید کسی بھی تحقیقی مقالے میں احاطہ نہیں ہو سکا۔ معراج ناموں پر کام کرنے والوں کے لیے طلحہ رضوی برقی کی یہ مختصر سی کتاب نہایت کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ راقم نے اپنے تحقیقی مقالے ”اردو شاعری میں مذہبی رجحانات“ (۱۹۸۵ء) میں اٹھارہ معراج ناموں کا تذکرہ کیا تھا۔ اس مضمون میں برسیل تذکرہ ان میں سے چند کے حوالے دیے گئے ہیں۔ ”نعت رنگ“ کے آئندہ شماروں میں ان شاء اللہ ہر ایک پر تفصیلی مضمون لکھا جائے گا۔

بالآخر حضرت محمد ﷺ معراج سے تشریف لاتے ہیں تو آپ ﷺ کے اس اعلان پر چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ صدیق اکبر آپ ﷺ کی ایک بات کو صدق دل سے مان لیتے ہیں، لیکن دشمنان اسلام کو آپ ﷺ کی استہزا اور ٹھٹھا اڑانے کا اچھا موقع مل جاتا ہے۔ چنانچہ مشرکین مکہ ابو جہل، ابولہب اور دیگر سرداران قریش معراج نبوی کا نہ صرف یہ کہ انکار کرتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کو نعوذ باللہ کا ذب، مجنوں وغیرہ کہنے لگتے ہیں۔ سفر کی نشانیاں اور دلیلیں مانگتے ہیں۔ صحیحین میں

آپ ﷺ کا دلیلیں دینا اور سفر کی نشانیاں بتانا ثابت ہے۔ لیکن بعض غیر مصدقہ روایات بھی اس ضمن میں معراج ناموں میں در آئی ہیں۔ ان کا احادیثِ نبویہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ایسی روایات ہیں جنہیں سن کر راسخ العقیدہ مسلمان کا ایمان حززل ہو سکتا ہے۔ مگر معراج کی ایک ایسی ہی روایت مجھے اکثر ناموں میں ملی ہے۔ اس روایت کو سب سے پہلے بلائی نے اپنے معراج نامے میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ واقعہ اس طرح نظم کیا گیا ہے کہ:

جتنی خلق سن کر امنا کہی سچی بات ہے مگر گواہی دہی
یہودی مگر اس میں بیٹھا تھا اہلس کے غروری میں اینٹھا تھا
یہ سمجھیا اُنے یو سانچہ کر چلہا تھا وہاں سو کفر دل میں دھر
سو یو بات جھوٹی اہلس دل میں جان برس پانچ سو راہ ہے آسمان

(۱۹۔ الف)

آخر دل میں کفر لے کر وہ یہودی جب گھر گیا تو کھانا پکانے کے لیے بیوی کو پھلی لا کر دی اور خود دریا میں نہانے چلا گیا۔ جیسے ہی اس نے پانی میں غوطہ لگایا، مرد سے عورت میں تبدیلی ہو گیا۔ ایک دوسرے مرد نے جب اسے دریا کنارے اکیلا دیکھا تو اپنے گھر لے گیا۔ اور بارہ برس تک ان کے درمیان زن و شو کا رشتہ رہا جس سے اس عورت کو سات لڑکے ہوئے۔ ایک بار وہ عورت نہانے کے لیے دریا پر آئی اور پانی میں جیسے ہی غوطہ لگایا اپنی اصلی حالت پر آ گئی۔ یعنی مرد بن گئی۔ دریا سے گھر لوٹتا ہے تو وہ یہودی کیا دیکھتا ہے کہ عورت پھلی دھو رہی ہے اور شوہر کا انتظار کر رہی ہے۔ یہودی نے جب یہ ماجرا دیکھا تو تائب ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اسلام قبول کر لیا۔ اس واقعہ کو بلائی نے شعری محاسن کے ساتھ اس انداز میں بیان کیا ہے کہ عشق و عاشقی کے قصوں کا سالف آ جاتا ہے۔ اس واقعہ کو ضمیر لکھنوی نے بھی پیش کیا ہے اور میلاد خوانی میں اکثر اسے قصے کو پڑھا جاتا ہے۔

واقعہ معراج نبی پاک ﷺ کی حیات طیبہ کا نہایت اہم واقعہ ہے اور اسلامی تاریخ میں اس کی حیثیت مسلم ہے۔ اس واقعہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے عقلی و نظری دلائل کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر بھی قدیم شعرا نے اپنی فراست و عقیدت سے ایسی من گھڑت روایتیں نقل کر ڈالی ہیں جن کا بہ ایمان و عقیدے سے کوئی تعلق ہے نہ اسلامی تاریخ سے کوئی واسطہ بلکہ ایسی روایتوں سے تو معترضین کو اعتراض کا موقع مل جاتا ہے۔ میں قارئین ”نعت رنگ“ کا اور علمائے کرام

دین مبین کے سامنے عجز و انکسار کے ساتھ یہ بات رکھ رہا ہوں کہ ٹھیک اسی طرح کی روایت برادرانہ وطن ہند کے یہاں کرشن جی کو برہم چاری (مجرد) نہ ماننے والے کے متعلق بھی صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ کرشن جی کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی ۱۶ ہزار گویاں (معشوقائیں) تھیں۔ ان کے درمیان رہ کر بھی کرشن جی مجرد رہے یہ اُس قوم کا عقیدہ ہے۔ لیکن کرشن جی کے تجرد کو ایک آدمی نہیں مانتا تھا۔ چنانچہ ایک دن اپنی بیوی کو کھانا پکانے کا کہہ کر وہ جہنا میں نہانے کے لیے چلا گیا۔ پانی میں جیسے ہی غوطہ لگایا تو وہ مرد سے عورت میں تبدیل ہو گیا۔ کنارے پر ایک سادھو ریاضت کر رہا تھا اس نے جب جہنا کنارے اکیلی عورت کو دیکھا تو اپنی کنٹیا میں لے آیا۔ سادھو سے اس عورت کو ۱۰۱ بچے ہوئے۔ ایک دن وہ عورت دریا پر نہانے گئی تو اپنی اصل حالت میں آگئی۔ وہ شخص جب گھر گیا تو عورت کو انتظار کرتا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر وہ مذکر کرشن جی کی مجردانہ زندگی کا قائل ہو گیا اور توبہ کر لی۔ بتائیے اب ان دونوں واقعات میں مقدم و مؤخر کے علاوہ وہ بھی کچھ فرق ہے؟ میں نے اردو شاعری میں شامل التبی ("نعت رنگ" شمارہ نمبر ۹) میں "باز و فاختہ" کی ایک ایسی ہی روایت کو پیش کیا تھا جو مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں چلی آرہی ہے۔

معراج کے واقعہ سے اس روایت کو اس لیے بھی جوڑا نہیں جاسکتا کہ اس میں کعبہ اللہ میں بیٹھ کر واقعہ معراج سنانے کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ سن کر یہودی دریا پر نہانے کے لیے جاتا ہے جب کہ مکہ کے قرب و جوار میں کوئی دریا ہے ہی نہیں۔ اس واقعہ کی شعری تاثیر کے پیش نظر دیا شکر قسیم نے اپنی شرعہ آفاق مثنوی "گلزار نسیم" میں اس روایت کو تاج الملوک سے جوڑ دیا ہے جو اس مثنوی کا خیالی کردار ہے۔ تاج الملوک صحرائے نسیم میں گھومتے گھومتے ایک حوض میں غوطہ زن ہوتا ہے اور عورت بن جاتا ہے۔ برے دن اس پر پھر لوٹ آتے ہیں۔ تاج الملوک کے عورت بن جانے کے واقعہ کو قسیم نے یوں نظم کیا ہے:

نامردی سے اپنی نعرہ زن ہو	بے چاری چلی کسی طرف کو
آگے سے جوان ایک خوش قد	آتا تھا، دنوں کی جیسے آمد
باہم زن و مرد نے کیا میل	دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
بارے جو پڑی گھر اس کی بے قید	امید سے رہ گئی وہ نومید
جب جن کے نہانے کا دن آیا	غوطہ کسی حوض میں لگایا

ابھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
 مردی نے جو پھر وجود پایا پستانوں کو بے نمود پایا
 ترکش پہ نگاہ کی، تو تھا حیر قبضے میں پھر آئی کھوئی شمشیر
 (دیا فکرنسیم) (مرتبہ رشید حسن خاں)، مثنوی گلزار نسیم، دہلی ۹۲ء، ص ۵۲)

یہ ایک ہی روایت تین طرح سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ کرشن کے تعلق سے یہ روایت سنسکرت اور دیگر دوسری جدید ہندوستانی زبانوں کے مذہبی ادب میں پائی جاتی ہے۔ مراٹھی زبان کے مشہور مسلم صوفی شاعر شیخ محمد (م ۱۶۵۰ء) نے ”یوگ سنگرام“ میں کرشن کے متعلق اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے۔ بہر حال! غیر مصدقہ اور من گھڑت روایتوں کو آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے جوڑنے کا عمل نہایت غیر مسعود اور کریہہ ہے۔ اللہ اس سے ہماری حفاظت فرمائے کہ ان روایتوں سے ایمان میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوتا البتہ اسلام جیسا فطری دین غیر فطری اور روایتی دکھائی دینے لگتا ہے۔

واقعہ معراج پر بلاقی کا یہ معراج نامہ اولین تخلیق ہے۔ بلاقی نے اس فارسی معراج ناموں کی روشنی میں لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کسی فارسی معراج نامہ کا ترجمہ ہو اور بلاقی نے بعض ضعیف اور مقامی روایات اس میں شامل کر لی ہوں۔ شاہ کمال نے اپنے معراج نامے میں بلاقی کی اس کم زوری کو واضح کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

نامہ معراج در ہندی زباں جو بلاقی نے کیا تالیف آں
 تھے روایت اوس میں شاید غلط ہم صحیح و ہم ضعیف و ہم غلط
 لاجرم و طبع موزون بلند نامہ مذکور بحسب آیا پسند

(ورق ۲ ب)

بہر کیف! بلاقی کے معراج نامے کے مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر ایک عمدہ نسخہ ایڈٹ کیا جائے تو نعتیہ شاعری میں ایک اہم اضافہ ہوگا اور معراج ناموں کی روایت کی پہلی کڑی ہمارے ہاتھ میں رہے گی۔ وما توفیقی الا باللہ



اصنافِ سخن کا تنوع اور نعت

اصنافِ سخن جہانِ سخن کے وہ منور گوشے ہیں جہاں روشنی کی مختلف النوع کھکشاہیں جگمگاتی ہیں۔ ہر گوشہ نور کا اپنا سرور ہے۔ زندگی جس کے وجود سے تابندگی پاتی ہے۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ کائناتِ سخن بلکہ یہ ساری کائنات دراصل حضور اکرم ﷺ کی نعت ہے۔ جسے خود احسن الخلقین نے تخلیق فرما کر اس میں ”ورطنا لک ذکرک“ کا جادواں علم لہرا دیا ہے۔ ازل اور ابد کی بے کراں وسعتوں پر محیط رنگِ نعتِ خودِ آواز کا راز، سر بلند لمحے کا آغاز، کامرانی کا ہراز، دل حزیں کا دمساز اور قبولیت کا اعزاز بن کر زیت کو منزل نصیب بناتا ہے۔ دانائے راز نے بھی درحقیقت اسی صداقت کو زبان دی تھی۔ جب کہا تھا:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا قبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو غم بھی نہ ہوں
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہِ اطلاق کا استاد اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپشِ آمادہ اسی نام سے ہے

ہماری یہ دنیا اور اس کی تمام رعنائیاں محبوبِ ﷺ خدا و کائنات کی تشریف آوری کا صدقہ بھی ہیں اور آپ ﷺ کی عظمتوں بھری نعتیں بھی!...

چمن میں سب سے کلفتہ جو پھول ہوتا ہے
شاہِ صدقہ پائے کائنات رسولِ ﷺ ہوتا ہے
(عدم)

سو میں یہ سمجھتا ہوں تخلیق کائنات کی ساعت تخلیق نعت کی بشارت سے حیرن تھی جس کی خوش بو اور روشنی تا ابد معطر و منور گھڑیوں کی ضامن رہے گی۔ اس لیے کائنات کی ہر شے کی طرح تخلیقی ادب کا ہر شہ پارہ نعتیہ ادب کا صدقہ جاریہ ہے۔

بیہودہ اور ناروا تحریروں کو میں ادب نہیں بے ادبی سمجھتا ہوں اور ادب کا بے ادبی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

”لسان العرب“ میں ادب کے لغوی معنی دعوت/ بلانا کے ہیں۔ سو وہ لٹریچر جس سے ادیب متادب ہوتا ہے اس کو ادب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اچھائیوں کی طرف بلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ ”الحیظ“ میں ”الادب“ کے معنی لطافتِ طبع اور خوش اطواری کے ہیں۔ ان دونوں حوالوں سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ادب کا تعلق بے ادب، کثیف اور بے ہودہ تحریروں سے ہرگز نہیں بلکہ ادبی تخلیقات کے زمرے میں صرف وہی تحریروں آسکتی ہیں۔ جو لطافت، صداقت اور راست فکر استقامت سے عبارت ہوں گی۔ اور ایسی تحریروں چاہے ان کا تعلق کسی بھی صنفِ سخن سے ہو، ایک تقدیس بھری مہک سے معمور ہوں گی۔ وہی عالم آرامہ کار جس کا نکھار حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن زہیر کے عقیدت مند لفظوں کا وقار بنتا ہے۔ کیوں کہ نعت درحقیقت پلنگوں پر پلگوں سے دستک دینے کا عمل ہے!

یہی عمل خیر اہل شعر کے لیے باعثِ فلاح و نجات بھی ثابت ہوا کہ جب ”سورۃ الشعراء“ کی آیاتِ عظیمہ میں شاعروں کو قول و فعل میں تضاد رکھنے والا اور ان کی پیروی کرنے والوں کو گم راہ قرار دیا گیا تو حضرت کعب بن مالک روتے ہوئے دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ! ہم تو مارے گئے۔ ہماری نجات کی کوئی سبیل نہیں۔“

جب سورہ مبارکہ کی تفسیلی آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا:

بجز ان (شعراء) کے جو ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور وہ کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

اس طرح جملہ اصنافِ سخن میں سے نعت ہی تھی جس نے وابستگانِ سخن کو تباہی سے بچا لیا۔ ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی نے شاید اسی لیے نعت کوئی کولفٹوں کے ذریعے جہاد قرار دے دیا...!

نعت... عربی کے بعد فارسی اور پھر اردو میں آئی ہے شعرائے کرام و کئی دور سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ گو لکنئہ اور بچاپور کے فرماں روا ربیع الاول کی تقریبات بڑے اہتمام سے

منعقد کرتے تھے۔ دلی مرکز اردو بنا تو نعت کے اسالیب میں نکھار پیدا ہوا۔ میر تقی نے کہا:

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسنِ قبول کا

دیواں میں شعر گر نہیں نعتِ رسول ﷺ کا

تب سے اب تک اور ابد تک دیوانِ شاعر نعتِ محبوب ﷺ کے سدا بہار

پھول کی مہک سے سرشار ہے اور رہے گا۔

ایک عالم گیر سچائی یہ بھی ہے کہ نعت گوئی صرف شاعری تک ہی محدود نہیں بلکہ نثر میں بھی اس کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ شبلی کی تحریر ”ظہور قدسی“ اور خواجہ حسن نظامی کی نثری تخلیقات کے علاوہ بے شمار ایسے دل نواز نثر پاروں موجود ہیں جو ماہِ طیبہ کی چاندنی سے دکتے ہیں۔ فروغِ نعت کی سسی مشکور میں راجا رشید محمود نے ماہنامہ ”نعت“ اور صبیحِ رحمانی نے ”نعت رنگ“ کے ذریعے باقاعدہ جرائد کا آغاز کر کے غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے وہ چراغِ روشن کیے ہیں جن سے بے شمار نئے چراغِ جل رہے ہیں۔ ”شام و سحر“ اور ”آؤج“ کے نعت نمبر بھی اس خوشِ مقدر ہراول دستے میں نمایاں ہیں۔

ان ابتدائی مگر بے حد ضروری معروضات کے بعد اب ہم تحریر کے موضوع ”امنافِ سخن کا تنوع اور نعت“ کی طرف براہِ راست آتے ہیں۔

اردو شاعری پر جب ہم غائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ صداقت آشکارا ہوتی ہے کہ ہر صنفِ سخن چاہے وہ موضوعاتی ہو یا بھکتی۔ نعت سرور ﷺ کائنات کی ضیا باریوں سے مالا مال ہے... گویا ہر صنفِ سخن کی حیاتِ آقائے ﷺ کائنات کے عشق سے ثبات حاصل کرتی ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔

حمد

حمدِ تبرک و مقدس صنفِ سخن ہے جو خالقِ زمان و مکاں کی بے مثال عظمتوں کو سلام پیش کرتی ہے۔ جس میں بندہ اپنے مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ بھرے لفظوں کے نذرانے پیش کرتا ہے۔ اس صنفِ سخن میں ربِّ رحیم کی عظیمِ رحمتوں کے علاوہ کسی اور کا ذکر نہیں ہو سکتا لیکن دیکھئے کہ اہل فکر و عقیدت نے کس خوشِ اسلوبی سے محبوبِ ربِّ کریم کا تذکرہ کیا ہے کہ حمد کے تقاضے بھی پورے ہوئے اور دل کی عقیدت بھری بات بھی عطر بیز ہو گئی۔

تیرا ترے فرشتوں کا ہو کر میں ہم نوا
سمجھوں درود صبح و مسا رب ذوالجلال

نعت محبوب ﷺ سنت الہی بھی ہے اور فرشتوں کا درود شام و سحر بھی درود سلام کی محفلیں
عرش کی زینت بنتی ہیں تو زمانہ ایک پر کیف و جدان سے سرور ہوا تھا ہے۔ یہ وہ آرزو ہے جس
کی خوش بو سے ابدی زندگی نمود پاتی ہے وہ عشق رسول ﷺ کی بھی اعلیٰ ترین جہت ہے جو راہوں کو
منزلوں سے ملا دینے کی سعادت سے بہرہ ور ہے۔ اسی کے یقین بھری تمنا کا اظہار مظفر وارثی نے
یوں کیا:

تجھ پر بھی ہم فدا ہوں، تیرے نبی ﷺ کو چاہیں
قرآن ہماری منزل سقت ہماری راہیں

لا ریب بھی وہ راہیں ہیں جہاں راتیں دنوں میں تبدیل ہوتی ہیں۔ خزاؤں کو بہاروں
سے مات کھانا پڑتی ہے اور صدیوں کے پیاسوں کو آب حیات کے چشموں کا سراغ مل جاتا ہے۔
سراغ بھی ایک چراغ ہوتا ہے جو آنکھوں میں نور اور دلوں میں وہ سرور بھر دیتا ہے کہ بصارتیں
بصیرتوں کی بشارتوں سے چمک اٹھتی ہیں۔ ہاں مگر یہ سب خوش بختیاں صرف اسی در سے ملتی ہیں
دعاؤں کے سب پرندے جس طرف اڑتے ہیں۔

مرے کریم! مری یہ دعا بھی ہو مقبول
رسول پاک کے در کی مجھے گدائی دے
(انجم نقوی)

آفات زماں کی ہر الجھن ہو دور اسی کی برکت سے
تاعمر شہنشاہ ﷺ دیں کا انور ہو شاخاں یا اللہ
(انور صابری)

یوں قلب کو آئینہ بنا دے	روشن ہو جمال مصطفیٰ سے
دل محو جمال کبریا ﷺ ہو	لب پہ مرے ورد نعت کا ہو
آنکھوں کو عطا ہو درفشانی	حافظ رہے محو نعت خوانی

(حافظ لدھیانوی)

آفات زمان و مکاں کا دفعیہ عمر بھر کا قضیہ ہے مگر اہل صدق و صفا جانتے اور مانتے

ہیں کہ آقائے تابعدار، کون مکاں کے تاجدار حضور مکرم ﷺ کا اسم پاک وردِ زباں اور آپ ﷺ کا عشق و کیفِ قلب و جان رہے تو الجھن سلجھتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ اور کامرائوں اور شادمانوں کی سویرِ طلوع ہو کر رہتی ہے شبِ سیاہ میں سہانی فجر کا یہ پر نور اجر صرف آئینہ صفت لوگوں ہی کو عطا ہوتا ہے جن کے لبوں پر نعت اور دلوں میں بحال کبریا ﷺ سے وابستگی کی صفات ہوں ایسے بے شمار اشعار کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر موضوع کا تنوع اور وقت کا فقدان متقاضی ہیں کہ ہر صنفِ سخن میں سے چند مثالوں پر اکتفا کیا جائے۔ سواب ہم آگے بڑھتے ہیں۔ اور بڑھتے ہی چلے جائیں گے کہ بقول ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی:

”حضور ﷺ کے ذکر کے لیے کوئی صنفِ اجنبی نہیں“

قصیدہ

ایک زمانہ تھا کہ دورِ قصیدہ گوئی کہلانے کا بجا طور پر سزاوار تھا۔ بہت عرصہ تک قصیدہ کا ڈنکا بجتا رہا۔ شاہوں، نوابوں، رئیسوں اور بڑے لوگوں کے قصیدے سرِ دربار پڑھے جاتے اور باعثِ اعزاز و انعام و اکرام قرار پاتے رہے۔ اب بھی اگرچہ نظم و غزل کا دور ہے تاہم قصیدہ کا وجود اپنی مسود سے باخبر نہیں ہے۔ مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عہدِ قصیدہ گوئی میں بھی شعراء کرام نے آقائے ﷺ کائنات کے حضور عقیدتیں پیش کرتے ہوئے قلم کی جولائیاں دکھائی ہیں۔ محسن کا کوروی کا ”چراغِ کعبہ“ اس ضمن میں نہایت عمدہ مثال ہے۔ امیر مینائی کا رنگِ سخن بھی دیکھیے۔

اللہ نے دیا ہے یہ اس کو بحال پاک

سنبلِ فدا ہے زلف پہ رخ پر ثارِ پھول

اللہ کی دین یہ ہے کہ باتیں ہیں معجزہ

ہوتے ہیں ایک خنچے سے پیدا ہزارِ پھول

وہ چہرہ وہ دہن کہ فدا جس پہ کیجیے

ستر (۷۰) ہزار خنچے، بہتر (۷۲) بہتر ہزارِ پھول

خنچے اور پھول آقا ﷺ کے قدمِ مسنت لڑوں کی دھول ہیں۔ خاکِ مدینہ کے ہر ذرہ

میں بہاروں کا عطر ہے۔ یہ وہ ارضِ پاک ہے کہ جو حضور ﷺ کے نعلین پاک چوم کر اس قدر بلند

مرتب ہو گئی ہے کہ جنید و بایزید جیسی عظیم شخصیتوں کے سانسِ گرم ہونے لگے اور عاشق صادق نے

وہاں قدم رکھ کے چلنے کو بھی توہینِ آدابِ عشق قرار دیا۔ عشق و صدق کے انھی عظیم جذبوں میں کھلتے گلابوں کو لفظوں کے روپ میں یزدانی جالندھری کے ہاں بھی دیکھیے:

ہے آہنگِ حدیث سرور کو نینِ یزدانی اگرچہ میں نہ عرفی ہوں نہ خاقانی نہ قاضی
کہاں میں اور کہاں وہ ذات بے ہمتا و لامانی فصاحت کعبہ کی حاصل نہ لہجہ میرا حسانی
نہ ہے کچھ اذعائے فن نہ دھوئی سخن دانی بس اک طبعِ رسا ہے وہ بھی ان کی لطفِ ارزانی
تعالی اللہ خورشیدِ ہدایت کی درخشانی تعالی اللہ انوارِ صداقت کی فراوانی
وہ جو ہر الدنیا بھی ہے وہ جو شمسِ انصاف بھی ہے فروغِ عالم امکاں ہے جس کا عطرِ پیشانی
وہ جس کی تابشِ رخ سے ہوئی صبحِ ازل روشن وہ جس کے نور سے شامِ ادب کی ہے درخشانی
خدا کے بعد اس کی ذات سب سے افضل و برتر دو عالم میں نہیں اس کا مثل و ہمسر و ثانی
سلامی کے لیے اے خامہِ مدحت رقمِ خم ہو کہ آتے ہیں حبیبِ ﷺ کبریا، محبوبِ صمدانی

مثنوی

دکن کی ادبی فضا میں اردو کو مثنوی سے آراستہ کیا گیا۔ اور یوں مثنوی اس نوزائیدہ زبان میں اولیت کی اہمیت سے آشنا ہوئی۔ اس صنفِ سخن میں عشق و محبت کے جذبات، تاریخی واقعات، مدح و ذم جیسے ہر قسم کے مضامین کو بیان کیا گیا۔ اشعار زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم مربوط ہونے کی بنا پر دل کشی کی صفت سے معمور ہوتے ہیں۔ مثنوی میں رنگِ سودا دیکھیے جو عشقِ نبی ﷺ سے معطر ہے۔

محمد ﷺ	باعتِ ایجادِ افلاک	محمد ﷺ	علوِ عاقیِ اَملاک
محمد ﷺ	کعبہ کُترا کی گواہی	محمد ﷺ	عالمِ علمِ الہی
محمد ﷺ	ہے شیرِ عالمِ غیب	محمد ﷺ	رازدارِ حق ہے لاریب
محمد ﷺ	جگ میں سالارِ رسل ہے	محمد ﷺ	ماہرِ ہر جزوِ کل ہے
کہوں کیا خلقتِ انسان میں کیا ہے	شرفِ آدم کو فخرِ انبیا ہے		

ابنِ آدم اور آدمیت کا افتخار تو حضورِ اکرم ﷺ سے والہانہ وابستگی کا ثمرِ شیریں ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو بشر کو عظمتِ بشر سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہی وہ نسبت ہے جو خود سے منسوب ہر شے کو کائنات کا محبوب بنا دیتی ہے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ نسبتیں بڑی لُج پال ہوتی ہیں خود

سے وابستہ لہجوں اور منظروں اور لوگوں کو مرنے نہیں دیتیں، امر کر دیتی ہیں۔ محبوب ﷺ سے منسوب ہو کر اس جہانِ قافی کے مکین آئندہ زمانوں کی جبین پر نقشِ دوام کی طرح چمک اٹھے۔ یہ چمک دمک اس لازوال آب و تاب والے جذبہٴ عشق کی ہے جو پر خطا انسان کو عشق کی کنکالی میں ڈھال کر کندن بنا دیتا ہے۔ یہی وہ ربط ہے جس میں مربوط قلبی رابطے عشقِ صادق کے ضابطے میں ڈھل کر اس عظیم واسطے سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ جس کے توسط سے خاک نشینوں کو سرمدی خزینوں کے سراغ نصیب ہوتے ہیں اور ان کا نصیب کھل جاتا ہے۔ دیکھیے تو کیسے کیسے خوش بخت ہیں کہ جو سچے حرفوں کی حمیک سے دامن بھرے کہہ رہے ہیں۔

بہترین ذکر و اطاعت اے پسر ہے نبی ﷺ کا ذکر ہر شام و صبح
 علوی و سفلی ہیں اس کے ذکر میں جزوی و کلی ہیں اس کے ذکر میں
 انبیا کو درو تھا نت اس کا یاد ذکر سے پاتے تھے اس کے سو کشاد
 دیکھ کے اس کے مقاموں کو رسل کرتے تھے درخواست از خلاق کل
 کر تو ہم کو اے خدائے مہرباں انت خیر آخرِ زمان
 (مولانا محمد باقر آگاہ دلیوری)

یہ تھی رمز جو اس کے سایہ نہ تھا کہ رنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا
 وہ قد اس لیے تھا، نہ سایہ گلن کہ تھا گل وہ اک مجوے کا بدن
 بنا اس کے سایہ لطیف اس قدر نہ آیا لطافت کے باعث نظر
 وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر قدم اس کے سایہ کا تھا عرش پر
 نہ ہونے کی سائے کے اک وجہ اور مجھے خوب سوچھی یہ ہے شرطِ غور
 جہاں تک کے تھے یاں کے الٰہی نظر سمجھ مایہ نور کل البصر
 سمجھوں نے لیا چلیوں پر اٹھا زمیں پر نہ سائے کو گرنے نہ دیا
 سیاحی کی پتلی کا ہے یہ سب وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
 نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا ملائک کے دل میں سایا رہا
 (مثنوی سحرالبیان/ میر حسن)

جن و انسان کا وہ رہبر ہے بے شک و شبہ وہ خیر ہے
 واسطے ان کے اور طفیلِ رسول یہ دعا ہے کلیم کر تو قول

باب رحمت کو مجھ پہ کچھ وا فعل بد کی نہ دیجو مجھ کو سزا
جان اور دل سے ہوں میں ان کا غلام آگ دوزخ کی مجھ پہ کچھ حرام
(مسدس رنگین/ سعادت یار خاں رنگین دہلوی)

کیا عقل کل سے فلک نے سوال کہ اے مصدر گو نہ گو نہ کمال
محمد ﷺ کے سایہ نہیں، کیا سبب کہا اس نے مت پوچھ اس کا سبب
نہیں راز یہ قابل اظہار کے کہ اصرار ہیں حفظ اسرار کے
ہوا جب کہ مہر ہدایت ضرور کہ ہو جلوہ فرما زمیں پر وہ نور
گوارہ نہ تھا بس کہ ہو تا جدا رہا سایہ حاضر حضور خدا
(حکیم مومن خان مومن)

رہ قدم تھا جناب والا اعلیٰ سے تھا جو مقام اعلیٰ
دل کی تک و دو حرم سے آگے سر چار قدم قدم سے آگے
چمکا ہوا ایمن تحلی پھیلا ہوا دامن تحلی
ٹکلی ہوئی ہمتوں کی جانیں اتری ہوئی چلے سے کمانیں
تاثیر دعا کے وہ سے محروم کوشش شرف اثر سے محروم
انساں کی واں تھی کب رسائی آنکھوں میں کشش بھا کے لائی
وہ مردم چشم دین و ایماں کل الہم وجوب و امکاں
پہنچا وہ وہاں، جہاں نہ پہنچے جبریل کے عقل کے فرشتے
نزدیک خدا حضور ﷺ پہنچے اللہ اللہ دور پہنچے
(محسن کاکوروی)

تم اگر چشم لطف وا کر دو مس کو چاہو تو کیا کر دو
حق نے بخشی ہے تم کو وہ تاثیر خاک چھو جائے تم سے ہو اکسیر
آہن حیرہ وہ جلا جائے آفتاب اس کے سامنے شرمائے
(مولوی نذیر احمد دہلوی)

خیر و سرور حجازی پہلا اللہ کا وہ قازی
حق کی توحید کا مبلغ محو طاعت پہ قلب فارغ

سرکش عریوں کا سر جھکایا حیوانوں کو آدمی بتایا
 قائم کیا رشتہ مواخات برتاؤ میں شیوہ مساوات
 مصلح سرمایہ داریوں کا حامی محنت شعاروں کا
 وہ ماہ تمام چاہو نقشہ جس کا غار حرا تھا مکتب

(معنی لکھنوی)

ہو چکے جب عہد اور معبود میں راز و نیاز ہو گئی انسانیت روحانیت سے سرفراز
 لوٹ آئے جانب دنیا رسول پیکھے کائنات پیکر مردہ جیسے عود کر آئے حیات
 محفلِ انساں میں پھر انسان کا مل آگیا قالب کونین میں کونین کا دل آگیا
 عرشِ مالی طرف انساں کے نہ قابل نہ ہوسکا آسماں ہار نبوت کا نہ حال ہو سکا
 جلوہ احمد پیکھے سے دنیا ضو نقشاں کر دی گئی یہ امانت پھر سپرد خاک داں کر دی گئی

(سیماب اکبر آبادی)

وجاہت اتنی کہ شوق دیدار کو مجالِ نمو نہیں ہے
 لیاقت ایسی کہ کم سوادوں کو جرأت گفتگو نہیں ہے
 ذہانت اتنی کہ عقل خود ہیں کو تو اسیر نیاز رکھے
 صداقت ایسی کہ شاعروں کو مبالغے سے بھی باز رکھے
 فصاحت اتنی بیان میں جس سے خوش بیانوں پہ وجد طاری
 طلاقت ایسی زباں میں جیسے تیز پانی کی لہر جاری
 سرشت اتنی لطیف صدق و وفا کا گنجینہ جس کو کہے
 طبیعت ایسی شریف مہرودقا کا آئینہ جس کو کہے
 پسند اتنی بلند تعلیمِ ذوق دے چشم بے ہنر کو
 مذاق ایسا نفیس حسنِ مذاق جس سے طے نظر کو
 (ناجور نجیب آبادی)

وہ آئے جن کے آنے کی زمانے کو ضرورت تھی
 وہ آئے جن کی آمد کے لیے بے چین فطرت تھی
 وہ آئے نغمہ داؤد میں جن کے ترانہ تھا
 وہ آئے گریہ یعقوب میں جن کا فسانہ تھا

وہ آئے جن پہ حق کے فضل کی تکمیل ہونی تھی
 وہ آئے جن کے ہاتھوں کفر کی تذلیل ہونی تھی
 وہ آئے جن کے آنے کو گلستان کی سحر کہیے
 وہ آئے جن کو ختم الانبیاء خیر البشر کہیے
 وہ آئے جن کے ہر نقش قدم کو رہنما کہیے
 وہ آئے جن کے فرمانے کو فرمان خدا کہیے
 (مولانا ماہر القادری)

مرثیہ

اپنے آغاز میں مرثیہ رزمیہ نظموں کا سرنامہ بھی رہا مگر سانحہ کربلا سے مربوط ہو کر مرثیہ کی شناخت ابدی عظمت کی حامل ہو گئی۔ سید الشہداء اور خانوادہ رسول ﷺ کی تقدیس بھری قربانیوں نے اسلام کے حقیقی احیا کا ناقیامت زندہ و تابندہ رہنے والا باب قرطاس حیات و کائنات پر اس انداز میں رقم کر دیا کہ اب کوئی آندھی کوئی طوفان اس منور تحریر کی تاثیر میں سد راہ نہیں بن سکا۔ اس تاریخ ساز واقعہ کی منظوم یادیں اب مرثیہ سے معنون ہوتی ہیں۔ اور بقول ڈاکٹر ہلال نقوی:

مرثیہ میں نعت کا حصہ اپنے موضوعاتی تسلسل، اپنی فکری جہت، اپنے تاریخی ربط اور اپنی دینی اکائی سے مربوط و متحد ہے۔

(اردو میں مرثیے میں نعتیہ شاعری کے امتیازات۔ چند ابتدائی مباحث“ مطبوعہ نعت رنگ ۵، فروری ۱۹۹۸ء)

تو آئیے مرثیہ میں رنگ نعت کی جھلکیاں دیکھیں...!

جز ذات خدا سب پہ محمد ﷺ کے ہیں احساں
 اس شاہ کے ہیں خزان کرم پر سبھی مہماں
 وہ اصل ہے اور فرع ہے سب عالم امکان
 تھا خلق دو عالم سے یہی مطلب یزداں
 باطن میں بھی فیض اس کا ہے ظاہر بھی وہی ہے
 اوّل بھی سمجھوں سے وہی آخر بھی وہی ہے
 (میر انیس)

آفاق بہرہ ور ہوا حضرت ﷺ کی ذات سے
آگاہ ذات نے کیا حق کی صفات سے
تصدیق حکم رب کی ہوئی بات بات سے
رہنما نے لگا دیا راہ نجات سے
سکھنے طریقے قرب خدا کے حضور ﷺ سے
گم راہ آئے راہ پر نزدیک و دور سے
(مرزا دہر)

طبع رسا مصور نازک خیال ہے دل نقش بند جلوۂ حسن جمال ہے
بے مثل ہے قلم تو ورق بے مثال ہے رنگین نگاریاں ہیں کہ سحر حلال ہے
کہتی ہے طبع شکل رسول ﷺ زماں کھنچے
خامہ یہ چاہتا ہے کہ تصویر جاں کھنچے
(میرمنس)

نوع انساں کو دیا کس فلسفے نے یہ پیام
مرد قازی کا کفن ہے، خلعت عمر دوام
نصب کس نے کر دیے قتل میں حوروں کے خیام
جانتے ہو اس دیرِ ذہن انسانی کا نام
جو انوکھی فکر تھا جو اک نیا پیغام تھا
اس حکیم نکتہ پرور کا محمد ﷺ نام تھا

(جوش ملیح آبادی کے مرثیے کے مطبوعہ ۱۹۸۰ء کراچی)

وہ محمد ﷺ بشریت پہ ہے احساں جس کا شکر کرتا ہے ادا عالم امکاں جس کا
دہر پر سایہ رحمت ہوا داماں جس کا مذہب عقل بنا مسلک عرفاں جس کا
عشق سے جس نے مقام عرفاں کو پایا اس کے بھٹکے ہوئے سجدوں نے خدا کو پایا
(”عرفانِ جمیل“ / جمیل مظہری)

عشق صادق راستوں کے سفر پر لگتا ہے تو منزلوں کی مسرتوں سے ہمتار ہوتے دیر
نہیں لگتی اسے مقام عرفاں عاشق صادق کے وجدان میں کامران زمانوں کا یقین بن کر چمک اٹھتا

ہے۔ بھٹکے ہوئے سجدوں کو جس محسن ﷺ نے انسانیت کے منزل مقصود کا سراغ دیا اس کی عظمتوں کا تذکرہ دیگر اصنافِ سخن کی طرح مرثیہ میں بھی بطریق احسن روشن ہے۔ ڈاکٹر ہلال نقوی نے اپنے تذکرہ بالا مضمون میں میرے اسی موقف کی تائید کی ہے۔

مرثیہ انسانی رشتوں کی شاعری کا دوسرا نام ہے۔ آج کا انسان انسانی رشتوں کی سچائی سے کٹ کر انا پرستی، ہوسِ زراور اپنی ذات کے خول میں جس طرح بند ہوتا چلا جا رہا ہے اسے مرعے نے جھنجھوڑا ہے۔ ایسے پیچیدہ مراحل میں مرثیہ نگاروں نے خاندانِ نبوت ﷺ کے ماحول میں آئینے کی طرح نورِ بدایاں رشتوں کو مثال بنایا جس میں افضل ترین رشتہ عظیم ذات ﷺ رسالت مآب ﷺ قرار پاتی ہے۔ آپ ﷺ کے تذکرے کا یہ وہ موڑ ہے جہاں آپ ﷺ کا پیغام، آپ ﷺ کے افکار، آپ ﷺ کی سیرت محترم، آپ ﷺ کے اقوال، ہر قول میں پنہاں حقیقتیں، آپ ﷺ کے خانوادے کا ایثار و صبر، آپ ﷺ کے انصار و اصحاب کا اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا، یہ سب موضوعات آپ ﷺ کی نعت کا حصہ بننے چلے گئے اور یوں مرعے نے نعت نویسی میں پیغمبر ﷺ آخر کی عظمت کو ایک نئے اعتبار سے لکھنے کی سعی کی۔

حوالہ کی طوالت کے لیے معذرت مگر اس اہم دلیل کی توانائی مرثیہ پر نظر محبت ڈالنے والے ہر صاحبِ ذوق کو اپنی سچائی کے ہالے میں لے لیتی ہے۔

وہ کردگارِ عقل، یہ استادِ جبرئیل وہ خالقِ جمال، یہ آئینہٴ جمیل
وہ مینِ خیر و عدل، یہ باخیر و بے عدیل وہ نورِ یہ ظہور وہ دعویٰ تو یہ دلیل
انساں کے بھیں میں احدیت لیے ہوئے
احمد، احد ہے ہم مضمیت لیے ہوئے

(سہیم امروہوی۔ ”صبح ازل“)

ذات محمد ﷺ عربی ہے وہ پاک ذات آئینہٴ جس کے واسطے تھی بزمِ شش جہات
اس کو کھلی کتاب تھے اسرارِ کائنات وہ شاہد و شہود وہی ناظرِ حیات
روشن تھے اس پہ حالِ عدم اور وجود کے
پردے اٹھے ہوئے تھے غیاب و شہود کے

(صبا اکبر آبادی۔ ”قرطاسِ الم“)

مخلیقِ کائنات کا مقصد ہے جس کا نام بعد از خدا مقدس و امجد ہے جس کا نام

ہیں جتنے نام ان میں مجرد ہے جس کا نام محمود، حامد اور محمد ﷺ ہے جس کا نام
اس کے لیے درود کی سوقات بھیجے
اک اک نفس میں بھیجے، دن رات بھیجے

(تابش دہلوی۔ ”تقدیس“)

علم قرآن پہ محیط احمد ﷺ مختار کا دل یعنی ایوان ازل میں وہ ہے ابد کی منزل
اس حقیقت کا اگر کوئی نہیں ہے قائل پھر تو قرآن کہاں اور کہاں مستقبل
جس کا دل و وسعت قرآن کے لیے گھر ہوگا
عالم غیب کا اطلاقی اسی پر ہوگا

(قیصر بارہوی۔ ”قیصر بارہوی کے مفرد مرعے“)

حامل قرآن، رحمت للعالمین ﷺ نے ایک ایسا عالم گیر و عالم آرا نظام زمانے کو عطا کیا
جو ہر زمانے کی جہیں پر کامرانی کی نئی کہانی رقم کرتا رہے گا۔ حضور مکرم ﷺ کی نعت مبارکہ نے
مرثیہ گوئی میں ایک اور دل نواز جہت پیدا کی کہ عقیدت اور فکر و احساس کی احترازی کیفیات نے
ہمہ رنگ رعنائی کی کھکشاں آراستہ کر دی۔ ڈاکٹر ہلال نقوی اسی سمت اشارہ کرتے ہوئے اپنے
مذکورہ بالا مقالہ میں لکھا ہے۔

مرعے میں نعتیہ شاعری کے امتیازات میں ایک حوالہ یہ بھی ہے کہ وہ شعرا
جنہوں نے فکر کو اساس بنا دیا۔ اسرار حیات و رموز کائنات کو سمجھنے کے
لیے اور روحانی دیکھیری کے لیے انہوں نے در رسول ﷺ پر دستک دی۔
خیال کے یہ نئے پیرایے جب زیر بحث آئے تو نعت میں سنجیدہ خیالی
نمایاں ہوتی چلی گئی۔

ڈاکٹر صاحب کی اس مدلل تحریر کی تنویر مرثیہ کے وسیع منظر نامہ میں منور ہوتی ہے تو ہم
دیکھتے ہیں کہ مرثیہ میں نعت کا رنگ ایک جانبدار آہنگ کے ساتھ نمایاں نظر آتا ہے۔

وہ مصطفےٰ ﷺ وہ محمد ﷺ وہ روشنی وہ جمال وہ آگہی کا تصور وہ زندگی کا خیال
شعاع فہم و بصیرت، متاع علم و جمال وہ آفتاب رسالت نہیں ہے جس کو زوال

جمال رحمت یزداں اسی کو کہتے ہیں

بشر کی شکل میں قرآن اسی کو کہتے ہیں

(امید فاضلی۔ ”سرخنوا“)

جب کسی موجود کو معدوم ہونا چاہیے جادۂ ہستی پہ کچھ مرقوم ہونا چاہیے
 ہر سفر کا بھی تو اک مفہوم ہونا چاہیے اور انجام سفر معلوم ہونا چاہیے
 اک سفر آدم کو جنت سے نکلوانا بھی ہے
 اک سفر محبوب کو تار عرش بلوانا بھی ہے
 (سحر انصاری)

شہر آشوب

نظم میں ہم عصر کرب کا اظہار شہر آشوب کہلایا۔ دلی کے اجڑنے کا دکھ میر کو اجاڑ گیا
 اور غالب کی شاعری تچ بن گئی۔ یہ مثالیں ہر دور کی چشم بینا پیش کرتی رہی مگر صاحبان بصیرت
 نے شہر آشوب میں نعتیہ رنگ سمو کر بلند زندگی کی ترنگ کو زعمہ و بیدار کر دیا۔

اے خامۂ خاصان رسل وقتِ دعا ہے
 امت پہ تری آ کے محب وقت پڑا ہے
 جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
 پردیس میں وہ آج غریب الفریا ہے
 فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہباں
 بیڑا یہ جا ہی کے قریب آن لگا ہے
 تدبیر سمجھنے کی ہمارے نہیں کوئی
 ہاں! ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے
 (مولانا حالی)

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
 صبح ازل ہے حیرتِ حق سے فیض یاب
 مغرب کی دست برد سے مشرق ہوا تباہ
 ایمان کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہوا خراب
 اے قبلۂ دو عالم و اے کعبۂ دو کون
 تیری دعا ہے حضرت باری میں مستجاب

حق سے یہ عرض کر کہ ترے نامِ مزا غلام
عقبتی میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب
(مولانا ظفر علی خاں)

آپ ﷺ کے در پہ یہ فقیر لایا ہے شاہِ کائنات
آنکھوں میں اشکِ غم کی رو، دل میں ہجومِ واردات
عرصہ گزر گیا حضور ﷺ! تنگ ہے عرصہ حیات
آپ ﷺ کے لطف کے سوا کوئی نہیں رہ نجات
میرے حضور ﷺ! التفات! میرے حضور ﷺ! التفات
(قمر میرٹھی)

موضوعاتی امنافِ سخن کے تنوع کا تفصیلی معالجہ کرنے اور رنگِ نعت کے ہمہ گیر اثرات کا جائزہ لینے کے بعد جب ہم ہیئت کے حوالے سے امنافِ شعر پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں بھی عشق سرکار دو جہاں ﷺ کے علم پر سولہ راتے دکھائی دیتے ہیں۔ ”پاکستانی ادب شناخت کی نصف صدی“ کے محقق و نقاد غفور شاہ قاسم لکھتے ہیں۔

ہائیکو، آزاد نظم، نظم معری اور نثری نظم کی ہیئت میں بھی نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ غیر منقوط نعتیں نعتیہ قطعات اور نعتیہ رباعیات بھی لکھی جا رہی ہیں۔ زیادہ تر شعرا نے نعت کو غزل کے قریب لانے کی شعوری کوشش کی ہے۔

سب سے پہلے ہائیکو کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔

ہائیکو

ہائیکو جاپانی ادب کی اہم صنفِ سخن ہے۔ ممتاز نقاد ڈاکٹر محمد امین اپنے علمی سفر کے ایک مرحلے میں جاپان گئے تو واپسی پر اہل وطن کو اس سے متعارف کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ تین لائونوں پر مشتمل اس مختصر صنف کو بہت جلد شرفِ قبولیت مل گیا یہاں ابھی یہ آغاز عمر ہی کے مراحل میں ہے مگر عشق رسول ﷺ کے متوالوں نے اپنی عقیدتوں کے چراغ روشن کرنے میں یہاں بھی دیر نہیں کی۔ ممتاز نعت گو صبیح رحمانی کا رنگِ سخن اور اندازِ عقیدت راہِ اظہار پاتا ہے تو ایسے

خوب صورت الفاظ ترتیب پاتے ہیں۔

کھولے سب جو ہر

آپ ﷺ نے نوع انساں کو

فکرِ نو دے کر....!

فکرِ نو کی ضو کفر و مفلالت کی سیہ شب میں بشارتوں کی روشنیاں عام کرتی ہوئی زمانے میں پھیلی تو ہر انصاف پسند کے باطن سے یہی آواز اٹھی کہ رحمت للعالمین ﷺ نے زمانوں اور جہانوں میں انسانوں پر سربلندی و سرفرازی کا راز آشکارا کر دیا۔

کتنے اجلے ہیں

اس کے لفظوں سے من میں

سورج اگتے ہیں

(احمد صغیر صدیقی)

سورج کی روشنی جس طرح زندگی اور تابندگی کی نمائندگی بطریق احسن کرتی اسی طرح ایک مضمر تنویر عالم ادب سے ابھری اور عالم تمام میں پھیل گئی جس نے سسکتی دم توڑتی انسانیت کو سرفراز زیست سے ہمکنار کر دیا۔ جس نے بشارتوں میں بصیرتوں کی توانائی بھر دی۔ یہ سارا صدقہ آقائے کائنات ﷺ کے قدوم مہمنت لزوم کا ہے۔

لکھے ان کا نام

اجلے موسم اتریں گے

دل پر صبح و شام

(صبح رحمانی)

غزل

اردو شاعری میں مقبولیت کی انہما کو چھو لینے والی صنفِ غزل اپنی اصل میں ملائم اور نرم و نازک جذبوں کا کوئل اظہار بھی ہے اور شدید مخالفت کی تند و تیز آندھیوں کا مقابلہ کر کے فتح یابی کی شادمانی حاصل کرنے والی قوت بھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے لغوی معنی ”عورتوں سے باتیں کرنا“ سے مشہد ہو کر محبت اور چاہت کے دل دار احساسات کی مالا پر دے بدلتے وقت کے تقاضوں کے ہمراہ ارتقائی منزل طے کرتی محبت فاتحِ عالم کی سفیر بھی یہی غزل بنی جب کہ دوسری

جانبِ غزال کی چیخ کے لغوی معنی سے مستعار دردِ دالم کی سفارت کاروں ہو کر عصرِ رواں کی ہم سفر ہوئی تو ملی اور قومی درد کے اجتماعی احساس کی کامیاب نمائندگی کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ یوں اس خوش بخت صنفِ سخن نے ہر دور میں اپنا تخلیقی طور زندہ رکھا۔ زندہ رہی اور خود سے مخلص شعرا کو زندہ تر کرتی رہی، یہی زندگی عرقِ نعت کی رفاقت سے سرشار ہوئی تو تابندگی میں ڈھل گئی۔ ”اردو نعت گوئی میں ہیئت کے تجزیوں کی ضرورت“ کے زیر عنوان نامور محقق اور نقاد ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

... مثنوی کے ساتھ ساتھ چوں کہ غزل و قصیدہ نے خصوصاً فروغ پایا۔ اس لیے نعت بھی عموماً غزل و قصیدہ کی ہیئت میں لکھی جانے لگی۔ صرف دہلی اور لکھنؤ کے دبستانوں تک یہ بات محدود نہ رہی بلکہ جب مرشد آباد، بھوپال، رام پور وغیرہ میں اردو کے چھوٹے چھوٹے مرکز قائم ہوئے تو وہاں کے شعرا نے بھی عموماً غزل اور قصیدے کی ہیئتوں میں نعتیں لکھیں اور یہ نعتیں بہت مقبول ہوئیں۔

دراصل اردو غزل کی ہیئت میں ”نعت رنگ“ کا آغاز ولی دکنی، فدوی اور فراقی وغیرہ شعرائے دکن ہی سے ہو گیا تھا تاہم غزل کے ضمن میں نعتیہ رنگ دو طرح سے جلوہ گر ہوا۔ ایک تو غزل کی ہیئت میں نعتیہ اشعار کی صورت میں اور دوسرے خالص غزل میں نعتیہ اشعار کی بہار نے جلوے دکھائے پھر یہ بھی ہے کہ غزل میں استعارات و تشبیہات کی قوس و قزح میں بھی یہ رنگ نمایاں رہا۔

جن مرداں کو آنکھ دیا ہے خدا نے، دے سرمہ کریں ہیں رہ کی تری خاک دھول کا
(میر تقی میر)

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
(غالب)

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ ﷺ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
(اقبال)

کردار کہہ رہا ہے رسالت مآب ﷺ کا یہ روپ ہے عمل میں خدا کی کتاب کا
(اختر بستوی)

جب کوئی آپ ﷺ کا بن گیا ہے آدمی ہی نیا بن گیا ہے

(فضل احمد کریم فضل)

یہ دشتِ خلا کس کی گزرگاہ ہے سوچو وہ کون ہے جس کا ہے یہ نقشِ کعبہ پا چاند

(میرزا وہ قاسم)

بہار ہو کہ خزاں کارگاہِ ہستی میں انہیں کسی سے غرض کیا جو تیرے ہو جائیں

(صہبا اختر)

کھلیں گے دیکھنا اس دشت میں کیا کیا سخن زار دینے کی ہوا کا رخ بخارا کی طرف ہے

(محمد انظہار الحق)

چاہ دنیا کی اسیری میں مجھے وسعتِ عارِ حرا پاؤ آئے

(آصف ثاقب)

جر کے موسم میں سچی شاعری کا حوصلہ سایہِ اسمِ محمد ﷺ کی پناہوں میں ہوا

(شوکت ہاشمی)

محبوب ﷺ کبریا کا درِ پاک چھوڑ کر اللہ تک کسی کی رسائی ہو کس طرح

(راجا رشید محمود)

واہ! کیا جود و کرم ہے شہِ بلحا حیرا نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

(علامہ احمد رضا خاں بریلوی)

ہم پہ وہ کتنا مہرباں ہوگا جس سے دشمن کا دل برا نہ ہوا

(محمد اعظم چشتی)

تو یہ نہ تیر گیاں ذہن پہ جب ٹوٹی ہیں نور ہو جاتا ہے کچھ اور ہویدا تیرا

(احمد ندیم قاسمی)

جنابِ رحمت عالم ﷺ کا فیض ہے حافظ جو میرے شعر سے مضمون نیا لکھا ہے

(حافظ لدھیانوی)

رحمِ ہستی، رازِ فطرت، سر ذات و کائنات ہر خبر پائی حلاشِ مصطفیٰ ﷺ کرتے ہوئے

(حفیظ تائب)

اس کے پر تو سے نخلِ انوار گلِ ربکِ شفق شب چراغِ عرمہِ عظمت ہے تیری جبین

(عبدالعزیز خالد)

وہ جیسے ہیں کوئی ویسا نہیں ہے یہی لکھا ہے تاریخِ بشر میں
(صبحِ رحمانی)

کہ شاید اس کی سواری یہیں پہ آکر رکے سبھی نے کھول کے رکھے ہوئے در اپنے
(محمد فیروز شاہ)

نظم

غزل کے مقابلے میں صنفِ نظم صاحبِ اولاد ثابت ہوئی اور اس کی مختلف اقسام
سامنے آئیں۔ ہر درجہ سے یہاں بھی نعت کی میٹھی من شاعر چاندنی نکھرتی رہی... پابند نظموں سے
مقتبس اشعار۔

محمد ﷺ رسول خدا بن کے آئے	ہمارے لے رہنما بن کے آئے
غریبوں کے مشکل کشا بن کے آئے	فقیروں کے حاجت روا بن کر آئے
ہوئی جتنی مخلوق اور ہوگی جتنی	وہ سب کے لیے رہنما بن کے آئے

(درد کا کوڑی/ جام کوثر)

اب نغمہ نغمہ، نغمہ تارِ حیات ہے	اب نشہ نشہ، نشہ عرقانِ ذات ہے
اب پردہ پردہ، پردہ سازِ جمال ہے	اب بادہ بادہ، بادہ عرقانِ حال ہے
اب جرمہ جرمہ، جرمہ جامِ است ہے	اب ذرہ ذرہ، ذرہ خورشیدِ مست ہے
اب قطرہ قطرہ، قطرہ انگِ نیاز ہے	اب توبہ توبہ، توبہ سوز و گداز ہے
اب غنچہ غنچہ، غنچہ زلفِ نگار ہے	اب لالہ لالہ، لالہ رخسارِ یار ہے
اب جذبہ جذبہ، جذبہ مشقِ رسول ﷺ ہے	اب شیوہ شیوہ، شیوہ عدل و اصول ہے
اب نعرہ نعرہ، نعرہ توحید بن گیا	اب سجدہ سجدہ، سجدہ امید بن گیا

(عاصی کرناٹی/ مدحت)

اسی کی ضو سے ہے ظلمات کن نکال روشن
اسی کی لو سے ہے سینہ کرن کرن میرا
اسی کے پاس ہے گردی مرا دل بے قید
اسی کی یاد میں رہتا ہے من گن میرا
(عبدالعزیز خالد/ ”سمٹایا“)

آزاد نظم

زمانہ نئے امکانات کی طرف سفر پر نکلا تو وقت کے تقاضے بدل گئے۔ شعرائے کرام نے قافیہ ردیف اور بحر کی شکنائے کا شکوہ کرتے ہوئے آزاد نظم اختراع کی۔ ن م راشد، تصدق حسین خالد اور میراجی پر جوش حمایت و قیادت فراہم کرتے رہے اور اعتراضات کی خارزار پگھلڈیوں سے گزرنے کے بعد بالآخر آزاد نظم قبول خاص و عام کی منزل پا گئی۔ آزاد نظم کا دور آیا تو آفتاب نعت کی ضیا ہارکروں نے یہاں بھی خوب ضو پاشی کی۔ بقول پروفیسر عارف عبدالتین۔

آزاد نعتیہ نظموں میں نئی شاعری کے اسی آبدار عنصر کا بالخصوص خیال رکھا گیا جو ایمائیت سے عبارت ہے اور جو مافی الضمیر کے اظہار کے لیے علام و رموز کو بروئے کار لانے کا قائل ہے۔ اس علامتی طرز ابلاغ نے جدید نعت کو ایک ایسی تہہ داری سے ہمکنار کیا ہے جس نے اسے نہ صرف مزید عمق فراہم کیا بلکہ ایک انفرادی آن بان بھی ارزانی کی ہے۔

(آزاد نعتیہ نظمیں۔ ایک جائزہ۔ ایک تذکرہ از حامد یزدانی مطبوعہ ”شام و سحر“ نعت نمبر ۴)

اس انفرادی آن بان کی ممتاز شان کی چند جھلکیاں:

رسول اکرم ﷺ کا نام نامی / وہ ملکِ فطرت کا حرفِ اوّل / بنا جو عنوان
کتاب کن کا حضور ﷺ کی ہستی گرامی / ہے ممکنات جہاں کا جوہر /
جو از لوح و قلم انہی سے / وجود انہی نے / عدم انہی سے / اگر نہ ہوتے
مرے پیبر ﷺ / تو نقشِ امکاں ابھر نہ سکتا / نہ یہ عناصر کا میل ہوتا / نہ
کھیل ہوتا یہ روز و شب کا / سلام اس آئیہ ہمیں پر

(حقیقہ تائب / دیباچہ امکاں)

وفا کا وہ ماہتاب جس کی شفیق کرونوں میں / چہرہ جو روجفا کا ہرگز نکھر نہ پایا
/ کوئی بھی ایسا ابھر نہ پایا / وہ جن سے محنِ زمیں ہے روشن / وہ جن کے
دستِ کرم کا پر تو یہ آسماں ہیں!

(”صبحِ رحمانی“ ایک روشنی زمیں سے آسماں تک)

شفیق آقا ﷺ!

سبھی زمانوں پہ تیری رحمت کے ابر پارے / تمام رستوں پہ تیرے لفظوں

کے دیپ روشن / ہر ایک لمحے میں تیرے لہجے کا لوجِ نکھرے / تجھی سے
نسبت بشارتوں کا جواز ٹھہری / تری شبیوں کا گداز نورِ سحر کا ضامن / تری
دعائیں۔

اداس لمحوں میں زرد بچوں کو گود لیتی شفیق مائیں!

(محمد فیروز شاہ "طلوع")

نظم معرّی

نظم کے اس دریچہ نو سے بھی نعت کا نور یوں پھوٹتا ہے کہ دلوں میں سرور بھرتا چلا
جاتا ہے۔

اس کی کملی ہے کہ انوارِ درخشاں کی مثال
مسکراتا ہوا دریا ہے محبت کا وہی
مسکراتا ہوا وہ طاقِ صداقت کا چراغ
اس کا ہر نقش ہے تفسیرِ حیات ابدی
اس کا دامنِ کرم سارے زمانوں پہ محیط
بجھتی آنکھوں کو بھی منظر وہ سہانے دے گا
میرے ہر لفظ کو معنی کے خزانے دے گا
(ریاض حسین چوہدری)

واکا

واکا جاپانی صنفِ سخن ہے جس میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں جاپانی کلاسیکی شاعری کا
خاصا بڑا حصہ "واکا" کے محیط میں ہے۔ کلاسیکی واکا شاعری کا اردو میں پہلے کابل ترجمہ محمد رئیس
طلوی نے کیا۔ "گل صد برگ" کے نام سے اس کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں۔ اس صنفِ سخن
میں نعت کا آفاقی رنگ بھر کر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی نے سر بلند کر دیا۔

کبھی بادل کے رنگوں میں
کبھی پھولوں کی کہت میں
کبھی دل کی فضاؤں میں
کبھی فکر و تامل میں

نقوشِ سرور کو نمین ^{۱۱۱۱} کا جلوہ نظر آیا

سانیت

سانیت اطالوی لفظ سانیٹو (Sonetto) سے اخذ شدہ ہے۔ جس کے معنی ہیں مختصر آواز یا راگ۔ اصلاحی طور پر سانیت ایک مخصوص مزاج، مخصوص لب و لہجہ، مخصوص بحر اور مخصوص انداز کی چودہ مصرعی نظم کو کہتے ہیں۔ جس میں کسی خاص جذبے احساس یا خیال کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ ہمارے شعرا کرام نے اس صنفِ سخن کو کم کم ہی سہی مگر اپنایا ضرور تاہم جب نعتیہ رنگ ابھرا تو سانیت ایک جاوداں امگ کا سفیر بن گیا۔ چند لائنیں بطور نمونہ:

جتنی دامنِ زیست میں دو تئیں ہیں	جتنی جود تئیں ہیں جتنی مدد تئیں ہیں
حسن و خیر کی جتنی بھی صورتیں ہیں	ان کے خلقِ عظیم کی وسعتیں ہیں
سازِ ہست کے جتنے آہنگ ٹھہرے	استقبال کے دیکھے سامان جتنے
اوج فکر کے پائے امکاں جتنے	ان کے اسوۂ پاک کے رنگ ٹھہرے
ان کے حصے میں خیر کثیر آئی	اعتبار و جود ہے نام ان کا
عہد ساز پیام و نظام ان کا	ان کے ساتھ کتابِ منیر آئی

دولہا کون حیاتِ برات کا
خامن حشر میں کون نجات کا
(حفظِ نائب)

کجری

گیت ہندی زبان سے اردو میں آیا۔ کجری گیت کی وہ قسم ہے جو عموماً ہولی میں گاتے ہیں۔ حقیقت و محبت کی وادی میں کھلنے والے پھولوں کی مہک اس صنف میں ظہور کرتی ہے تو کیسے کیسے دل کش پھول کھلتے ہیں۔ ظافر علی خاں تھنہ کی دو نعتیہ کجریاں پڑھیے۔

وجہ کائنات

آپ ﷺ کی چاہت میں تو پیدا ہوئی کونین آپ ﷺ کی باتیں بھی پھیلی ہوئی طرفین
آپ ﷺ کے ہی نعلینِ عرش نے چوے ہیں

گنبدِ خضریٰ

اس گنبدِ خضریٰ کی بات کیا جس کا سبز ہے رنگ قدس میں یہ آفاق بھی ہے جس کے پاسنگ
جب ہو جگ سے جگ اس کی جانب دیکھ لے

قطعہ

عموماً چار ہم آہنگ مصرعوں میں بات مکمل کرنے کا شعار شعرائے کرام پسند کرتے آئے۔ قطعہ میں رنگِ نعت کی بہاریں ملاحظہ کیجیے۔

جلوۂ شہرِ نئی عکسِ دل کے نہاں خانے میں ہے
اب بھی وہ صمسمیں وہ شامیں دیکھتا رہتا ہوں میں
میں نے جن آنکھوں سے دیکھی ہیں سنہری جالیاں
آئینے میں اب وہ آنکھیں دیکھتا رہتا ہوں میں
(اقبال حیدر)

مخیل جب حقیقت کی حدِ آخر تک آجائے
تو پھر پیشِ نظر لفظوں کی آرائش نہیں رہتی
اسی اک لفظ میں زیدی مکمل نعت پنہاں ہے
محمد عکسِ کہہ کے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی
(قرزیدی)

مرا ہر لفظ نعتِ احمدی عکسِ سے ڈریتا ہے
لکھا جو دائرہ ہے وہ میرِ کامل کا ہالہ ہے
ہوئی کافور نور مصطفیٰ عکسِ سے شرک کی ظلمت
سیاحی سے عداوت کی دلِ کفار کالا ہے
(منشی شکر لال ساقی)

از خاکِ عرب تا بہ عجم مانتے ہیں
ہاں صاحبِ الطاف و کرم مانتے ہیں
ہم دیر نشیں بھی ہیں ترے مدح سرا
رہبر جو تجھے اہلِ حرم مانتے ہیں
(ستہ پال اختر رضوانی)

رباعی

ہر صنفِ نظم میں قادرِ الکلامی کے ہنر سامنے آتے ہیں مگر بالخصوص رباعی تو شعر پر مکمل دسترس رکھے بغیر کہنا ممکن ہی نہیں۔ نعت محبوب ﷺ کے حوالے سے چند نمایاں مثالیں دیکھیے:

انوارِ سبے شمار محدود نہیں
رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمد ﷺ کا مقام
وہ امتِ اسلام میں محدود نہیں
(فراق گورکھ پوری)

باہر ہے بیاں سے عزو شان سرور ﷺ
اللہ کا بیاں ہے بیان سرور ﷺ
کیوں کر نہ کہیں کہ وہ ہے ناطقِ قرآن
قرآن کی زباں ہے زباں سرور ﷺ
(یزدانی جالندھری)

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہیں
کہہ دو کہ ملک گوش بر آواز رہیں
دعایِ پیبر ﷺ کی زباں کھلتی ہے
(محسن کاکوری)

مخمس / خمسہ

ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہے اور پہلے بند کو پانچ ہم قافیہ مصرعوں کے بعد کا پانچواں مصرعہ پہلے بند سے ہم قافیہ وہم آہنگ رکھنے والی اس صنفِ نظم کا آنگن بھی نعتِ حبیب ﷺ کی سدا بہار مہکار سے مزین ہے۔ چند اقتباسی لائنیں دیکھیے:

مصطفیٰ کون ہے مجھے کون ہے
جلوۂ نور رب علی کون ہے

اپنے رب کا پیارا بتا کون ہے
کون ہے خاتم الانبیاء کون ہے
انبیاء میں حبیبِ خدا کون ہے
(مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

اے کہ ترا شہود ہے وجہ نمود کائنات
اے کہ ترا فسانہ ہے زینتِ محفلِ حیات
اے کہ ہیں تیری ذات میں جمع زمانے کے صفات
سب مکی تصرفات سب فکلی تجلیات
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشہ چشم التفات
(مولانا ظفر علی خاں)

ہوئی انسانیت کی شمع روشن شان و شوکت سے
ہر اک دل بجمکا اٹھا چراغِ شان و وحدت سے
فلک پر چاند بھی شرما گیا حسنِ لطافت سے
منور کیوں نہ ہو جائے زمانہ شمعِ الفت سے
یہ ساری روشنی دنیا میں شاہِ انبیا ﷺ کی ہے
(جو لیس محیف)

مسدس

ہر بند میں چھ مصرعے اور اولین چار مصرعے ہم قافیہ اور آخری دو مصرعے باہم۔ باہم قافیہ رکھنے والی اس صنفِ نظم کا اختصاص جوش و جذبہ اور شان و شکوہ ہے۔ ایک جانبدار آہنگ کے ساتھ ساتھ توازنِ فکر و شعور بھی اس کا وصفِ خاص ہے۔ فروغِ نعت کی سرگرمیوں میں زندگی کو وقفِ عشقِ رسول ﷺ کر دینے والے ہمارے عہد کے ممتاز نعت گو اور سکالر، مدیر ماہنامہ نعت اور محققِ نعت و سیرت طیبہ راجا رشید محمود ”اردو نعتیہ مسدس“ کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

مسدس اگرچہ بنیادی طور پر عرب کی ملکیت ہے۔ مگر وہاں نعت کے حوالے سے اس صنفِ سخن میں طبع آزمائی نہیں کی گئی۔ فارسی نعت گوؤں

نے بھی اپنے جذباتِ عقیدت اور احساساتِ منقبت کو مسدس کی صورت
 نہیں دی۔ پنجابی میں بھی بابو فیروز دین شرف کا ایک اور بھرِ فضل گہرائی
 کے دو نعتیہ مسدس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ البتہ اردو نعت گوؤں کا دامن اس
 لحاظ سے وسیع ہے۔ انھوں نے دوسری شعری میٹروں کے علاوہ اس صنفِ
 سخن میں بھی نعت کہی۔ اور اپنے آقا و مولا ﷺ کی ثناء و مدحت میں اس
 مؤثر صنف سے بھی کام لیا۔ محشر رسول مگری، احسان دانش اور انور جمال
 کے نعتیہ مسدس تو کتابی صورت میں سامنے آچکے ہیں۔

(اردو نعتیہ مسدس / راجا رشید محمود مطبوعہ ”شام و سحر“ نعتیہ نمبر ۴)

یہ ایک ہوئی غیرت حق کو حرکت	بڑھا جانبِ یونیس ابرِ رحمت
ادا خاک بٹھانے کی وہ ودیعت	چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا	دعائے خلیل و نوید میثا

(مولانا حالی)

معراج کی یہ رات ہے رحمت کی رات ہے	فرحت کی آج شام ہے عشرت کی رات ہے
ہم تیرہ اختروں کی شفاعت کی رات ہے	اعزازِ ماہِ طیبہ کی رویت کی رات ہے
پھیلا ہوا ہے سرمہٗ تغیرِ چرخ پر	یا زلف کھولے پھرتی ہیں حوریں ادھر ادھر

(مولانا حسن رضا خاں بریلوی)

آبِ کوثر تھنہ کا مانِ محبت کا ہے تو
 جس کے ہر قطرے میں سوموتی ہیں وہ دریا ہے تو
 طود پر چشمِ کلیم اللہ کا تارا ہے تو
 معنیِ طیبین ہے تو مفہومِ او ادنیٰ ہے تو
 اس نے پہچانا نہ حیری ذات پر انوار کو
 جو نہ سمجھا احمد علیؑ بے میم کے اسرار کو
 (علامہ محمد اقبالؒ)

کس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو
 کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو

راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو
کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو
تم نے دیکھا ہے بہت دفتر پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو کو نام اس کا
(جگر مراد آبادی)

فقر کو جس کے تھی حامل کج کلائی، وہ رسول ﷺ
گدہ بانوں کو عطا کی جس نے شای، وہ رسول ﷺ
زندگی بھر جو رہا بن کر سپائی، وہ رسول ﷺ
جس کی اک اک سانس قانونِ الہی، وہ رسول ﷺ
جس نے قلبِ حیرگی سے نور پیدا کر دیا
جس کی جاں بخشی نے مردوں کو میا کر دیا
(جوش ملیح آبادی)

موضوعاتی اور مہمائی امنافِ خن کے بعد نعت سرورِ کونین ﷺ کی رہنما موجودگی کے ذکرِ
سعید کے بعد اب آخر میں آئیے ایک عقیدت مند نظر ان امنافِ خن کی نذر کریں جن کے وجود کا
سرچشمہ حیات ہی نعت ہے گویا ہم انھیں نعت کی ذیلی امناف کہہ سکتے ہیں۔

مولودنامہ

بعض روایات کے مطابق اردو کی نعتیہ شاعری پر پہلی کتاب لکھنے والے ڈاکٹر طلحہ
رضوی برق نے قماحی کو گیارہویں صدی ہجری کے آخر کا شاعر قرار دیتے ہوئے مولودنامہ کا
موجد قرار دیا ہے۔ ("نعت رنگ" کراچی شمارہ اپریل ۲۰۰۰ء) مولودنامہ میلادنامہ بھی کہلویا۔ چند
شہ پارے آپ کے ذوق مطالعہ کے نذر ہیں۔

نہیں ہے اگر آمنہ کا دلارا یہ قرآن نہیں یہ شریعت نہیں ہے
کہاں سے بچے گی یہ سیرت کی محفل اگر بزمِ ذکرِ ولادت نہیں ہے
(بیکل اتساعی)

دو شنبہ بارہویں ماہ ربیع الاول کی تھی
طلوعِ آفتابِ عزو شانِ مولدِ حضرت ﷺ

گرے نوشیرواں کے قصر کے چودہ منارے تب
پڑے بت اوندھے مکہ میں زمانہ مولد حضرت ﷺ
("اشرف الاشعار" سید عبدالفتاح اشرف)

نور نامہ

ڈاکٹر یحییٰ نعیم نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۵ میں اردو نعت گوئی کے موضوعات کے زیر
عنوان لکھتے ہیں۔

ہمارے شعری ادب کو جہاں نعت رسول ﷺ کے ایک پہلو "نور" نے بلحاظ موضوع
وسعت بخشی وہاں فی لحاظ سے بھی اسے مختلف جہتوں سے روشناس کرایا۔

"نور نامے" منصب نعت کی ایک اہم جہت کے طور پر سامنے آئے۔ علاوہ ازیں نور
مصطفیٰ کی عظمتوں کو امیر مینائی کی مثنوی "نور تجلی" کا موضوع بننے کے ساتھ ساتھ سرور جہاں
آبادی، حالی، اکبر، شاد عظیم آبادی، اقبال، ظفر علی خاں، جگر اور حفیظ جالندھری نے تشبیہات و
استعارات کی منفرد و ممتاز کھکھائیں آراستہ کر کے خراج عقیدت پیش کیا۔

جب نہیں تھا کچھ ہستی سے نشان تھے کج عدم میں سب پنہاں
حق کیا تب احمد ﷺ کا نور اس وقت ہوا ہے اوس کا ظہور
کوئی بولا شہ ﷺ کو اے مرسل کیا کیا پیدا حق اول
فرمائے محمد ﷺ میرا نور ہے سب کے اول اوس کا ظہور
(ہاتر آگاہ)

سایہ زیبایی نہ تھا آپ ﷺ کی قامت کے لیے
روشنائی تھی بھی مہر نبوت کے لیے
جسم محبوب ﷺ خدا نور کا اک پتلا ہے
سایہ حق وہ شہ منزلت طہ ہے
(محسن کاکوروی)

سلام

راجا رشید محمود ماہنامہ شام و سحر کے نعت نمبر ۵ میں اپنے موقر مقالہ بعنوان اردو نعت

میں ”صلوٰۃ و سلام“ میں تحریر کرتے ہیں۔

”نعت میں خالق و مالک حقیقی کے محبوب پاک ﷺ کی تعریف کی جاتی ہے۔

سرکار ﷺ کا ذکر ہوتا ہے۔ ان ﷺ کا اسم گرامی آتا ہے۔ اس مقصد کے لیے قرآن و حدیث ہی

سے استفادہ کرنا چاہیے۔ نعت کے مضامین انہی مصادر علمی سے لینے ضروری ہیں۔ بقول مولانا احمد

رضا خاں بریلوی:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

یعنی رہے آدابِ شریعت طوط

اور قرآن نے ہمیں سب سے بڑا مضمون تو یہ عطا کیا ہے کہ خدا اور اس

کے فرشتے سرکار ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ پھر قرآن نے حکم دیا کہ ہم (جن

میں نعت گو بدرجہ اولیٰ شامل ہیں) بھی حضور ﷺ کی بارگاہ میں درود و

سلام پیش کریں۔ اردو کے نعت گوؤں نے (باستنائے چند) اس حکم

خداوندی پر عمل کا التزام کیا ہے۔

اور اس طرح سلاموں کی یہ عقیدت مند لڑیاں یا قیامت عصر رواں کے

ہم حناں چمکتی دکتی رہیں گی۔

مصطفیٰ ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شیع بزمِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں

اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

(مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب ﷺ سبحانی

سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی

سلام اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے

سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

(حفیظ جالندھری)

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دھیری کی
 سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
 سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سکھائے
 سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
 (مولانا مہرا نقادری)

جو ہیں خیر الانام ﷺ ان پہ لاکھوں سلام
 بھیجتا ہوں مدام ان پہ لاکھوں سلام
 ان ﷺ کی یاد حسین دل میں ہے جاگزیں
 ان ﷺ پہ لاکھوں سلام، ان ﷺ پہ لاکھوں سلام
 (خالد شفیق)

علاوہ ازیں معراج نامے اور وقات نامے بھی عقیدتوں کے سرنامے رہے۔ یہ ذکر جمیل
 اس قدر طویل ہے کہ عمریں ختم ہو جائیں۔ وقت بے وقت ہو رہے۔ زمانے اپنے آشیانے سے
 پھٹڑ جائیں اور لکھوں کا شمار بے وقار ہو کر رہ جائے۔ مگر یہ تذکرہ حسین ختم نہ ہو۔ یہ چند سطور فقط
 دلی عقیدتوں کے ظہور کی آرزو میں قلم بند ہوئی ہیں۔ آفاقی صداقت تو یہ ہے کہ:
 زنگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے
 حیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا

کتابیات

- ☆۔ ”دیوان کرامت“، کرامت علی خاں شہیدی، مطبوعہ نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۲۹۳ھ
- ☆۔ ”پاکستانی ادب... شناخت کی نصف صدی“، غفور شاہ قاسم
- ☆۔ ”اشرف الاشعار“، سید عبدالفتاح اشرف
- ☆۔ ”مسدس رنگین“، سعادت یار خاں رنگین
- ☆۔ ”جوش کے مرعے“، جوش طبع آبادی
- ☆۔ ”مرفان جمیل“، جمیل مظہری
- ☆۔ ”صبح ازل“، نسیم امروہوی

☆۔ ”قرطاس الم“، صبا اکبر آبادی

☆۔ ”نقدیس“، تابش دہلوی

☆۔ ”قیصر بارہوی کے منفرد مرثیے“، قیصر بارہوی

☆۔ ”سرنیوا“، اُمید فاضلی

☆۔ ”جام کوثر“، درد کا کوروی

☆۔ ”محطایا“، عبدالعزیز خالد

☆۔ ”مدحت“، حاصی کرناٹی

☆۔ ”طلوع“، محمد فیروز شاہ

رسائل و جرائد

☆۔ ماہنامہ ”شام و سحر“، لاہور، مدیر خالد شفیق

☆۔ ماہنامہ ”نعت“ نمبر ۱، مدیر خالد شفیق،

☆۔ ماہنامہ ”نعت“ نمبر ۲، مدیر خالد شفیق، جنوری فروری ۱۹۸۲ء

☆۔ ماہنامہ ”نعت“ نمبر ۳، مدیر خالد شفیق، جنوری فروری ۱۹۸۳ء

☆۔ ماہنامہ ”شام و سحر“ نعت نمبر ۴، مدیر خالد شفیق، جنوری فروری ۱۹۸۵ء

☆۔ ”اوج“ نعت نمبر، گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور، مرتب: ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی

☆۔ ”اوج“، نعت نمبر (جلد اول) ۹۳-۹۴ء

☆۔ ”اوج“، نعت نمبر (جلد دوم) ۹۳-۹۴ء

☆۔ ”نعت رنگ“، کراچی، شمارہ اول تا شمارہ نمبر ۹، مدیر: صبیح رحمانی

☆۔ ”الکیم“، نعت نمبر، ساہیوال، مدیر: اکرم کلیم

☆۔ ماہنامہ ”نعت“، لاہور (حمد نمبر)، مدیر: راجا رشید محمود، جنوری ۱۹۸۸ء

☆۔ ماہنامہ ”نعت“، لاہور (غیر مسلموں کی نعت)، مدیر: راجا رشید محمود، جنوری ۱۹۸۸ء



”دیارِ نعت“ پر اعتراضات کا تجزیہ

اور ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

ادارتی نوٹ

محترم راجا رشید محمود اردو نعت کے اہم خدمت گزار ہیں۔ ذیل نظر مضمون انھوں نے اپنے مجموعے ”دیارِ نعت“ پر ڈاکٹر شمیم احمد گوہر کے اس تبصرے کے جواب میں لکھا ہے جو ”نعت رنگ“ نمبر ۱۵ میں شامل ہے۔

یہ مضمون حضرت راجا رشید محمود (جن کی اولیات نعت کی طرح ان کا حصہ بھی احباب میں خاصی شہرت رکھتا ہے اور جو ان دنوں سے بے خبر ہیں ان کی آگہی کے لیے صرف اس مضمون کا مطالعہ ہی کافی ہے) کی علمی حیثیت اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ ساتھ ان کی زور و نفی، عدم برداشت اور بے جا بدگمانیوں کا آئینہ بن کر ہمارے سامنے آیا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس مضمون نے خوشی اور ملال کی ملی جلی کیفیتوں سے دوچار کیا ہے۔ خوشی اس بات کی کہ راجا صاحب نے مدت بعد شعبہ نعت میں حق و ترغیب اور از خود اپنی اولیات کے ذکرِ خیر کی سطح سے بلند ہو کر اپنی ذاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کچھ لکھنے کی کوشش کی اور اس میں وہ خاصی حد تک کامیاب بھی رہے۔ اور ملال اس بات کا کہ اپنے اس مضمون کو (جس کے کچھ حصے انھوں نے واقعی مقدور بھر علمی ثروت اور استدلالی قوت کے ساتھ محنت سے لکھے تھے) اپنی غیر تنقیدی زبان، طرزِ لہجہ اور غیر متعلق گفتگو سے خود ہی بے روح کر ڈالا۔

مجھے تاجز کو اپنی بے ہشامتی اور علمی کم مائیگی کا پورا اعتراف ہے علاوہ ازیں بطور مرحب اپنی غیر جانب داری بھی پیش نظر ہے، اس لیے اس مضمون کی علمی موٹھائیوں اور تنقیدی و عرضی پہلوؤں پر تو محترم ڈاکٹر شمیم احمد گوہر یادِ مکرملی علم ہی توجہ فرمائیں تو بہتر ہے، مجھے تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ہماری تنقیدی روایات میں یہ لسانی اور عرضی ہمیشگی نہیں اور پھر ہم ”نعت رنگ“ میں اکثر موقعوں پر اس امر کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ اشعار کی تفہیم، خالص ذاتی معاملہ ہے یہ ضروری نہیں کہ کوئی فادھر کے مفہیم کی تلاش اور تعینِ قدر میں ہمیشہ کامیاب رہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ کسی فادھی رائے بیک وقت سب کے لیے قائل قبول بھی ہو۔ تاریخِ ادب گواہ ہے کہ اس ضمن میں ہمارے ناقدین کو ہمیشہ نوکِ محبوب کا سامنا کرنا پڑا ہے تاہم گفتگو اگر تخلیق کے دائرے سے باہر نکل کر تخلیق کار یا فادھی شخصیت، اس کی ذاتیات یا پھر اس کی علمی یا سماجی حیثیت تک پہنچ جائے تو یہ بات کسی طور مناسب نہیں، کیوں کہ اس کا قاعدہ نہ موضوع کو پہنچتا ہے نہ ہی قارئین کو اور یہاں تو معاملہ نعت اور اس کی تقدیس کا ہے۔

ہمیں کسی فادھی نیت میں کھوٹ تلاش کرنے کے بجائے اس کی اپنی رائے کو علمی استدلال اور شائستگی سے رد کرنے کی روایت کو مضبوط بنانا چاہیے کہ یہی تنقید کا مثبت اور صحت مند رویہ ہے۔ نعت کہنے، پڑھنے اور اس پر غور و فکر کرنے والوں کو ضرور احساس ہوگا کہ اب نعت کے ادبی پہلوؤں پر بے لاگ گفتگو کی ضرورت اپنی جگہ اہم ہے۔

راجا صاحب نے مذکورہ مضمون میں مرحب ”نعت رنگ“ (راقم الحروف) کو بھی خصوصی توجہ سے لو لیا ہے اور کچھ اعتراضات اور بدگمانیوں کا بھی اظہار فرمایا ہے۔ یہ مضمون وہ کسی اور جگہ میں چھپواتے تو شاید میں ان اعتراضات کا

جواب نہ دیتا بلکہ خاموشی اختیار کرتا مگر ”نعت رنگ“ میں اس کی اشاعت کے باوجود میری خاموشی کہیں ایسا نہ ہو کہ نیم اثبات کے دائرے سے نکل کر مکمل احترام سمجھ لی جائے۔ بدگمانوں سے تو باہمی ربط و تعلق کم زور ہوتا ہے اور نعت سے وابستگی کے سبب میں نہیں چاہتا کہ نعت کے کسی بھی خدمت گزار سے میری کسی کوتاہی کی وجہ سے تعلق کم زور ہو، سو یہ طور محض راجا صاحب کی بدگمانوں کے زور کرنے کی ہی ایک عاجزانہ مخلصانہ کوشش ہیں۔

محترم راجا صاحب نے اپنے مضمون کے پہلے ہی پیرا گراف میں اس خاکسار کو (جو ایک طویل عرصے سے ان کی نعت گوئی پر مضمون لکھوانے کی فکر میں تھا) ”دیارِ نعت“ پر تہرے کی صورت میں میری کامیاب کوشش پر مبارکباد دی ہے۔ بے شک راجا صاحب کا یہ فرمان سچا ہے مگر یہ سچ ادھر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تاجز (مرتب ”نعت رنگ“) مدیر ماہ نامہ ”نعت“ راجا صاحب کی نعتیہ خدمات کا مستحق تھا، اور ہے، اسی لیے وہ راجا صاحب (بلکہ ہر خدمت گزار نعت کی) خدمات پر کوئی مفصل مضمون ”نعت رنگ“ شائع کرنا چاہتا تھا اور یہ خواہش اب بھی میرے دل میں موجود ہے۔ اسی جذبے کے تحت میں نے نعتیہ ادب کے مستحقانوں جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید اور جناب پروفیسر محمد اکرم رضا سے رابطہ کر کے انھیں راجا صاحب کے مجموعی کام پر لکھنے کی فرمائش کی اور خود راجا صاحب نے بھی کمال مہربانی فرماتے ہوئے جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید کے نام اپنے ایک خط میں میری اس شدید خواہش اور مسلسل اصرار کا ذکر کرتے ہوئے ان سے مضمون لکھنے کی تمنا کا نہ صرف خود اظہار فرمایا بلکہ اسے اپنے لیے بے حد الفاظ و اعزاز تصور کرتے ہوئے اس کام کی تکمیل کے لیے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی بھی کروائی اور اس کے ساتھ ساتھ انھیں مکمل کر لکھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، یہی نہیں بلکہ سبب مقامات اس مضمون کے ”نعت رنگ“ میں اشاعت پذیر نہ ہونے کی صورت میں اس تحریر کے لیے وہ نامہ ”نعت“ کی اشاعت خصوصی کا اشارہ بھی دیا۔ اس تفصیل کا مقصد راجا صاحب سمیت تمام احباب کو یہ یقین دلانا ہے کہ راجا صاحب یا کسی بھی نعت گو پر مضمون لکھوانے یا شائع کروانے کے میں مرتب ”نعت رنگ“ کا جذبہ خیر کار فرما ہوتا ہے نہ کہ کچھ اور۔

راجا صاحب کو مرتب ”نعت رنگ“ کے جذبہ خیر و غلوں کو جانتے ہو مجھے صرف اپنے مضمون کو دینی کرنے کی کوشش میں اسے شراغیازی کے طور پر ظاہر کرنے اور طہریہ مبارک باد کے لفظ لکھنے پر اور دانہ غور کرنا چاہیے۔

رہا مسئلہ ڈاکٹر سید فہیم احمد گوہر کے ”دیارِ نعت“ پر تہرے کا، تو وہ مرتب ”نعت رنگ“ کی خواہش یا ایما پر ہرگز نہیں لکھا گیا اس کی تصدیق کے لیے ڈاکٹر صاحب کے یہ جملے ہی گواہ ہیں:

اس بار ”دیارِ نعت“ کے حوالے سے راجا صاحب نے بہت مایوسی کیا اس مایوسی کا اظہار تہرے میں موجود ہر گرام آپ حضرات کو قابل قبول ہو تو شائع فرمادیں۔

(مکتوب ڈاکٹر سید فہیم احمد گوہر مشمولہ ”نعت رنگ“ نمبر ۱۵، ص ۱۶۹)

ممکن ہے راجا صاحب اس شمارے میں شامل یہ خط تادم تحریر نہ دیکھ سکے ہوں اور اسی وجہ سے بدگمانی کا ظہار ہو گئے ہوں۔ اُمید ہے وہ اپنی بدگمانی کو دور کرتے ہوئے طہریہ مبارک باد کے الفاظ پر ضرور غور فرمائیں گے، ہاں وہ مجھ سے اس تہرے کی اشاعت کے بارے میں پوچھنے کا حق رکھتے ہیں اور پوچھ بھی سکتے ہیں۔

ایک اعتراض راجا صاحب کے مضمون میں شامل ان جملوں میں بھی سامنے آیا ہے۔

میں بھی مدبر ”نعت رنگ“ کی طرح اپنے کلام پر تقریبی مضمون لکھوا کر ماہنامہ ”نعت“ میں چھاپا رہتا۔

راجا صاحب ذرا تھکے دل سے سوچیں کہ یہ اس طرزِ تقریر کا کون سا محل ہے؟ وہ فرمائیں کہ اس بات کا فہم گو ہر صاحب کے تہرے سے کیا تعلق ہے؟ اور پھر انھوں نے کس بنیاد پر یہ گمان کر لیا کہ وہ مضامین مرتب ”نعت رنگ“ نے خود لکھوائے ہیں؟ ہاں اگر ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ مرتب ”نعت رنگ“ نے ”نعت رنگ“ میں اپنی شاعری پر مضمون

کیوں شائع کیے تو میں (باوجود اس کے کہ یہ اس اعتراض کا نکل نہ ہوتا) خوش بھی ہوتا اور ان کے اس اعتراض کو قبول بھی کرتا کہ انھوں نے غلطی سے کا حق ادا کرتے ہوئے مجھے ازراہ محبت ٹوکا ہے۔ بایں ہمہ میں ان کا ممنون ہوں کہ انھوں نے میری توجہ میری اس کوتاہی کی جانب مبذول کروائی لیکن کاش وہ ایسا کرتے ہوئے میرے اس ایثار کی طرف بھی توجہ فرماتے بلکہ اس کی داد بھی دیتے کہ میں نے کبھی اپنے رسالے کو مکمل طور پر اپنی ہی غلطیات سے مزین کر کے، صرف اپنی فوجیات، اعزازات اور اولیات کے اشتہارات سے آراستہ کر کے یا صرف اپنی ہی ذات کے گرد گھومتی خبروں کو ”اختیارِ نعت“ کے نام سے اپنے قارئین پر قلمبند کرنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ میرے سامنے اس کی مثال موجود تھی۔

راجا صاحب کا ایک اور اعتراض خود میرے لیے بھی حیران کن ثابت ہوا ہے، انھیں یہ گن ہلکہ بدگمانی ہے کہ میں ان مسلمان اعلیٰ قلم سے کوئی خاص لگاؤ اور محبت رکھتا ہوں جو ہندوستان کے باشندے ہیں، اور انھوں نے از خود اسے میری ”ہندوستان پسندی“ قرار دے دیا ہے۔ ایسا شاید صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے مقالے پر ایک مضمون (جو راجا صاحب نے اس مقالے کی تقریب پڑائی میں پڑھا تھا) میں نے ان سے ”نعت رنگ“ میں اشاعت کی غرض سے مانگ لیا، مگر کچھ عرصے بعد انھیں فون کر کے ”نعت رنگ“ میں اس کی اشاعت سے معذوری ظاہر کی اور اسے کسی اور پرچے میں شائع کروانے کی اطلاع بھی دی۔ غالباً یہی وہ بات ہے جسے راجا صاحب نے جانے کیوں کسی تعصب کی بجائے پڑھا دیا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ تو وہی بہتر بتائیں گے تاہم میں اس ضمن میں اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نعت پر کام کرنے والوں کو کبھی بھی جغرافیائی حدود میں پابند کرنا یا علاقائی سطح پر ہی تقسیم کر کے نہیں دیکھتا اور نہ ہی اس تلاش کی کسی تقسیم کو درست سمجھتا ہوں۔ میرے لیے نعت کا کوئی خدمت گزار چاہے وہ کسی خطے اور کسی ملک کا رہنے والا ہو، چاہے اس نے نعت کے موضوع پر سفر صفحات کی کتاب لکھی ہو یا ہزار صفحات کا مقالہ لکھا ہو، چاہے اس کے چوبیس مجموعے شائع ہوئے ہوں یا اس نے چند نہیں کیے ہوں یکساں احترام کے مالک سمجھتا ہوں کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ کس کا مرید یا کس کا کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کتنا مقبول ہے؟ میں سب کی خدمات اور کام کو نہ صرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں بلکہ اس کے اعتراف اور وسیع تر پھیلاؤ میں کبھی ہٹنے سے کام نہیں لیتا، ”نعت رنگ“ کے شمارے اس بات کے گواہ ہیں۔

دہی بات راجا صاحب کے مضمون کی ”نعت رنگ“ میں اشاعت پڑے ہوئے کی وجہ سے میں نے راجا صاحب کو مضمون شائع نہ ہونے کی اطلاع دی تھی تو یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس مقالے پر عربی زبان و ادب کے فاضل استاد جناب پروفیسر علی حسن صدیقی کا تبصرہ مجھے مل گیا ہے اور میں اسے ”نعت رنگ“ میں شامل کر رہا ہوں اتنی بات تو راجا صاحب کو بھی معلوم ہونی چاہیے کہ کسی بھی مدبر یا مرتب کی پہلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے قارئین کے لیے زیادہ وسیع اور بھرپور مواد تلاش کر کے پیش کرے اور اس سلسلے میں مرتب یا مدبر کو انتخاب کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے اس معمولی سی بات کو کوئی اور معنی پہناتا یقیناً درست نہیں۔

راجا صاحب نے اپنی تحریر میں ایک جگہ مجھے ”تہذیب کا فلسفہ دار“ قرار دیتے ہوئے یہ فرمان بھی جاری فرما دیا ہے کہ: افسوس مدبر ”نعت رنگ“ ہر مطلب دیا بس کو تہذیب سمجھ لیتے ہیں اور پڑھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ راجا صاحب مزاج کے بھی راجا ہیں، میں اکثر ان کو اپنے خطوط میں پیار سے ”مملکتِ خدامِ نعت کے راجا“ لکھتا رہا ہوں اور صرف لکھتا ہی نہیں بلکہ سمجھتا بھی رہا ہوں۔ کاش وہ مجھے اس خوش گمانی میں ہی رہنے دیتے کہ میں ان کی اس مملکت میں شامل ہوں بلکہ ان کی رعایا کا ایک فرد ہوں۔ لیکن خیر، جو چاہے ان کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ تاہم ان کے اس فرمان عالی شان کے بعد کسی وضاحت کی گنجائش بھلا کہاں رہ جاتی ہے۔ اگر جان کی امان ملے تو صرف اتنا عرض کروں کہ میں نے ان کا مضمون پڑھ بھی لیا ہے اور سمجھ بھی لیا ہے۔ وہ اس کوتاہی کو میری نا تجربکاری پر محمول کرتے ہوئے درگزر سے کام لیں کہ میں نے ان تمام مسائل اور ان کے ارشادات عالیہ کے بعد نہ صرف ان کے مضمون کو پڑھنے اور سمجھنے کی مقدور بھرپور کوشش کی ہے بلکہ اس مضمون کی اشاعت کا جو تحریری وعدہ انھوں نے مجھ سے لیا تھا، اس کا ایفا بھی کر رہا ہوں۔

مدیر ”نعت رنگ“ ایک طویل عرصے سے (جو کئی برسوں پر محیط ہے) اس کوشش میں تھے کہ احقر کی نعتیہ شاعری پر مضمون لکھوائیں۔ آخر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اور ”نعت رنگ“ کے شمارہ ۱۵ (مئی ۲۰۰۳) میں ڈاکٹر شمیم گوہر (بھارت) نے میری مکمل نعتیہ شاعری نہ سہی ۲۱ ویں مجموعے ”دیارِ نعت“ کا مطالعہ فرمالیا۔ مدیر ”نعت رنگ“ کو مبارکباد!

ڈاکٹر شمیم گوہر کے ”مطالعے“ کے تجزیے سے پہلے میں یہ حقیقت ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ میں نعت میں تقاریر یا شاعرانہ قہقہے کا سرے سے قائل ہی نہیں۔ میرا شاعری کے حوالے سے قطعاً کوئی دعویٰ نہیں۔ میرے تمام مجموعہ ہائے نعت میں اس مضمون کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ صرف زیرِ نظر مجموعے ”دیارِ نعت“ کو لیں تو اس میں بھی یہ اشعار موجود ہیں:

لکھا محمود بہت ان کی ٹا میں لیکن
نعت گویانِ سبیر ~~صلی اللہ علیہ وسلم~~ میں میں کتر نکلا
میں نعت کہتا ہوں دل سے اسی لیے تو مری
کبھی کسی نے نہ محمود خود نمایاں دیکھیں
رہا ہے نعت میں محمود عاجزی کا خیال
گناہگار نہیں ہوں میں خود ستائی کا
ان کی نعتوں میں کیف کیا محمود
جن کو عادت ہے خود ستائی کی (۱)

ادبی مجلے ”خیال و فن“ دوحہ (قطر) / لاہور کے ”ادبی انٹرویوز نمبر (اکتوبر ۲۰۰۲) میں احقر کا جو انٹرویو چھپا اس میں ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ”میں اپنی نظر میں اب تک معیاری نعت نہیں کہہ سکا چنانچہ کہا کرتا ہوں کہ میں شعراءِ نعت کی آخری صف کا آدمی ہوں۔“ (۲) اور غالب کے اس شعر کا قائل ہوں:

خوے آدم دارم آدم زادہ ام
آفکارا دم ز حصیاں می دم

چونکہ منافقت و مہانت میرے مذہب میں حرام ہے اس لیے جو کچھ کہتا ہوں اس سے میرا مطلوب و مقصود بھی کچھ اور نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر شمیم گوہر نے اپنے تمہیدی پیرا گراف میں یہ تاثر دیا کہ انھیں میرے متعدد مجموعوں کے مطالعے کا موقع ملتا رہا لیکن اغلاط انھیں ”دیارِ نعت“ میں نظر آئیں جن کی بنیاد پر

”دیار نعت“ پر اعتراضات کا تجزیہ اور ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

انہوں نے مضمون لکھ ڈالا۔ میں تو ان کی اس تاثراتی رائے سے بھی متفق نہیں ہوں کہ میرے پہلے مجموعے اغلاط سے پاک تھے۔ اگر مجھے یہ خوش گمانی ہوتی تو میں بھی مدیر ”نعت رنگ“ کی طرح اپنے نعتیہ کلام پر تعریفی مضمون لکھوا کر ماہنامہ ”نعت“ میں چھاپتا رہتا۔ شاید یہ حقیقت قارئین محترم کے لیے باعث استعجاب ہو کہ ایسے کئی مضمون مختلف وقتوں میں لکھے گئے لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی ماہنامہ ”نعت“ کی زینت نہیں بنا۔ میں نے عرض کیا تھا:

میری جانب بھی توجہ کی نظر ہوتی ہے

گرچہ میں نعت کے خدام میں احقر تر ہوں (۳)

ایسے میں ”نعت رنگ“ میں میرے خلاف ایک تنقیدی مضمون شائع ہونے پر مجھے حیرت ہوئی۔ اس کی ایک وجہ تو حسد بھی ہو سکتی ہے کہ ڈاکٹر شمیم گوہر کی اب تک ۷۰ صفحات کی ایک کتاب ”اُردو کا نعتیہ ادب“ ہی چھپی ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ صفحہ ۷ سے ۴۰ تک گوہر صاحب کی تحریر ہے ذیلی عنوانات میں نعت کی تعریف و توجیح۔ کچھ حقائق و انکشاف (۴) مصنف نعت کی بابت۔ نعتیہ شاعری کی ابتدا اور ارتقا۔ اُردو نعتیہ شاعری کا ماضی و حال ہیں۔ صفحہ ۴۲ سے آخر تک سودا، شہید، شہید، محسن، امیر، احمد رضا اور حسن رضا بریلوی کے قصائد نعتیہ کا انتخاب ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم الحروف نے اب تک نعت کے موضوع پر دنیا میں سب سے زیادہ کام کیا ہے۔ اب تک میرے ۲۴۔ اُردو اور تین پنجابی مجموعہ ہائے نعت چھپ چکے ہیں۔ اُردو مطبوعہ مجموعے یہ ہیں: در فضا لک ذکرک، حدیث شوق، منشور نعت، سیرت منکوم ۹۲، ہجر کرم، مدح سرکار ﷺ، قطعات نعت، حی علی الصلوٰۃ، خمسات نعت، تضامین نعت، فردیات نعت، کتاب نعت، حرف نعت، نعت سلام ارادت، اشعار نعت، اوراق نعت، مدح سرور ﷺ، عرفان نعت، دیار نعت، تسبیح نعت، مباح نعت اور احترام نعت۔ شعاع نعت، دیوان نعت اور منتشرات نعت تیار ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز مارچ ۲۰۰۴ تک چھپ جائیں گے۔ اس طرح اُردو مجموعہ ہائے نعت کی نعت ۲۷ ہو جائے گی۔ واردات نعت اور حمد میں نعت زیر تدوین ہیں۔ (اب تک سب سے زیادہ مجموعہ ہائے نعت حافظ لدھیانوی مرحوم کے چھپے ہیں۔ ان کے آخری مجموعے ”قرآن ناطق“ پر ۲۶ واں مجموعہ نعت تحریر ہے)

ان میں احقر کے کچھ تخصصات اور کچھ اولیات بھی ہیں مثلاً ”سیرت منکوم“ قطعات کی صورت میں ہے۔ ”ہجر کرم“ کے ہر شعر میں مدینہ طیبہ کا ”حی علی الصلوٰۃ“ کے ہر شعر میں درود پاک کا اور ”نعت“ کے ہر شعر میں نعت رسول مقبول ﷺ کا ذکر ہے۔ ”خمسات نعت“ نعتیہ خمسون کا پہلا مجموعہ ہے۔

”تضامینِ نعت“ میں علامہ اقبالؒ کے ۵۳ نعتیہ اشعار کی تفصیلات ہیں۔ ”سلامِ ارادت“ میں غزل کی ہیئت میں ۹۲ سلام ہیں۔ ”عرفانِ نعت“ کی ۶۳ نعتیں قرآن پاک کی آیات کے حوالے سے ہیں۔ ”دیارِ نعت“ میر تقی میر کی ۵۳ زمینوں میں کئی گئی نعتوں کا مجموعہ ہے۔ فریادِ نعت، اشعارِ نعت اور منتشراتِ نعت نعتیہ فردیات کے مجموعے ہیں۔ احقر کی ۸۰ فی صد سے زائد نعتیں نئی ردیفوں میں ہیں۔

تحقیقِ نعت میں جو کام سامنے آیا ہے اس میں پاکستان میں نعت (۲۲۳ صفحات) ’خواتین کی نعت گوئی‘ (۲۳۶ صفحات) ’نعت کیا ہے؟‘ (۱۱۲ صفحات) ’اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلو پیڈیا۔ جلد اول‘ (۲۰۸ صفحات) ’اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلو پیڈیا۔ جلد دوم‘ (۲۴۰ صفحات) ’اقبال و احمد رضا: مدحتِ گرانِ پیغمبر ﷺ‘ (۱۲۸ صفحات) اور انتخابِ نعت (مشمولہ ماہنامہ ”نعت“۔ دسمبر ۱۹۹۵) شامل ہیں۔

تدوینِ نعت میں مدحِ رسول ﷺ، نعتِ خاتمِ المرسلین ﷺ، نعتِ حافظِ قلزمِ رحمتِ نعتِ کائنات، مدحِ سرورِ کونین ﷺ اور سخنِ نعت کتابی شکل میں ہیں اور ”نعت کیا ہے؟“ (مشمولہ ماہنامہ نعت فروری ۸۸، اپریل ۹۵، مئی ۹۵، جون ۹۵-۲۳۸ صفحات) ”اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو“ (مشمولہ ماہنامہ نعت اپریل ۸۸، جون ۸۸، ستمبر ۸۹، اور جولائی ۹۰-۲۳۸ صفحات) اور ”نعت ہی نعت“ (مشمولہ ماہنامہ نعت اکتوبر ۹۳، فروری ۹۴، اکتوبر ۹۴، مارچ ۹۵، ستمبر ۹۵، فروری ۹۶، فروری ۹۷، اپریل ۹۸، دسمبر ۹۸، اکتوبر ۹۹، اگست ۲۰۰۰، ستمبر ۲۰۰۱، اپریل ۲۰۰۲، اور جولائی ۲۰۰۲۔ ساڑھے چودہ سو صفحات) اب تک اشاعت پذیر ہوئے۔

تدوینِ حمد میں دو کاوشیں حمدِ باری تعالیٰ (مشمولہ جنوری ۱۹۸۸-۱۱۲ صفحات) اور حمدِ خالق (۲۳۲ صفحات) شائع ہوئیں۔

ماہنامہ ”نعت“ جنوری ۱۹۸۸ سے باقاعدگی سے جاری ہے اور اب تک اس کے ۲۱۰۰۰ سے زائد صفحات شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے درج ذیل شمارے تمام وکمال راقم الحروف کی تالیفات کا درجہ رکھتے ہیں:

غیر مسلموں کی نعت (چار شمارے) ’لاکھوں سلام (دو شمارے)‘ کلامِ ضیاء القادری (دو شمارے) ’سلامِ ضیاء القادری (دو شمارے)‘ آزاد بیکانیری کی نعت (دو شمارے) ’حسن رضا بریلوی‘ غریب سہارنپوری، علامہ اقبالؒ، بہزاد لکھنوی، محمد حسین فقیر، اختر الہامی، شیوا بریلوی اور جمیل نظرؒ کفایت علی کافی، لطف بریلوی، جوہر میرٹھی، عبدالقدیر صدیقی، حسرت، حقیر فاروقی، حمید صدیقی، لکھنوی، عابد بریلوی کے نعتیہ کلام کا انتخاب اور مقدمے۔ نیز وارثیوں کی نعت، نعتیہ مسدس، نعتیہ رباعیات، آزاد نعتیہ نظم

”دیار نعت“ پر اعتراضات کا تجزیہ اور ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

تصنیفیں، نور علی نور استقامت، موج نور فیضانِ رضا اور حضور ﷺ کے لیے لفظ ”آپ“ کا استعمال کے موضوعات پر خاص شمار ہے۔

پھر احقر کو خیال آیا کہ صرف میری نعتیہ کاوشیں بھی ڈاکٹر شمیم گوہر کو اس مضمون کے ارقام پر آمادہ کیوں کرتیں کہ میرا ان کا کوئی تعارف نہیں، میں نے اب تک ان کے یا ”نعت رنگ“ کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔ ایسے میں ان کے مضمون کے دوبارہ غائرانہ مطالعے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میرے کلام میں ”اہمیت“ کے تلفظ نے انھیں غصہ دلایا ہے۔ انھوں نے میرے ایک آدھ لفظ کو ”غلط“ تو کہا ہے لیکن ”لغو“ کا لفظ صرف ”اہمیت“ کے درست استعمال ہی پر برتا ہے۔ ”لغو“ کا لفظ تنقید نہیں، تنقیص بھی نہیں، یہ تو غصے کا اظہار ہے، نفرت کی علامت ہے، دشمنی کی صورت ہے۔ اور یہ دشمنی عربی زبان سے ہے۔

میں نے ”اہمیت“ کو درست عربی تلفظ میں استعمال کیا ہے

سدرہ کی منزل پہ رُکنے کی اہمیت سمجھ

اس لفظ کے بارے میں ڈاکٹر گوہر نے لکھا ”غلط اور لغو ہے“۔ قرآن جاییں اس طرزِ ظلم کے۔

رہاں بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجے دہن بگڑا

”اُپکار“ پسند ڈاکٹر گوہر جس طرح ہندوؤں اور ہندی کے زیر اثر معلوم ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ

یہی نکلتا تھا کہ وہ عربی تلفظ کو غلط اور لغو قرار دیتے۔ ہندو معاشرت، ہندو سیاست، ہندو انا، تعلیم اور ہندی پسندی کو لامحالہ یہی کچھ کرنا تھا۔ ہندوستان کے بہت سے رہنے والے بہت حد تک مجبور اور کسی حد تک معذور نظر آتے ہیں کہ دینی شعائر اور اسلامی زبان سے اپنی مغائرت بلکہ محاصرت کا ثبوت دیں۔ بد قسمتی سے وہاں کے کئی مسلمان اب تک متحدہ ہندوستان کی راگنی الاپتے ہیں، ہندو خواتین سے شادیاں رچا بیٹھے ہیں، کچھ نے اپنی بیٹیاں ہندوؤں کو بیاہ دی ہیں اور ہندو معاشرت کا ”اٹوٹ انگ“ بن گئے ہیں۔ مثلاً ۴ جولائی ۲۰۰۳ کے قومی اخبارات میں یہ خبر چھپی کہ کولکتہ یونیورسٹی میں تاریخ اسلام اور عربی لٹریچر کے پروفیسر ہارون الرشید نے کولکتہ اور مدراس میں پانچویں اور چھٹی جماعت میں پڑھانے کے لیے جو کتاب لکھی ہے اس میں حضور محمد رسول اللہ ﷺ، حضرت آدمؑ، ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء کرامؑ اور مذہبی شخصیات کے تصویری خاکے بھی ہیں۔ ان ”مسلمان“ مصنف صاحب کا اصرار ہے کہ کسی احتجاج کی پروا نہیں کی جائے گی، نہ کتاب تبدیل ہوگی، نہ فروخت رُکے گی (۴)۔

یہ درست ہے کہ ہم نے بہت سے عربی الفاظ کو اردو الیا ہے اور ان کے تلفظ میں بھی تبدیلیاں کر لی ہیں لیکن اگر کوئی شخص اصل عربی تلفظ کو استعمال کرے تو اس پر اعتراض کرنا اور پھر عربی زبان پر غصہ

نکالنا کہاں تک جائز ہے۔ کسی لفظ کے بولنے یا لکھنے میں مقامی طور پر یا کسی دوسرے ملک میں کوئی تبدیلی در آئے تو اس سے لفظ کو درست طور پر استعمال کرنے والا تو غلط نہیں ہو سکتا اور اصل لفظ تو ”نعت“ قرار نہیں پاتا۔ مثلاً سعودی عرب میں شقوت اور ق کوگ بولنے لگے ہیں۔ مثلاً کو حلاۃ، ثمانیہ کو تمانیہ، قبا کو گبا، قصر کو کسر کہتے ہیں۔ مصر میں ج کوگ بولتے ہیں، گمال عبدالناصر۔ شاید گردوں کا کوئی علاقہ ک کوچ کہتا ہے۔ اللہ اعلم۔ وہاں اگر کوئی شخص ان الفاظ کو درست طور پر استعمال کرے تو کیا گناہگار اور مجرم بن جائے گا۔ بنگلہ دیش میں ج کو ذ، ض، ظ کی آواز دیتے ہیں تو کیا وہاں جلیل الدین کو اس کے صحیح تلفظ میں پکارنے والا خطا کار ہوگا۔ عرب میں الا تو ماسیکیہ، ناسیونال ملتیون لکھتے ہیں لیکن اگر کوئی آٹو بیگ، بیٹھل اور لیٹن کہے گا تو کیا غلط کرے گا۔

تفصیل، تغیر، تمیز اور تحیل، تغیر، تمیز میں بنیادی طور پر معمولی فرق بھی ہے لیکن اردو میں یہ فرق روا نہیں رکھا جاتا جیسے سب، فرس، رخل وغیرہ گھوڑوں کی مختلف قسمیں ہیں مگر ہم انہیں نہٹ ”گھوڑے“ کے معنوں ہی میں برتتے ہیں۔ ایسے میں تفصیل، تغیر، تمیز لکھنے والا غلط کار کیسے ٹھہرے گا۔

”نعت رنگ“ اور اس کا فاضل ایڈیٹر تنقید کے ٹھیکیدار ہیں لیکن ان کے نزدیک ایک سراسر مخالفانہ مضمون (جس کے مندرجات کا تجزیہ آئندہ صفحات میں کیا جا رہا ہے) تنقید سے پرے کی کوئی چیز نہیں ٹھہرا۔ ”دیارِ نعت“ کے ۵۱۔ اشعار میں سے کوئی ایک شعر بھی ڈاکٹر فہیم گوہر کو اچھا نہیں لگا، انہیں پورے مجموعے میں کوئی بات حمسین کے لائق نہیں ملی۔ تنقید تو نام ہے ایسے محاکے اور تجزیے کا جس میں محاسن اور معائب دونوں آئیں۔ میرے خیال میں اس مضمون کی اشاعت کا سبب احقر سے مدیر ”نعت رنگ“ کی خاصیت یا دشمنی تو ہو نہیں سکتا، البتہ ان کی ہندوستان پسندی یا ہندوستانی دوستوں سے یک گونہ لگاؤ اور محبت ضرور ہو سکتا ہے کیوں کہ محکمہ اوقاف پنجاب نے لاہور میں ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے پی ایچ ڈی کے مقالے ”برصغیر پاک و ہند میں عربی شاعری“ کی کتابی صورت میں اشاعت کے بعد فروری ۲۰۰۳ میں ایک تقریبِ تعارف کا اہتمام کیا جس میں دیگر صاحبانِ علم و فضل کے ساتھ صلیح رحمانی مدیر ”نعت رنگ“ کو بھی بلایا گیا۔ وہاں راقم الحروف نے جو مضمون پڑھا، وہ تقریب کے بعد مدیر ”نعت رنگ“ نے مجھ سے اشاعت کے لیے مانگ لیا لیکن بعد میں اسے نہیں چھاپا اور مجھے فون پر بتایا کہ وہ ”نعت رنگ“ کی بجائے کسی اور پرچے میں اسے چھپوائیں گے۔ میں نے اس مضمون میں لکھا تھا:

”مجلہ ”نعت رنگ“ کراچی کی حالیہ اشاعت (شمارہ ۱۳) میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے اس (ڈاکٹر محمد صدرا الحسن عدوی کے) مقالے کے تعارف میں ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے (۵)۔ اس سلسلے میں

”دیار نعت“ پر اعتراضات کا تجزیہ اور ڈاکٹر فہیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

کئی بات تو یہ ہے کہ ہمارے لیے ۱۹۴۷ء تقسیم ہند کے دکھ کا نہیں، قیام پاکستان کی مسرتوں کا سال ہے لیکن بھارت نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود پاکستان کی حقیقت کو تسلیم نہیں کیا لہذا ”اکھنڈ بھارت“ ان کے خوابوں کی ایک زندہ حقیقت ہے۔ اسی لیے صدر الحسن بدوی کے مقالے کا عنوان ہے۔ ”دراسات فی المدائح النبویہ بالہند باللغۃ العربیہ“۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ ”ہندوستان میں عربی نعت گوئی“ کے اس عربی مقالے میں صرف بھارت کے عربی نعت گوؤں کا ذکر ہوگا۔ نہیں۔ مطلب ”برصغیر پاک و ہند“ ہی ہے لیکن کہا ”ہندوستان“ ہی جاتا ہے۔ کیوں کہ مقالے میں علامہ امین علی روجی کا ذکر ہے جو ہجرات کے تھے۔ محمد یوسف بنوری پشاور میں پیدا ہوئے۔ مفتی جمیل احمد تھانوی پاکستانی ہیں۔ مفتی محمد شفیع ۱۹۳۸ء میں اور محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۴۹ء میں پاکستان آ گئے تھے۔ ظفر احمد تھانوی نے ڈھاکہ میں پہلا پاکستانی پرچم لہرایا تھا۔

”نعت رنگ“ کی دوستیاں اور محبتیں برحق کہ ان کا دائرہ ایڈیٹر کی حد تک احقر سے بھی ہے۔ لیکن میں ایک بار دہرانا چاہتا ہوں کہ میں نعت گو کے عجز کو نعت گوئی کا ساتھ لازم و ملزوم سمجھتا ہوں اور قطعاً اس گمان میں نہیں ہوں کہ میرے کلام میں کوئی خامی نہیں۔ میں نعت گوؤں کی آخری صف میں جگہ پانے کا خواہش مند ہوں۔ بشر بھی ہوں۔ غلطیوں اور خامیوں سے مبرا نہیں ہوں۔ جب میرا اس باب میں کوئی دعویٰ ہی نہیں ہے تو فہیم گوہر صاحب کو میری غلطیاں تلاش کرنے بلکہ گھڑنے کے لیے اتنی تک ودو کیوں کرنی پڑی..... اور پھر غلطی کون نہیں کرتا۔ جب غالب جیسا بڑا شاعر ”دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے“ کا مرتکب ہو سکتا ہے اور یار لوگوں نے اس کی اور بہت سی غلطیوں کی نشاندہی بھی کر رکھی ہے تو کون غلطیوں سے پاک کلام کہہ سکتا ہے۔

کوئی بہت بڑا ادیب جو عروض کو سمجھتا زبان کو جانتا عربی سے محاصرت نہ رکھتا، نعت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتا اور خود بہت اچھا شاعر ہوتا..... میرے کلام پر اعتراض کرتا تو میں اس کا شکریہ ادا کرتا لیکن ڈاکٹر فہیم گوہر (جن کی علیت زبان دانی عروض سے واقفیت عربی سے ایک خاص تعلق اور شاعری کا معیار آئندہ صفحات میں ثابت ہو جائے گا) نے جس طرح ”غلطی سازی“ کا تردد کیا ہے اس پر میں ان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

سب سے پہلے تو ڈاکٹر گوہر کی درج ذیل عبارتیں پڑھیے اور سردہنیے:

..... تو دوسری طرف نعتیہ شعری رفتار کے ذریعے فریضے اور ان کی ایمانی کارکردگی کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ راجا صاحب عشق رسالت کے متعلق بعض مسائل و پیچیدگی اور عیوب و نقائص کو

دیکھتے ہوئے حیرت بھی ہوئی کہ.....“ (ص ۳۲۵)

”دیار نعت میں راجا صاحب نے احتیاط و اجتناب اور فنی قباحتوں کو متحد مقامات پر بے لگام

چھوڑ دیا ہے“ (ص ۳۲۶)

”اب یہ زبان نہ صرف غیر مستعمل بلکہ متروک بھی قرار دی جا چکی ہیں“ (ص ۳۲۶)

”سو کی واؤ گر گیا“۔ ”رسول کی ل گر گیا“۔ ”پر کی ر گر گیا“ (ص ۳۲۸)۔ ”کل کی ل گر گیا

(ص ۳۲۹)۔ ”مطبوعہ پر کوئی ضرب نہیں آیا“ (ص ۳۲۹)

انھوں نے میرے بعض مصرعوں میں الفاظ یا بدل دیے ہیں یا کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً

”تھے اور بھی رسل مگر رب نے حبیب ﷺ کو“

میں مگر کو کر لکھا ہے۔ (ص ۳۲۸)

”سدرہ کی منزل پہنچنے کی اہمیت سمجھ“

میں پہ کو پر اور سمجھ کو سمجھ کر دیا ہے۔ (ص ۳۲۹)

”بچے پڑی ہیں آج کل بیماریاں بہت“

میں کل کے بعد ”تک“ کا اضافہ کر دیا ہے۔ (ص ۳۲۹)

دینے رسا لازماً ہو گے تم

بڑھاؤ قدم رہگور کی طرف

کی طرف کو“ کے لیے“ میں تبدیل کر دیا ہے (ص ۵۲۹)

اگر اس معاملے میں ڈاکٹر شمیم گوہر کو اور کوئی جواب نہ سوجھے اور اپنی عبارتوں اور میرے

مصرعوں میں تبدیلیوں کو کمپوزنگ اور پروف خوانی کی غلطیاں قرار دیں تو پھر سوچنا چاہیے کہ انھوں نے

میرے مجموعے کی کسی ”غلطی“ کو کس مقصد سے کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی غلطی نہیں سمجھا۔ ہر ایسی بات

پر بھی میرے پر سے ہیں۔

اب آئیے ڈاکٹر صاحب کے ”مطالعے“ کا جائزہ لیں۔

پہلے پہل نکالیں چکا چوند آئیں

اس پر حضرت نے لکھا۔ ”آئیں“ کا چکا چوند ہونا محاورہ تو جانتا ہوں ”چکا چوند آئیں“ کی

مجھے کوئی خبر نہیں۔ ”ڈاکٹر صاحب کو پڑھنے کا ذوق نہیں“ لکھنے کا شوق ہے اور وہ بھی شاید نیا نیا چھایا ہے۔

اُردو محاورہ تو ”آئیں“ چکا چوند آنا/لکنا“ ہی ہے ہندی میں ”چکا چوند“ ہونا ہو تو پتا نہیں کیوں کہ ہندی سے

قائمت درجہ محبت ان کی نعت میں بھی نظر آتی ہے (جس کا ذکر آگے آئے گا)

نور اللغات:

چکا چوندا آتا۔ چکا چوندا لگتا۔ آنکھوں کے آگے روشنی کے باعث اندھیرا آتا۔ تابِ نظارہ نہ آتا (۶)

فرہنگِ آصفیہ:

چکا چوندا لگنا یا آنا۔ فضل لازم۔ آنکھوں کے آگے روشنی کے باعث اندھیرا آتا۔ تابِ نظارہ نہ لانا (۷)

مختصرِ اردو لغت (۸)

لائد اللغات (۹)

علمیِ اردو لغت (۱۰)

جدید نسیم اللغاتِ اردو (۱۱)

کفایتِ اردو لغت (۱۲)

فرہنگِ کارواں (۱۳)

اظہر اللغات (۱۴)

صرف ”فرہنگِ آصفیہ“ میں بحر کے اس شعر میں ”چکا چوندا ہوتا“ استعمال ہوا ہے مگر یہاں

آنکھوں کا معاملہ نہیں ہے۔

سورج مکھی کو بحر چکا چوندا ہو گئی

تم نے ذرا جو داغ سے پھایا اٹھا لیا

احقر کا شعر ہے:

میرے آقا ﷺ عطا ہیں اور میں ہوں خطا

دیکھ لو انتہائیں کیا کیا ہیں

”انتہا کی جمع ”انتہائیں“ عموماً مروج نہیں۔ مگر بعض حالات میں معنی کی کسی صورت کو کلی طور

پر اپنی انفرادیت کے ساتھ واضح کرنے کے لیے ایسا کیا جاسکتا ہے۔ واضح ہو کہ نفس و آفاق کے دائرے

میں فکرِ انسانی کئی جہتوں سے عمل پیرا ہے۔ حیات و کائنات کے ہارے میں فکرِ انسانی کی صرف ایک انتہا

نہیں، کئی انتہائیں ہیں۔ اس کے بغیر اس کی باطنی مہمات کو درطہ تحریر میں لایا ہی نہیں جاسکتا۔ چنانچہ ان

فکری مراحل کے ابلاغ کے لیے صرف ”انتہا“ سے کام نہیں بنتا، فکر کی گونا گونی کے پیشِ نظریہ قطعاً

اجتہادی عمل نہیں بلکہ ضروری ہو جاتا ہے کہ شاعر اپنے افکار کا اسی طرح ابلاغ کر سکے جس طرح اس کی

تو تو حاسہ نے ادراک کیا ہے۔ نہ صرف زبان اردو میں بلکہ ہر زبان میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ ڈاکٹر گوہر اگر چاہیں گے تو اس پر سیر حاصل گفتگو کی جاسکے گی۔

”میں ان کی بارگاہ میں ہوں التجا کناں“

ڈاکٹر گوہر نے شاید سوچے سمجھے بغیر اس پر اعتراض جڑ دیا ہے۔ بے شک ”کن“ کردن کا امر ہے اور اسم فاعل وضع کرنے کی صورت میں مرکبات میں اسم کے آخر میں لایا جاتا ہے مگر یہاں ”کناں“ استعمال کیا ہے۔ اور شعرا کے ہاں گریہ کناں، نوحہ کناں، سجدہ کناں، نالہ کناں کا استعمال ملتا ہے۔ اگر ڈاکٹر گوہر نے اچھے شعرا کا کلام نہ پڑھا ہو تو مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں:

یاو رسول پاک ﷺ میں راتیں ہاریاں

رب نے حبیب کی کریں دلداریاں بہت

بے شک ہاریاں، ہاریاں کریں..... یہ زبان متروک ہے اور اب شعرا حضرات عموماً ایسی زبان استعمال میں نہیں لاتے مگر یہاں میر تقی میر کی زمینوں میں نعت کے گل کھلائے جا رہے ہیں۔ یہاں کہیں کہیں خدائے سخن کی زبان اور ان کا لب و لہجہ برقرار رکھنا تو حسن ہے۔ بعض اوقات میر کے لہجے میں نعت کا رنگ ڈھنگ نہایت بھلا اور خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔ امیر خسرو کو گزرے قریب قریب آٹھ سو برس ہو گئے مگر ان کی زبان میں کہے ہوئے گیت آج بھی اسی طرح دلوں پر اثر انداز ہیں جس طرح اُن کے زمانے میں بلکہ آج کے زمانے میں اس دور سے زیادہ۔ آج بھی کبھی کبھی ان کی زبان کا استعمال دیکھنے میں آ جاتا ہے۔ جن کی اثر انگیزی کا اپنا ہی لطف ہے۔ شان الحق حقی نے امیر خسرو کی تقلید میں غزل کے اندر ”کہ کرنی“ کہی ہے اور خوب کہی ہے۔ کہتے ہیں:

مر سے گزرے تو پھر نہ ملے آئے

اے سکھی سائے نہ سکھی سا جن

ڈاکٹر گوہر فرمائیں کہ اب ”اے سکھی“ کہاں استعمال ہوتا ہے۔ اور خاطر جمع رکھیں کہ کبھی کبھی ایسی تقلید سے مروجہ زبان بدل نہیں جاتی۔ بعض قدما کے اشعار اپنے اپنے دور کی مروجہ زبان میں ایسی منزلت کے حامل ہو گئے ہیں کہ زمان و مکان کی قیود سے نکل گئے ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

دے صورتیں الٹی کس دیں بستیاں ہیں

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان رنخوں کو لوگ

میت رہیں گی یاد یہ باتیں ہاریاں

”دیار نعت“ پر اعتراضات کا تجزیہ اور ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

احقر کے مصرعے ”کچھ ماہ تک تو مجھ پر اس کا اثر رہے ہے“ میں بھی ”رہے ہے“ پر متروک زبان کا الزام لگایا گیا ہے۔ رشید حسن خاں نے ”زبان اور قواعد“ میں ایسے ”متروک افعال“ کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ ”ایسے افعال کو متروک قرار دینا زبان اور حسن زبان دونوں کی جان پر ستم کرنا ہے۔ شکر ہے کہ اُس زمانے میں بھی سب نے اس غیر مناسب فیصلے کو تسلیم نہیں کیا تھا اور آج تو اکثر لوگ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔“ (۱۵) انہوں نے ہندی یا اردو فعل کی اس قدیم صورت کے بارے میں فراق گورکھپوری کی یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ ”اس قدیم شکل میں واحد جمع بھی صرف ”ہے“ کو ”ہیں“ کر دینے سے بن جاتا تھا۔“ فراق نے دلی دکنی کا شعر یہ کہ کر پیش کیا کہ ”اس پر مہذب دُنیا کی مہذب سے مہذب شاعری وجد کرتی رہے گی“

دلی اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی

مرے گھر اس طرح آتا ہے جیوں سینے میں راز آدے (۱۶)

رشید حسن خاں نے لکھا: ”ایسے مصرعے یا شعر کسی طرح کی عدم فصاحت سے گرا ہوا نہیں

معلوم ہوتے۔ اس کے برعکس حسن بیان کے آئینہ دار ہوتے ہیں جیسے (غالب)

آئے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب

ڈھوڑے ہے اس معنی آتش لوا کو جی

آج کل تو ایسے افعال کو بے تکلف استعمال کیا جاتا ہے خصوصاً ردیف یا قافیے کے طور پر۔ خود

فراق نے ایسے افعال کو نہایت خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے جیسے ان کی وہ غزل جس کا ایک سادہ و سادہ دار شعر یہ

ہے:

جو بے خواب رکھے ہے تا زندگی

وہی غم کسی دن سلا جائے ہے (۱۷)

”نکات سخن“ میں رئیس السخو لین حسرت موہانی نے لکھا تھا۔ ”راقم حروف کے نزدیک بھی

اس قسم کے الفاظ کا ترک جائز ہے لیکن ضرورت شاعری کے خاص موقعوں پر بہ شرط مشافی کامل ان کے

استعمال میں بھی کچھ مضائقہ نہ ہونا چاہیے۔ مثلاً مرزا نسیم دہلوی کا ایک مصرع ہے

رحم آ جاتا ہے دشمن کی گرفتاری پر

مرزا صاحب اگر زبان لکھنؤ کی پابندی سے آزاد ہو کر ”رحم آ جاتا ہے“ کی جگہ ”رحم آ جائے

ہے“ لکھتے تو کچھ ہرج نہ ہوتا بلکہ غالباً بہتر ہوتا۔ یہی حال بیخود دہلوی شاگرد داغ کے اس مطلعے کا ہے:

کوئی چل جاتا ہے جب تیر نظر تیر کے ساتھ
خود تڑپ جاتا ہے میاد بھی منجھ کے ساتھ

اب حقد میں سے لے کر متوسطین و متاخرین و شعرائے دورِ حاضر کے کلام سے اس کی مثالیں
ملاحظہ ہوں..... (یہاں حسرت نے قائم، معنی، ممنون، غالب، بنواری لال شعلہ، شاکر میرٹھی وغیرہ
کے علاوہ اپنا یہ شعر بھی نقل کیا:

کامیاب عشق بے حد ہے دلِ عشرت نصیب
آرزو کے سر سے گزرا جائے ہے آپ نشاط (۱۸)

اگر ڈاکٹر گوہر کو لکھنے کے ”تازہ“ شوق سے زیادہ پڑھنے کا ”قدیم“ ذوق ہوتا تو انھیں بہت سی
باتوں کا علم ہوتا اور وہ بے معنی اعتراضات کی باز مارتے سے باز رہتے۔

احقر نے ”انھی“ لکھا تو ڈاکٹر گوہر نے فرمایا۔ ”انھیں“ کے حق میں تحریف ناجائز و غلط ہے، انھی
کی بجائے انھیں ہونا چاہیے، یہی رائج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قدیم یا جدید پڑھنے کی کسی قسم کی عادت
سے حضرت کو الرجی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انھی، تمھی دراصل ان ہی، تم ہی ہے۔ اس میں ”ن“ کا
اضافہ اگر ہوا تو بے جواز تھا۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ اب مقتدرہ قومی زبان نے طے کر دیا ہے کہ یہ الفاظ
تمھیں، انھیں نہیں تمھی، انھی لکھے جائیں کہ یہی درست ہیں۔ اس سے ”تمھی وہ شخص ہو“ اور ”تمھیں یہ کام
کرنا چاہیے“ کے تمھی اور تمھیں میں فرق بھی ہو سکے گا۔ لیکن ڈاکٹر گوہر نے (جنھوں نے شاید ڈاکٹر یٹ علم
دہشی میں کی ہے) تمھی کو ”ناجائز اور غلط“ فرما دیا۔ یا اللعجب!

ڈاکٹر صاحب کی زبان دانی تو واضح ہو گئی، اب ان کی ”عروضِ جنھی“ دیکھیے۔ میرا مصرع ہے:

حاضری کی کوئی نہ کوئی تو صورت چاہیے

حضرت گوہر نے اس پر اپنا ”فرمانِ واجب الاذعان“ جاری فرمایا۔ ”مصرع خارج از بحر“۔

حضرت! اس مصرع میں ”کوئی“ کی ”ی“ دبی اور ”و“ دب گیا۔ مصرع خارج از بحر کس طرح

ہو گیا۔ تظہیر اس طرح ہے۔

”حاضری کی“ قاعلاتن۔ ”کوئی نہ کوئی“ قاعلاتن۔۔۔ ”کی تو صورت“ قاعلاتن۔ ”چاہیے“

قاعطن۔

کہا جاتا ہے کہ ناسخ نے کلمے کے آخر سے الف و او کی کو بے تکلف نہ گرانے کی ہدایت کی تھی

اگرچہ ناسخ کی کوئی ایسی تحریر موجود نہیں۔ اصل میں ایسے اکثر قاعدوں کے واضح رشک (تلمیذ ناسخ) تھے۔

”دیار نعت“ پر اعتراضات کا تجزیہ اور ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

آخر آخر میں داغ نے بھی اس قاعدے کی پابندی کو ضروری قرار دیا اور احسن مارہروی کی فرمائش پر جو طویل قطعہ لکھا اس میں کہا:

عربی قاری الفاظ جو اُردو میں کہیں
حرف طبع کا بُرا ان میں ہے گستاخ دینا
العِب وصل اگر آئے تو کچھ عیب نہیں
لیکن الفاظ میں اُردو کے یہ گستاخ روا (۱۹)

آرزو لکھنوی نے اس پر یہ رائے دی ہے۔ ”الف“ واؤ اور عربی کے لیے حروف طبع ہیں مگر اُردو کے لیے حروف اتمام حرکات ہیں..... لہذا کتابت میں ان کا آنا صرف اظہار حرکت کے لیے ہوتا ہے۔ ایسے تمام حروف کا اسقاط جائز ہے چاہے وہ عربی و فارسی کے کیوں نہ ہوں مثلاً ”نفسی نفسی“ میں پہلی ”ی“ بولتے وقت دہتی ہے لہذا اس کا اسقاط ہی فصیح ہے.....“

بڑی ہے ہر اک کو اپنی اپنی ہے انبیاء میں بھی نفسی نفسی
تمہی کو اک رٹ ہے ”امتی“ کی شفع روز جزا تمہی ہو (۲۰)
ایسے میں کوئی کی اور تو کی دہنے سے مصرعے کو ”خارج از بحر“ قرار دینے والا علم و دانش کی جس ”کے ٹو“ پر دکھائی دیتا ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔

یہی حال ڈاکٹر گوہر کی پی ایچ ڈی نے میرے مصرعے

پندرہ سو سال ہونے کو آئے ہیں نعت کو

کا کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ”سو“ کی ”واؤ“ گر گیا۔ مصرع خارج از بحر۔ حسرت موہانی نے

”نکات سخن“ میں واؤ کے گرنے دہنے کی جو مثالیں دی ہیں ان میں سے چند ملاحظہ ہوں:

تہا: کوہے میں ترے ہم بھی گزر کرتے تھے گاہے

اور واں کی زمیں رو رو کے تر کرتے تھے گاہے

مومن: سو زندگی غار کروں ایسی موت پر

یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ

تسلیم لکھنوی: کس لیے چارہ گر درد تو تدبیر میں ہے

ہو رہے گی کبھی صحبت بھی جو تقدیر میں ہے

عزیز لکھنوی: ہم تن محو رہا گو کہ تو خود بینی میں

آئندہ تجھ پہ ترا مظهر اصلی نہ ہوا

حسرت موہانی: حسرت بہت ہے مرحمہ عاشقی بلند
تجھ کو تو مفت لوگوں نے مشہور کر دیا (۲۱)

”زبان اور قواعد“ میں داؤ کے سقوط کے جواز میں یہ مصرعے دیئے گئے ہیں:

تم کو ہے وصل غیر سے انکار
منہ اس نے چڑایا تو ہنسی آ گئی مجھ کو

رشید حسن خاں لکھتے ہیں: ”لفظ کے آخر سے خواہ وہ کسی زبان کا ہو حروف علت کا دہنایا کرنا اساتذہ محققین کے نزدیک مطلقاً معیوب نہیں تھا۔ بیشتر اساتذہ متوسطین کا بھی یہی مسلک تھا“ (۲۲)۔ آرزو لکھنوی نے لکھا کہ فارسی میں ہائے ثغنیہ کا اسقاط ہی فصیح سمجھا جاتا ہے۔ ”لو“ اور ”جو“ کا داؤ بھی ظاہر ہو تو غیر فصیح ہے (۲۳)۔

احقر کا شعر ہے:

دیکھ لے سرکار ﷺ کے روئے کو جی بھر کر رشید

اس کو عزرائیل صاحب! اتنی مہلت چاہیے

ڈاکٹر صاحب نے ”عزرائیل صاحب“ میں توہین کا پہلو نکال لیا۔ جس کیفیت میں یہ شعر کہا گیا اس کے پیش نظر اسے صاحب کہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس میں ایک نامعلوم سی زندانہ جرأت ایک خفیف سے طنز کے ساتھ شامل ہے۔ یاد رہے کہ شعرا حضرات نے مضامین آفرینی کے پردے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بالعموم اور قرآنی آیات کے بارے میں بالخصوص جو گل کھلائے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ”نکات مخن“ میں حسرت موہانی کو اس سلسلے میں ایک باب قائم کرنا پڑ گیا۔ ڈاکٹر صاحب فرما رہے ہیں کہ ”مہلت دینا“ رب تعالیٰ کے اختیار میں ہے عزرائیل علیہ السلام کے اختیار میں نہیں۔ لیکن شعری قرینے کو نہیں سمجھتے۔ اس میں کہنے والا اپنا ایمان قائم رکھتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب میرے ایمان کے بارے میں خاطر جمع رکھیں۔

احقر کا شعر ہے:

میں نے جب ان کو اسلام کیا

میرے آقا ﷺ نے اقسام کیا

اس پر فرمایا گیا ”لفظ اسلام نہیں استعمال ہے۔ باب استفعال کے وزن پر جس کا مفہوم سلامتی طلب کرنا“ سر جھکنا یا اسلام قبول کرنا وغیرہ۔“

”دیار نعت“ پر اعتراضات کا تجزیہ اور ڈاکٹر فہیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

عربی زبان سے حضرت کو جتنی واقفیت اور محبت ہے، اس کا اظہار تو ”اہمیت“ کو غلط اور لغو کہنے ہی سے ہو گیا تھا، یہاں ڈاکٹر صاحب نے کسی سے پوچھ کر ”استسلام“ تو لکھ دیا ہے لیکن اس سے ایک تو یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ حضرت کو حج یا عمرے کی نہ سعادت نصیب ہوئی ہے نہ وہ ایسے کسی سعادت مند شخص سے ملے ہیں۔ ورنہ انھیں معلوم ہوتا کہ حجر اسود کو استلام کیا جاتا ہے یعنی بوسہ دیا جاتا ہے یا چھوا جاتا ہے یا دور سے سلام کیا جاتا ہے۔ انھیں کسی نے ”استسلم“ تک تو پہنچا دیا ہے جس کا مطلب فرمانبردار ہونا، مطیع ہونا، مان لینا، عاجزی کرنا یا ہار جانا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ”استلم“ کی ڈاکٹر صاحب کو خبر نہیں ہونے دی گئی۔ ملاحظہ فرمائیے:

”استلم۔ الحجر۔ چھونا۔ (ملحقہ بمعنی پتھر سے ماخوذ ہے) بوسہ دینا۔ اور بسا اوقات پتھر کے علاوہ دوسری چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ تم کہتے ہو ”اسلمت ہدہ“۔ میں نے اس کے ہاتھ کو چھوایا بوسہ دیا“ (۲۳)۔ ”اعجم الاعظم“ میں ہے۔ استلم۔ الحجر (پتھر کو) ہونٹ یا ہاتھ سے چھونا۔ چومنا، بوسہ دینا، بغل گیر ہونا۔ کسی دی ہوئی چیز کو لے لینا یا وصول کرنا (۲۵)۔

اب چونکہ حجر اسود کو چومنے، چھونے یا دور سے سلام کرنے کو استلام کہتے ہیں اس لیے اسے دست بوسی یا قدم بوسی یا دور سے محبت و عقیدت سے سلام کرنے کے معنوں میں استعمال کرنا ہر طرح سے درست ہے۔

محمود شکوہ رب سے تو کرتے رہے ہیں سب

لیکن کسی کو اس کے نبی ﷺ سے گلہ نہیں

ڈاکٹر گوہر نے الزام لگایا ہے کہ شاعر نے رسول (ﷺ) کی عظمت کو خدا کی عظمت سے بڑھا دیا ہے۔ خدا کے بندے اللہ تعالیٰ کے وعدہ لا شریک کے بعد اس کی سب سے بڑی صفت ربوبیت ہے۔ وہ پالنے والا ہے، وہ رزق دینے والا ہے، وہ عزت و ذلت دینے والا ہے، وہ منعم ہے، معطی ہے۔ حضور رسول اکرم ﷺ معطی نہیں، قاسم ہیں۔ ان کی وساطت سے ملتا ہے مگر دینے والا تو رب کریم ہے۔ اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ اکثر لوگ انتہائی عسرت کے زمانے میں اپنے اللہ سے شکوہ کر بیٹھتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو معاشی لحاظ سے ہمیشہ کمتر سمجھتے ہوئے تاحیات اپنی ذہنی اور باطنی کیفیات میں خدا سے شاکر رہتے ہیں۔ ایسے اشخاص کی تعداد نہایت کم ہے جو مقدر پر مطمئن ہوتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے انسان کی اس خصلت کو بھی مختلف واقعات کے آئینے میں کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس نبی پاک ﷺ سے شکوہ کیسا؟ وہ نہ رب ہیں نہ

خالق ہیں نہ رازق ہیں۔ یہ تو سب سنتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے مجھے یہ نہیں دیا، فلاں کو یہ دے دیا۔ کبھی کسی نے حضور رسول کریم ﷺ کے بارے میں بھی کوئی ایسی بات کی ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ نے کیا کر دیا۔ احقر نے تو شاعرانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے ساتھ حضور ﷺ کے عابد و مخلوق لیکن محبوب ہونے کی بات کرتے ہوئے ایک حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے تو شکوہ کرتے ہیں، حضور سرور کائنات ﷺ سے کوئی گلہ گزار نہیں ہوتا۔

اور حضور پر نور ﷺ سے گلہ گزار نہ ہونے کی الوہی ہدایت تو اس حوالے سے بھی ہے کہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (۲۶)۔ کہ اپنی آوازوں کو حضور ﷺ کی آواز سے نیچا رکھو۔ بصورت دیگر ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال سلب کر لیے جائیں۔ ان تحبط اعمالکم۔ ڈاکٹر صاحب نے لفظ ”سب“ پر بھی اعتراض کیا ہے۔ جبکہ بالکل واضح بات ہے کہ یہاں سب سے مراد قریب قریب سبھی لوگ ہیں۔ اور سبھی لوگ کہنے سے مدعا اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے کوئی بھی انسان ایسا نہیں جو اس عنصر کا حامل نہ ہو۔ فکر و خیال کی حدوں سے تو اس عنصر کو انسانی دسترس سے نکال باہر کرنا ممکن نہیں۔ انبیاء تو معصوم عن الخطا ہیں۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ڈاکٹر گوہر نے کلیل بدایونی کا یہ مصرع خیالات کے کس تناظر میں تحریر کر

دیا کہ

حالی نے زباں سے اُف بھی نہ کی اقبال شکایت کر بیٹھے

حالی اور اقبال کے ذکر میں پانی پت اور لاہور کو نہیں، ان دونوں کی شخصیات اور ان کے فکر و نظر کی سطوت اور عظمت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ معاف سمجھیے۔ انسان کی عظمت فلسفیانہ اور حکیمانہ نقطہ نظر سے جیسے اقبال پر آشکار تھی، کیا حالی ان بلند یوں سے آشنا تھے؟ اقبال کی نظر کم و بیش سبھی فلاسفہ یونان کا احاطہ کرتے ہوئے برگساں سے بھی آگے گزر گئی تھی۔ قرآن کا مطالعہ انھوں نے اپنی باطنی حیات اور قلب سلیم کی رہنمائی میں کیا تھا۔ حالی کا مقام اپنی جگہ کہ انھوں نے اپنے دور میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے جو کچھ کیا، اس کے شکریے سے مسلمانان برصغیر عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ خود علامہ اقبال کئی بار ”مسدس حالی“ پڑھ کر اٹکبار ہوئے اور داغ پر جو نظم کہی اس میں ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کس سچائی سے کہہ دیا:

یادگار بزمِ دہلی ایک حالی رہ گیا

انسانی عظمت کو جلال الدین رومی کے بعد جس انداز میں اقبال نے بیان کیا، وہ انھی کا حصہ

”دیار نعت“ پر اعتراضات کا تجزیہ اور ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

ہے۔ ڈاکٹر گوہر کو کیا کہیں کہ انھوں نے ”مطالعے“ کی پٹی باندھ رکھی ہے کوئی صاحب علم فرمائے کیا حالی یہ شعر کہہ سکتے تھے؟

در دشت جنون من جبریل زیوں صیدے

یزداں بہ کند آور اے صہب مروانا

ڈاکٹر شمیم گوہر کی ”ڈرف لگائی“ کو میرے درج ذیل شعر میں بھی بہت کچھ نظر آ گیا ہے:

میں چند دن جو آقا ﷺ کے شہر میں رہوں ہوں

کچھ ماہ تک تو مجھ پر اس کا اثر رہے ہے

اس شعر میں حقیقت نفس الامری کا بیان ہے اور درست ہے۔ اصحاب رسول ﷺ

نے ایک بار حضور نور مجسم رحمت ہر عالم ﷺ سے کہا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا خطبہ سننے سے ہم پر جو اثر آپ کی موجودگی میں ہوتا ہے جب ہم اپنے گھروں کو جاتے ہیں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اصحاب رسول ﷺ بھی اس وقت حقیقت نفس الامری کا اظہار کر رہے تھے۔ فاضل معترض کا یہ کہنا کہ ”وہاں کا ایک لمحہ بھی تمام زندگی پر بھاری ہے۔“ بے شک درست ہے لیکن اس کا اس شعر سے کیا تعلق ہے۔ میرے شعر میں کچھ ماہ کے بعد پھر بارگاہ مصطفیٰ (ﷺ) میں حاضری کی خواہش جاگتی ہے کیوں کہ عمرے پر زائر سال میں ایک ہی بار جاسکتا ہے اور پہلے ویزا چودہ دن کا ہوتا تھا اب ایک ماہ کا ہوتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو تولا کی مدینہ کلیبہ نہیں گیا وہ ترستا ہے اور جو ہوا یا ہے وہ تڑپتا ہے۔ میری یہ تڑپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پچھلے پندرہ برسوں میں پندرہ بار رنگ لائی ہے۔ میرے شعر میں پھر حاضری کی تڑپ لقم ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو بھی یہ تڑپ عطا کرے۔

احقر کا مصرع ہے:

تھے اور بھی رسل مگر رب نے حبیب ﷺ کو

ڈاکٹر صاحب! اس مصرع میں رسل کا لام نہیں گرتا۔ کسی سے قطع کرنا کے دیکھ لیجئے۔

میں تو بے زبان ہوں کوئی اہل زبان یا زبان دان درج ذیل دونوں فقروں میں سے غلط یا

صحیح کی نشان دہی کر دے تو اچھا ہے۔

ہاتھ تو باندھے ہوئے ہوں (رشید)

ہاتھ تو باندھے ہوا ہوں (گوہر)

احقر کا شعر ہے:

دل گرا میرا گویا کٹ کٹ کر
آگئیں گھڑیاں جب جدائی کی

ڈاکٹر صاحب نے یہاں بھی لا طائل بحث کی ہے۔ اس میں صداقت، محبت اور حقیقت حال سب کچھ ہے۔ اس میں قطعاً غلو نہیں۔

رسول پاک ﷺ نے محمود خواب میں آ کر

مرا سلام لیا اور یہ ابتسام لیا

ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ یہاں محض رعایتِ شعری کے تحت رویتِ نبوی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے شاید ان بعض الظن الہم (۲۷) کی ذیل میں آتا ہو۔ اس معاملے میں انھیں ایسی جرأت نہ کرنا چاہیے تھی۔ میں اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑتا ہوں اور ڈاکٹر صاحب کو نیکی کی ہدایت کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔

سدرہ کی منزل پہنچنے کی اہمیت سمجھ

ڈاکٹر گوہر نے میرے اس مصرعے کو نقل کرتے ہوئے ”پہ“ کو ”پر“ کر دیا ہے اور سمجھ کو ”سمجھو“ لکھا ہے۔ پھر اہمیت کو درست اور ”اہمیت“ کو غلط اور لغو قرار دیا ہے۔ حالانکہ میں نے لفظ کو اس کے صحیح املا کے ساتھ باندھا ہے اور ایسا کرنا ہی جائز تھا۔ البتہ کسی لفظ پر چار حرکات مسلسل آجائیں تو پھر سکون کا استعمال جائز ہے۔ ”اہمیت“ کی حرکات یوں ہیں۔

اہم۔ی۔یت

لیکن ڈاکٹر گوہر کی پی ایچ ڈی یوں بولی ”اہمیت تو ایک آسان اور عام لفظ ہے جیسے ”عہیت“۔ ”اصلیت“۔ ”فوقیت“۔ ”فرضیت“۔ اسی طرح ”اہمیت“ مگر مصرع میں ”اہمیت“ استعمال کیا گیا۔ غلط اور لغو ہے۔ مصرع خارج از بحر بھی۔“

لوگو! علیست کی اس سطح کو کیا کہو گے۔ ڈاکٹر گوہر نے اعتراضات کی باڑھ مارنے کے شوق میں اپنی بے علمی کو ظاہر کر دیا۔ یہ لفظ عربی کا ہے۔ عربی لغات تو ڈاکٹر گوہر کی یاد دیکھتے ”کوئی آرد و لغت ہی دیکھ لیتے تو گریبان میں منہ ڈال کر رہ جاتے۔ افسوس کہ مدیر ”نعت رنگ“ بھی ہر رطب و یابس کو تنقید سمجھ لیتے ہیں پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ادارتی ذمہ داریاں نبھانا تو دور کی بات ہے۔ ڈکشنریاں دیکھ لیجئے یہ لفظ عربی کا ہے اور ”اہمیت“ ہی ہے (۲۸)۔ اور راقم چونکہ طالب علم ہے ڈاکٹر کیا، کیا ڈنڈر بھی نہیں!

اس لیے پڑھتا ہے اور لفظ کے صحیح استعمال کی کوشش کرتا ہے۔

محسن کا کوروی کے نعتیہ قصیدے کا ایک مصرع ہے:

جانب قبلہ ہوئی ہے یورش لہر سیاہ

یار لوگوں نے کہا کہ یہاں محسن نے غیر موزوں مصرع کہہ دیا جو بحر سے خارج ہو گیا مگر جب

تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ انھوں نے یہاں ”یورش“ بروزن ”فعلن“ نہیں بلکہ اس کے اصلی تلفظ ”یرش“ یعنی ”فعل“ کے وزن پر باندھا ہے۔

دینے رسا لازماً ہو گئے تم

اس پر بھی ڈاکٹر صاحب نے لا طائل بحث کی ہے۔ لفظ ”رسا“ پہنچنے کے معنی میں استعمال ہو

رہا ہے تو دینے رسا ہونا بھی درست ہے۔

ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت پر ایک نظر

ڈاکٹر شمیم گوہر نے ”نعت رنگ“ کے جس شمارے میں ”دیار نعت“ کے مطالعے میں اپنی

علیت کے جھنڈے گاڑے ہیں وہاں اپنی شاعرانہ حیثیت بھی متعین کرنا چاہی ہے۔ ”دیار نعت“ میں میر

تقی میر کی زمینوں میں ۵۳ نعتیں ہیں جو ۵۱۔ اشعار پر مشتمل ہیں۔ اس مجموعہ نعت کے مطالعے سے جو

نتائج ڈاکٹر شمیم گوہر نے حاصل کیے وہ گزشتہ شمارے میں چھپ چکے ہیں اب میری وضاحتیں بھی سامنے

ہیں قارئین نعت رنگ خود کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ لیکن شمارہ ۱۵۱ میں ڈاکٹر گوہر کی مجھے اشعار کی جو

نعت چھپی ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے تاکہ ان کے ناقد ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر ہونے کی

حیثیت بھی ابھر کر سامنے آ سکے۔

ہر اک نفس پہ احساں ہے سرکار آپ کا


ممنون ہے نصیب یہ سو بار آپ کا

”ہر اک نفس“ میں ”اک“ حشو ہے۔ ”ہر ہر نفس“ یا ”اک اک نفس“ بھی درست تھا۔ یہاں

”احساں“ میں اعلان نون چاہیے۔ اگرچہ بعض شعرا حضرات احساں بھی باندھتے ہیں مگر یہ نکتہ کہ یہاں

”احساں“ میں اعلان نون ہونا چاہیے مزاوت کا رہن منت ہے۔

یہ مصرع اس طرح درست کیا جاسکتا ہے:

احسان ہر نفس پہ ہے سرکار  آپ کا

پہلے مصرع کا تقاضا تھا کہ دوسرے مصرع میں اپنے نصیب کو ”یہ نصیب“ کہہ کر پیش کرنے کے بجائے خود کو کسی حقیر یا ادنیٰ صفت سے وابستہ کر کے پیش کرتے۔

کیسے کہوں کہ ہوگی نہ مجھ پر نگاہ رحم

بھرتا رہے گا دم یہ گنہ گار آپ کا

بے شک ”نگاہ رحم“ بھی درست مگر ”نگاہ کرم“ کے کیا کہنے۔ اس میں شفاعت کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ مگر یہاں شاعر کو محض مصرع موزوں کرنے اور ”نگاہ کرم“ کو موزوں کرنے کی دقت سے بچنے کے لیے ”نگاہ رحم“ پر اکتفا کرنا پڑا۔ دوسرے مصرع میں کام کا جو تسلسل پایا جاتا ہے اس کا فنی نقطہ نظر سے تقاضا تھا کہ پہلے مصرع میں اس کا اشارہ پایا جاتا تاکہ دوسرا مصرع معنی کے لحاظ سے اپنا تسلسل بھی برقرار رکھتا اور مضبوط ہو جاتا۔ سامنے کا مصرع یہ بھی ہو سکتا تھا:

میں ڈھونڈتا رہوں گا کرم آپ کا حضور ﷺ

بھرتا رہے گا دم یہ گنہ گار آپ کا

ہر سمت التجائے کرم میں اٹھے ہیں ہاتھ

نہ ہے گنہ گاروں سے دربار آپ کا

پہلا مصرع محسوسا سا ہے۔ ”ہیں ہاتھ“ میں اتصال اور سقوط کا صیب پایا جاتا ہے۔ آپ کا دربار گنہ گاروں سے ”نہ“ نہیں ”بھرا ہوا“ ہونا چاہیے۔ ”نہ“ اور ”بھرا ہوا“ ہونے میں جو نازک فرق ہے افسوس شاعر اس سے واقف نہیں۔ زبردستی کی الگ بات ہے۔ یہاں بھرا ہوا موزوں اور درست ہے۔

اک ذرے پر بھی اپنا نہیں کوئی اختیار

دیوار و در ہیں آپ کے گھر بار آپ کا

اس شعر کے پہلے مصرعے میں شاعر اپنی بے اختیاری کا اعلان کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ ہم اس قدر بے اختیار ہیں کہ ایک ذرے پر بھی اپنا اختیار نہیں ہے۔ اپنی اس بے اختیاری کو اس شد و مد سے بیان کرنے کے بعد دوسرے مصرعے میں شاعر کا فرض تھا کہ وہ اپنی بے اختیاری کا ثبوت کوئی سا بھی جواز پیدا کر کے اس طرح واضح کرتا کہ پہلے مصرع میں جس شدت احساس و فکر کا اظہار ہوا اس میں کمی واقع نہ ہوتی مگر شاعر ایسا نہ کر سکا۔ یہ کیا غضب ڈھایا کہ ایک بولتے ہوئے مرکب قافیے کی خاطر ”در و دیوار آپ کے“ ”گھر بار“ لے آئے۔ مصرعے کے تیور تو یہ ہونا چاہئیں تھے کہ ”در و دیوار آپ کے ہیں اور گھر

”دیدار نعت“ پر اعتراضات کا تجزیہ اور ڈاکٹر شمیم گوہر کی نعت کا مطالعہ

بھی آپ کا ہے ”مگر قافیے کی خاطر ”گھربار“ لا کر معاملہ چوہٹ کر دیا۔ نیز ”اک ذرے پر بھی اپنا نہیں کوئی اختیار“ کہہ کر ذرے کے مادی وجود کی رعایت سے دیوار و در اور ”گھربار“ کا ذکر کرنا قطعاً بے محل، مضحکہ خیز اور غیر مناسب سی بات ہے۔ دیوار و در اور گھربار کو انفس و آفاق کی علامت بھی سمجھ لیا جائے تو بھی مصرع نہایت کمزور اور معنی کے لحاظ سے اکھڑا اکھڑا ہے۔

ہر نقطہ کتاب میں جلوے ہیں آپ کے

قرآن کو دیکھا گویا ہے دیدار آپ کا

دوسرے مصرع میں جب ”قرآن“ استعمال کر لیا گیا تو پہلے مصرع میں لفظ کتاب بمعنی ”قرآن“ تعہید لفظی کا شکار ہو گیا۔ یہاں قرآن کی ضمیر بھی لا سکتے تھے۔ دوسرے مصرعے میں یہ ٹکڑا ”قرآن کو دیکھا“ اپنے فعل ماضی مطلق کے پیش نظر اگلے ٹکڑے ”گویا ہے دیدار آپ کا“ کے لانے کی بنا پر غیر مناسب ہو گیا۔ اس مصرع کی تشریوں ہوگی۔

”قرآن کو دیکھا گویا آپ کا دیدار ہے“

یہ جملہ نہ صرف گرامر کے لحاظ سے غلط ہے بلکہ روزمرہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں۔ اس غلطی کو اس طرح درست کیا جاسکتا تھا:

اس کے اک ایک حرف میں جلوے ہیں آپ کے

قرآن کی دید گویا ہے دیدار آپ کا

ہر اک قدم پہ چاہے گوہر کو رہبری

پھایا رہے حیات پہ ”اُپکار“ آپ کا

اہمیت کی عربیت سے ڈاکٹر گوہر کی دشمنی ”اُپکار“ کی ہندیت سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ سرکارِ بار و در بار دیدار ایسے توانی ہیں کہ ان میں کی نہیں مگر گوہر نے ایسا ہندی لفظ ”اُپکار“ استعمال کیا ہے جو کسی اُردو نعت میں نہیں۔ درست کہ اس لفظ کا مطلب ”بھلائی یا احسان“ ہے مگر اسے کون سمجھے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ نعت کے معاملے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔

آخر میں اس نعت کے بارے میں میرا مجموعی تاثر یہ ہے کہ اس کا ہر شعری نقطہ نظر سے خام ہے۔ میں ہر تعصب سے بالاتر ہو کر عرض کرتا ہوں کہ یہ پوری نعت کسی نو مشق شاعر کا کلام دکھائی دیتی ہے۔ نو مشق شعراء حضرات اکثر و بیشتر شعر موزوں کرنے کے لیے درج ذیل الفاظ سے مدد لیتے ہیں۔

”ہراک“ ”یہ“ ”ہر“ ”پہ“ ”ہے“۔ مجھے اشعار کی زیر نظر نعت میں ”ہراک“ ”دو بار“ ”یہ“ ”دو بار“ ”پہ“ ”دو بار“ ”ہے“ تین بار استعمال کیا گیا ہے۔ ”ہراک“ اور ”ہر“ جس طرح استعمال ہوئے، تحریر کے دیتا ہوں۔

”ہراک نفس“۔ ”ہرست“۔ ”اک ذرے“ ”ہر نقطہ“ اور ”ہراک قدم“۔

اس بندہ بے ہنر کی ڈاکٹر فہیم گوہر سے التجا ہے کہ ازراہ کرم شمشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر نہ بھینکے، شعرا حضرات (مجھ سمیت) کو ایسی تنقید سے بچنا چاہیے۔ ہاں اگر کسی کو استاد شاعر ہونے کا دعویٰ ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے مگر معاف کیجئے آج کل کوئی استاد شاعر ہے نہیں۔ واضح ہو کہ مصرعوں میں حرف کے دب کر نکلنے سے مصرع بحر سے خارج نہیں ہوتا۔ ایسی ”غلطیاں“ تو سبھی شعرا حضرات کے ہاں ملتی ہیں۔ بعض نامی گرامی شعرا کے ہاں تو رکن تک غائب ہو جاتا ہے۔ شاعر سے بحر کی تبدیلی بھی اکثر و بیشتر ہو جاتی ہے۔ یہ معاملات ایسے ہیں جس کو درجہ تحریر میں لا کر دفتر کے دفتر سیاہ کیے جاسکتے ہیں۔

حواشی

- 1- محمود راجا رشید۔ دیار نعت۔ ص ۵۶، ۶۸، ۷۵، ۷۶
- 2- ”خیال و فن“ (ادبی مجلہ) دوحہ (قطر) / لاہور۔ ادبی انٹرویوز نمبر۔ اکتوبر ۲۰۰۲ / ماہنامہ ”نعت“ لاہور میں یہ انٹرویو نقل بھی کیا گیا۔ اپریل ۲۰۰۳۔ ص ۱۶۲، ۱۸۳
- 3- محمود راجا رشید۔ فردیات نعت۔ ص ۸۸
- 4- دن (روزنامہ) لاہور۔ ۴ جولائی ۲۰۰۳۔ ص ۴
- 5- نعت رنگ (مجلہ) کراچی۔ شمارہ ۱۳۔ دسمبر ۲۰۰۲۔ ص ۱۶۹، ۲۰۵
- 6- نور اللغات۔ جلد دوم۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد۔ طبع اول ۱۹۸۵۔ ص ۵۳۶
- 7- فرہنگ آصفیہ۔ جلد دوم۔ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔ بار اول۔ ۱۹۷۷۔ ص ۱۱۲
- 8- مختصر اردو لغت۔ ترقی اردو بیورو نئی دہلی۔ پہلا ایڈیشن۔ جولائی ۱۹۸۷۔ ص ۳۷۲
- 9- قائد اللغات۔ نشر جالندھری۔ حامد اینڈ کمپنی لاہور۔ س ن۔ ص ۳۳۹
- 10- علمی اردو لغت۔ وارث سرہندی۔ علمی کتاب خانہ لاہور۔ طبع دوم۔ ۱۹۷۹۔ ص ۵۹۸
- 11- جدید نسیم اللغات اردو۔ مرتضیٰ حسین قاضی لکھنؤی، نسیم امروہوی، آغا محمد باقر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور کراچی۔ اشاعت ۱۹۶۱۔ ص ۳۸۳
- 12- کفایت اردو لغت۔ کفایت اکیڈمی کراچی۔ اشاعت اول۔ اکتوبر ۱۹۸۹۔ ص ۲۹۹

- 13- فرہنگ کارواں۔ فضل الہی عارف۔ مکتبہ کارواں لاہور۔ سن ۱۸۳۳
 - 14- اظہر اللغات جامع۔ اظہر پبلشرز لاہور۔ بار اول ۱۹۹۲ء۔ ص ۳۲۷
 - 15- رشید حسن خاں۔ زبان اور قواعد۔ مکتبہ عالیہ لاہور۔ ۱۹۸۷ء۔ ص ۳۶۶
 - 16- فراق گورکھپوری۔ اردو کی عشقیہ شاعری۔ ص ۵۰ (بحوالہ ”زبان اور قواعد“)
 - 17- زبان اور قواعد۔ ص ۳۶۷
 - 18- حسرت موہانی۔ نکات سخن۔ انتظامی پریس حیدرآباد۔ ص ۳۳۳
 - 19- یادگار داغ۔ ص ۱۹۵
 - 20- ہماری زبانیں۔ علی گڑھ۔ یکم فروری ۱۹۶۲ء (بحوالہ ”زبان اور قواعد“)
 - 21- نکات سخن۔ ص ۸۲
 - 22- زبان اور قواعد۔ ص ۲۷۱، ۲۷۶
 - 23- ہماری زبانیں۔ یکم فروری ۱۹۶۲ء
 - 24- مصباح اللغات۔ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی۔ جولائی ۱۹۷۳ء۔ ص ۳۹۲
 - 25- المعجم الاعظم۔ ادارہ معارف اسلامیہ حیدرآباد دکن جولائی ۱۹۳۶ء۔ ص ۱۳۳۰
 - 26- الحجرات۔ ۲:۳۹
 - 27- الحجرات۔ ۱۲:۳۹
 - 28- المعجم الاعظم۔ الجزء الخامس۔ ادارہ معارف اسلامیہ حیدرآباد دکن۔ ص ۳۲۷۶
- الاہیۃ۔ ضروری معاملہ۔ اہم بات۔ اہمیت
- فرہنگ کارواں۔ ص ۸۳
- اہمیت (مہم اور پائے مشدود) اہم ہونا۔ نہایت ضروری ہونا۔
- نور اللغات : حصہ اول۔ نیر پریس لکھنؤ۔ نومبر ۱۹۲۳ء۔ ص ۴۰۴
- اہم (ع) سخت تر۔ بہت مشکل
- فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول۔ ص ۳۳۱
- اہم۔ ع۔ صفت۔ سخت تر۔ نہایت مشکل۔ ضروری



گوشہ افتخار عارف پر ایک نظر

افتخار عارف نے اپنے حافظے اور علم و معلومات کے ذریعے اپنا تعارف کرایا اور پھر غزل کے اس دور میں اُس کی غزل گوئی نے سماعتوں میں اپنی جگہ بنائی۔ اُس کے اس شعر کو ضرب المثل کا درجہ حاصل ہوا:

مرے خدا مجھے اتنا تو معجز کر دے

میں جس مکان میں رہتا ہوں اُس کو گھر کر دے

اُس کی یہ دعا بارگاہ ایزدی میں جس طرح قبول ہوئی اُس کا تصور بھی اُس کے ذہن میں نہیں ہوگا۔ وہ کسی مکان، کسی نگر اور کسی دیار میں رہے، اللہ پاک نے مدینہ منورہ کو اُس کی حقیقی شخصیت کا گھر بنا دیا ہے اور جب اُس کے رب نے اُسے یہ دولت عطا کر دی تو اُسے خبر ہوئی اور بے اختیار دل سے آواز اُبھری:

مر بھر ٹھو کریں کھانا نہ بھروں شہر بہ شہر

ایک ہی شہر میں اور ایک ہی در پر رکھا

اور اُس شہر میں اُسے مدحتِ شافعِ عشرِ محبت پر مقرر کیا گیا۔ آدمی کو چاکری ملے تو ایسی کہ شہنشاہ بھی رشک کریں۔

شعر کے بارے میں کئی نظریات، تصورات اور خیالات ہیں۔ مجھے ان میں تضاد نظر نہیں آتا بلکہ یہ ایک دوسرے کا مکملہ معلوم ہوتے ہیں۔ شاعری کی ایک ادا بے ساختہ پن ہے اور ایک شیوہ آراستگی ہے۔ شاعری سادگی بھی ہے اور مرصع ساز کا کام بھی۔ افتخار عارف کی شاعری اور بالخصوص نعت میں سارے رنگ موجود ہیں۔ بحریں ایسی کہ اُن میں نفسی لفظ بہ لفظ آگے

بڑھتی ہے اور مصرع ختم کرنے بعد اُس کی لہریں ذہن میں پھیلتی جاتی ہیں۔ لفظ ایسے جیسے عقیدت اور محبت مقام محمدی ﷺ کے باب میں سوچ رہے ہوں۔ فکر اور جذبہ کا ایسا احتزاج آج کے کم ہی نعت گو شاعروں کے ہاں نظر آئے گا۔

افتخار عارف کی ان نعتوں میں سرکار ختمی مرتبت ﷺ کی از ازل تا ابد وقت پر حاوی شخصیت اور رسالت کے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ الملّٰی بیت اور محبان الملّٰی بیت کی محبت کی شادابی بھی ہے۔

بعض لوگ جو کٹر مذہبی دکھائی دیتے ہیں، اندر سے دنیا دار نکلتے ہیں اور بعض نظر بظاہر دنیا میں ڈوبے ہوئے لوگ حقیقی مذہبیت سے مالا مال ہوتے ہیں کہ ایسی مذہبیت حب رسول ﷺ سے عبارت ہوتی ہے۔

افتخار عارف کی نعتوں کے مطالعے سے میری بات آپ پر واضح ہو سکے گی۔



رنگِ ثنا

لَاذْکُرُونِی اذْکُرْکُمْ
(تم یاد رکھو مجھ کو، میں یاد رکھوں گا تم کو)

کچھ شعر مکہ مکرمہ کے لیے

منزلِ ذکر میں ہر شہر پہ چھائے ہوئے شہر
کیا ثنا ہو تری قرآن میں آئے ہوئے شہر
میرے آقاؤں کے مسکن، مرے اللہ کے گھر
میرے نبیوں کی دعاؤں میں بسائے ہوئے شہر
رحم و کوثر و تنیم، تسلسلِ حیرا
چشمِ خیر کا فیضان اٹھائے ہوئے شہر
زنجِ سرکارِ عظیمِ دو عالم کے پلٹنے کی تھی دیر
قبلہ رو ہو گئے سب راہ پہ آئے ہوئے شہر
ایک بوسے کی اجازت، حجرِ اسود پہ
اے مرے نور کی بارش میں نہائے ہوئے شہر
خاک ہم رتبہ افلاک ہوئی جن کے سبب
ان کی آواز سے آواز ملائے ہوئے شہر

☆

سبیل ہے اور صراط ہے اور روشنی ہے
اک جہدِ مولیٰ صفات ہے اور روشنی ہے

کتاب و کردار ساتھ ہے اور روشنی ہے
 درود جزو صلوٰۃ ہے اور روشنی ہے
 میان معبود و عبد یثاق نور کے بعد
 نظر میں بس ایک رات ہے اور روشنی ہے
 حضور ﷺ فارحہ سے بیت الشرف میں آئے
 بس اک یقین ساتھ ساتھ ہے اور روشنی ہے
 حضور ﷺ کے سے جا رہے ہیں کتاب کے ساتھ
 کتاب ہی میں نجات ہے اور روشنی ہے
 رفیق اعلیٰ کا حکم ہے اور کتاب دائم
 ابد تک اب ان کی ذات ہے اور روشنی ہے
 غلامی افکار عارف پر مہر خاتم
 نبوت فرد نجات ہے اور روشنی ہے



دلوں کے ساتھ چینیں جو غم نہیں کرتے
 وہ پاس محتوٰ خیرالام نہیں کرتے
 دما بغیر، اجازت بغیر، اذن بغیر
 ہم ایک لفظ سپرد قلم نہیں کرتے
 کتاب حق نے جنہیں مصطفیٰ ﷺ قرار دیا
 جز ان کے اور کوئی ذکر ہم نہیں کرتے
 کریم ایسے کہ انعام کرتے جاتے ہیں
 جواد ایسے کہ نعمت کو کم نہیں کرنے
 جو اُن کے جادۂ رحمت سے منحرف ہو جائیں
 زمانے ان کو کبھی محرم نہیں کرتے
 میسر آتی ہے جن کو درود کی توفیق
 کسی بھی حال میں ہوں کوئی غم نہیں کرتے

نظر میں طائف و مکہ رہیں تو ان کے غلام
جواب میں بھی ستم کے، ستم نہیں کرتے

☆

اپنے آقا ﷺ کے مدینے کی طرف دیکھتے ہیں
دل اُلٹتا ہے تو سینے کی طرف دیکھتے ہیں
اب یہ دنیا جسے چاہے اُسے دیکھے سر پہل
ہم تو بس ایک سفینے کی طرف دیکھتے ہیں
مہرِ آسودگی جاں ہو کہ دور ادوار
اُسی رحمت کے خزینے کی طرف دیکھتے ہیں
وہ جو پل بھر میں سرِ عرش پر ہیں کھتا ہے
بس اسی نور کے دینے کی طرف دیکھتے ہیں
بہرِ تصدیقِ سند نامہٴ نسبت، عشاق
مہرِ خاتم کے نگینے کی کی طرف دیکھتے ہیں
دیکھنے والوں نے دیکھے ہیں وہ آشفۃٴ مزاج
جو حرم سے بھی مدینے کی طرف دیکھتے ہیں

☆

مرا شرف کہ تو مجھے جوازِ افکار دے
فقیرِ شہرِ علم ہوں ذکوۃٴ اعتبار دے
میں جیسے جیسے ٹوٹے پھوٹے لفظ گھر کے آگیا
کہ اب یہ تیرا کام ہے بگاڑ دے سنوار دے
مرے امنِ آنسوؤں کی نذر ہے قبول کر
مرے کریم اور کیا ترا گنہگار دے
لگاہ داری بہارِ آرزو کے واسطے!
ہمارے گلِ جاں کو بھی کوئی لگاہ دار دے
ترے کرم کی بارشوں سے سارے باغِ کمال اُٹھیں
ہوائے مہرِ نفرتوں کا سارا زہر مار دے

قیامتیں گزر رہی ہیں کوئی شہسوار بھیج
وہ شہسوار جو لہو میں روشنی اُتار دے
وہ آفتاب بھیج جس کی تابانیں ابد تلک
میں داد خواہ اجر ہوں جزائے انتظار دے

☆

مدینہ و نجف و کربلا میں رہتا ہے
دل ایک وضع کی آب و ہوا میں رہتا ہے
درو پہلے بھی پڑھتا ہوں اور بعد میں بھی
اسی لیے تو اثر بھی دعا میں رہتا ہے
میسر آتی ہے جس شب قیام کی توفیق
وہ سارا دن مراد ذکرِ خدا میں رہتا ہے
غلام بوڑھ و سلمان دل خوش ہو کہ غم
حدودِ زاویہٴ حلِ الٰہی میں رہتا ہے
کل رہی ہے پھر اک بار حاضری کی سبیل
سو کچھ دنوں سے دل اپنی ہوا میں رہتا ہے
مرے وجود سے باہر بھی ہے کوئی موجود
جو میرے ساتھ سلام و ثنا میں رہتا ہے

☆

مدینے کی طرف جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا
وہ دہشت تھی کہ دل سینے سے نکلا جا رہا تھا
مثال فردِ حصیاں تھی کتابِ عمر رفتہ
کوئی مجھ میں تھا جو صفحے اُلٹتا جا رہا تھا
بلاوے پر یقین تھا اور قدم اُٹھتے نہیں تھے
عجب سیلِ الم آنکھوں میں اُلٹا آ رہا تھا
ہر اک بولا ہوا جملہ ہر اک لکھا ہوا لفظ
لہو میں گونجتا تھا اور قیامت ڈھا رہا تھا

اور ایسے میں اُسی اک نام نے کی دست گیری
وہی جو منہائے ہر دعا بنتا رہا تھا
بہت نامِ مطمئن آنکھیں اچانک جاگ اٹھیں
کوئی جیسے دل کم فہم کو سمجھا رہا تھا
مدینہ سامنے تھا، خطر تھا درختی کا
دل آزرہ اپنے بخت پر اترا رہا تھا
دعا بعد از دعا، سجدہ بہ سجدہ، اشک در اشک
میں مشتِ خاک تھا اور پاک ہوتا جا رہا تھا

☆

مدحتِ شافعِ محشر پہ مقرر رکھا
میرے مالک نے مرے بخت کو یاد رکھا
میں نے قرآن کی تفسیر میں سیرت کو پڑھا
نور کو دائرۂ نور کے اندر رکھا
نورِ مطلق نے اسے غلق کیا غلق سے قبل
منصبِ کارِ رسالت میں مؤخر رکھا
معنی اجرِ رسالت کو سمجھنے کے لیے
ذیہ گمرانی سلطان و ابوذر رکھا
خاتمیت کا شرف آپ کو بخشا اور پھر
آپ کی دستِ خاص میں کوڑ رکھا
جس کسی نے بھی کبھی شان میں گستاخی کی
ابد آباد تک اس شخص کو اتر رکھا
حنفتی لکھی تو اسی نام سے آغاز کیا
جس کو معبود نے ہر نام سے اوپر رکھا
منزلِ شکر کہ ہر کام، خوشی ہو کہ الم
ورد اک اسمِ گرامی کا برابر رکھا

میں نے خاک و درِ حسان کو سرمہ جانا
اور ایک ایک سبقِ نعت کا اذہر رکھا
عمر بھر ٹھوکریں کھاتا نہ پھروں شہر بہ شہر
ایک ہی شہر میں اور ایک ہی در پر رکھا

☆

عہدِ بیثاقِ ازل، خلق میں ڈھراتا کون
میرے سرکارِ عظیم نہ سمجھاتے تو سمجھاتا کون
نسبتِ یمنِ قدم کر گئی شرب کو حرم
وہ نہ ہوتے تو دینے کی طرف جاتا کون
دو کمانوں سے بھی کم منزلِ سدرہ سے ادھر
ایک عالم ہے اس عالم کی خبر لاتا کون
اُن کی آواز سے اونچی نہ ہو کوئی آواز
مالکِ الملک نہ فرماتے تو فرماتا کون
جز ترے خلق میں اے صاحبِ سلیمان و ہلال
اور معیارِ شرفِ خلق کو ٹھہراتا کون
پاسِ نسبت نے بہت روک کے رکھا ورنہ
فرہِ حصیاں کی طرف دیکھ کے شرماتا کون
جن کی خوشنودیِ خاطر سے ہے نعتِ مشروط
ان کے در چھوڑ کے اوروں کی طرف جاتا کون

☆

بطورِ مختلف اک نعت لکھنا چاہتا ہوں
میں ساری نعتیں اک ساتھ لکھنا چاہتا ہوں
مرا معبود خود توفیقِ ارزانی کرے گا
میں وصفِ سرِ موجودات لکھنا چاہتا ہوں
حضورِ عظیم اور محترم و ابستگانِ شہرِ حکمت
میں اس بہتی کے سب حالات لکھنا چاہتا ہوں

بہت برہم بہت ہی منتشر اوراق جاں پر
جہاں تک سانس ہے اثبات لکھتا چاہتا ہوں
دل و دنیا مجھے آواز دیتے ہیں یہ یک وقت
میں جب بھی صورتِ حالات لکھتا چاہتا ہوں
نہ تغیر ظلم و اسم ہے موضوع میرا
نہ تفسیر صفات و ذات لکھتا چاہتا ہوں
نہ استدراک کی معیار بندی میرا منصب
نہ میں ترتیبِ استنباط لکھتا چاہتا ہوں
حضور سید و سردار جو توقیر پا جائیں
وہی حرفِ شرف دن رات لکھتا چاہتا ہوں

☆

بلاٹ و بوڈٹ و سلمان کے آقا ادھر بھی
بدل جاتی ہے جس سے دل کی دنیا وہ نظر بھی
میں بسم اللہ لکھ کے جب بھی لکھتا ہوں محمد ﷺ
قلم قرطاس پر آتے ہی جھک جاتا ہے سر بھی
حرم سے مسجدِ اقصیٰ ادھر سدرہ سے آگے
مسافر بھی عجب تھا اور عجب تھی وہ گزر بھی
محمد ﷺ کے خدا جب بھی کبھی مشکل کا وقت آئے
دعا کو ہاتھ اٹھیں اور دعا میں ہو اثر بھی
حق کنش برادرانِ دربارِ رسالت ﷺ
ثنا خوانوں میں شامل ہو گیا اک بے ہنر بھی
میں پہلے بھی مشرف ہو چکا ہوں حاضری سے
خدا چاہے تو یہ نعت طے پار دگر بھی

☆

ہم آگئے ہیں محبت کے گوشوارے لیے
 تمام مرحمت خاص ہے ہمارے لیے
 یہ فیض نسبت سرکارِ پیچھے ہر مظلوم میں
 بخور خود آئے ہمارے لیے کنارے لیے
 خبر تو ہوگی تمہیں بھی شاگردانِ رسول ﷺ
 دعائیں ہوتی ہیں کس کس جگہ تمہارے لیے
 ذرا سی دیر میں عالم ہی اور تھا دل کا
 بس اتنی دیر کہ کچھ نام پیارے پیارے لیے
 عجب کمال ہے جو ہے یہی سمجھتا ہے
 شفیع روز قیامت ہیں بس ہمارے لیے

☆

ہر نفس مرحمت خاص کے شایان کیے جائیں
 نعت لکھتے رہیں ذہنوں میں چراغاں کیے جائیں
 مدحتِ سرور دیں شاہدِ شرک سے پاک
 جن کا شیعہ ہے وہ عشاقِ نمایاں کیے جائیں

﴿☆﴾

مہرِ عالم تابِ نعت

(قبلہ عالم سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری...)

نعت بلاشبہ وہ نعتِ خداوندی ہے جو قدرت کی طرف سے بندگانِ خاص کو عطا ہوتی ہے۔ نعت صاحبِ کس سرمایہٴ اعزاز اور ایک مردِ مومن کا افتخار ہے۔ جب الفاظِ عقیدت کا نم حاصل کرتے ہیں تو نعت ہوتی ہے۔ جب تراکیب اور استعارات کو حسنِ آرزو کی چمک عطا ہوتی ہے تو نعت ہوتی ہے۔ جب لفظوں کو مرصع کاری و دیخت ہوتی ہے تو نعت ہوتی ہے۔ نعت پلکوں کی جھلماہٹ، اشکوں کی جلوہ گری اور حضورِ نبی کریم ﷺ سے روحانی وابستگی کا نام ہے، جس طرح محبت کے لیے کچھ خاص دلِ مخصوص ہوتے ہیں کیوں کہ یہ نغمہ ہر ساز پر گایا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح نعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والسلام کا نزول بھی ہر انسان کے قلب و فکر پر نہیں بلکہ نعتِ مصطفیٰ ﷺ دل کے کوہِ فاران سے پھوٹی ہے تو مشامِ جان معطر ہو جاتے ہیں۔

نعت سیدنا حسان بن ثابت کی سنت ہے۔ یہ تو حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن زہیر کا روحانی سرمایہ ہے جو صدیوں کے قوافل سے تاریخ کے صفحات پر سفر کرتا ہوا عہدِ حاضر کا اعزاز بنا ہے۔ یہی وہ مدحتِ حضور ﷺ کا قرینہ ہے جو جاتی و قدسی اور عربی و سحرابی سے ہوتا ہوا کفایتِ علی کافی، غلامِ امام شہید، امام احمد رضا خاں، حسن رضا خاں، علامہ محمد اقبالؒ، ظفر علی خاں، محسن کاکورویؒ اور امیرِ مینائی سمیت بے شمار شعرا سے ان کی بہترین فکری کاوشوں کا خراج لیتا ہوا اگلے ادوار کو منتقل ہو رہا ہے۔

اسی کوچہٴ نعت میں ایک انتہائی سر بلند لہجہ سر زمین گولڑہ کے تاجدار قبلہ عالم سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ سرکارِ گولڑوی نامور عالمِ دین، جلیل القدر محدث، عظیم دانائے راز اور معرفت و تصوف کے انوارِ بکھیرنے والی شخصیت تھے۔ ایک زمانہ برسوں آپ کے

گلستانِ علوم معرفت سے خوشہ چینی کرتا رہا۔ آپ نے باطل نظریات کے خلاف جہاد کیا۔ آپ وہ رجلِ رشید تھے جن کے لیے بزمِ ہستی مدتوں نمودار رہتی ہے۔ آپ وہ بطلِ جلیل تھے جن سے مسندِ ارشاد کو اس کا حقیقی حسن عطا ہوتا ہے۔ آپ وہ رہبرِ یگانہ تھے کہ جن کی جنبش لب، تقدیرِ خداوندی کا پرتو ہوتی ہے، آپ وہ نابغہ روزگار تھے کہ جن کا ہر قول، فیعل ہوتا ہے، آپ اسلام کی آبرو اور کاروانِ زندگی کا کمال جستجو تھے۔ صورت و سیرت میں شوکتِ اسلاف کا عکسِ جمیل۔ غرض کہ آپ اپنے علمی و فقہی کارناموں، نظریاتی کاوشوں اور مخلوقِ خدا کو معرفتِ الہی سے آشنا کرنے کے حوالے سے اپنے ہی اس شعر کا مصداق معلوم ہوتے ہیں:

از لطف خلاق دماں داریم ممتاز از جہاں

وضع دگر طرد سے دگر، ذوق دگر شوق دگر

قبلہ عالم گولڑوی کی تمام صفات کا تذکرہ بجا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ کی تمام فکری رفعتوں اور روحانی بلندیوں کا مرکز و محور ذاتِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ سرکارِ ابد قرار ﷺ سے آپ کی محبت ان رفعتوں کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے جہاں تک عام آدمی کے تصور کی پرواز بھی ممکن نہیں۔ یہی محبت جب شاعری کے پیرائے میں جلوہ گر ہوتی ہے تو پھر نعتِ رسول کے زمرے پھوٹتے ہیں۔ مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کے ترانے ابھرتے ہیں۔ توصیفِ حضور ﷺ کے گلاب کھلتے ہیں۔ اور پھر آپ کی نعت نگاری کے ذریعے عشقِ رسول ﷺ کے ایسے ایسے روحانی اسرار منکشف ہوتے ہیں کہ قاری بحرِ حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔

محبتِ رسول ﷺ کی یہی شدت تھی جو انھیں باطل قوتوں کا مقابلہ کرتے کرتے سلطنتِ انگلشیہ کے خود کاشٹہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی کی خانہ ساز نبوت کے مقابلے پر لے آئی۔ بزمِ آرائی سے رزمِ آرائی کی جانب سفر تھا۔ تحریری مقابلے تو مدت سے جاری تھے۔ مناظرے بھی ہو رہے تھے کہ یکایک مہابلہ تک نوبت آ پہنچی تو یہ سید زاوہ اپنے جدِ اعلیٰ حضور محمد ﷺ کی سنتِ تازہ کرتے ہوئے مہابلہ کے میدان میں ڈٹ گیا۔ برصغیر کے تمام مسالک کے علمائے اور جملہ مشائخ کرام نے آپ کی علمی فضیلت اور روحانی سرفرازی کو دیکھتے ہوئے آپ کو اسلام کا نمائندہ قرار دے دیا۔ آپ اس شانِ مرتضویٰ کے ساتھ میدانِ عمل میں اترے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اس مہابلہ میں آ جاتا تو قبرِ خداوندی سے ہلاک ہو جاتا۔

اسی طرح جب ایک مرجہ غلام احمد قادیانی نے آپ کو تحریری مقابلہ کی دعوت دی تو

آپ نے اس مقابلہ کو قبول کرتے ہوئے یہ تاریخی کلمات فرمائے:

علمائے کرام کا اصل مقصود تحقیق حق اور اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے، فقر و تعلیٰ مقصد نہیں ہوتا۔ ورنہ جناب نبی کریم ﷺ کی امت میں اس وقت بھی ایسے خدام دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیر قرآن لکھ جائے۔

ظاہر ہے اس سے آپ کا اشارہ اپنی جانب تھا۔ چنانچہ بعد میں اس چیلنج کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ”میں نے یہ دعویٰ از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالم مکافہ میں جناب نبی کریم ﷺ کے جمال باکمال سے میرا دل اس قدر قوی اور پختہ ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کامل تھا کہ اگر اس سے بھی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور سچا ثابت کر دیتا۔“

ظاہر ہے کہ جب مشقِ مصطفویٰ پیر سید مہر علی شاہ کے ہر بن مو سے ابھر رہا تھا تو پھر آپ کا ہر جملہ جو شانِ رسول ﷺ میں کہا گیا۔ نعت مرصع کی صورت نظر کیوں نہ آتا۔ آپ کی یہ مشہور زمانہ نعت ایک عرصہ سے بے شمار اہل ایمان کے لیے وظیفہٴ مشقِ حضور بنی ہوئی ہے۔

”اج سک متراں دی ودھیری اے“

یہ نعت اس قدر خوب صورت اور معانی و مفاہیم کے لحاظ سے اس قدر جامع ہے کہ جب بھی کوئی نعت خواں خوش الحانی سے اس نعت کو محفل میں پڑھتا ہے تو سننے والے بے خود ہو جاتے ہیں اور ہلکوں پر آنسوؤں کے موتی جھلکانے لگتے ہیں۔ اس نعت کی تاریخ ساز مقبولیت کے پس پردہ ایک داستانِ ایمان آفریں پوشیدہ ہے۔ ہم اس کا کچھ حصہ اصحابِ نظر کی نذر کرنا چاہیں گے۔ آپ فرماتے ہیں۔

مدینہ عالیہ کے سفر میں بمقامِ وادیِ حرا ڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے عشا کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی مدرسہ صولتیہ میں محفلِ تعلیم و تدریس چھوڑ کر حسنِ ظن کی بنا پر بغرضِ خدمت اس مقدس سفر میں میرے شریک ہوئے تھے۔ ان رفقا کی معیت میں قافلہ کے ایک طرف سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سرورِ عالم ﷺ سیاہ عربی جبہ زیب تن فرمائے تشریف لا کر اپنے جمالِ باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک مسجد میں بحالتِ مراقبہ

دوزانو بیٹھا ہوں۔ آنحضور ﷺ نے قریب تشریف لا کر ارشاد فرمایا کہ ”آل رسول کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔“ میں نے اس حالت میں آنجناب ﷺ کی ہر دو پنڈلیوں کو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ و فغاں کرتے ہوئے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا شروع کیا۔ اور عالم مدہوشی میں روتے ہوئے عرض کیا ”حضور کون ہیں۔“ جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آل رسول ﷺ کو سنت ترک کرنا نہیں چاہیے۔ تین بار یہی سوال و جواب ہوتے رہے۔ تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا جب آپ ندائے یا رسول اللہ سے منع نہیں فرما رہے تو ظاہر ہے کہ خود آنحضرت ﷺ ہیں اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔ اس حسن و جمال باکمال کے متعلق کیا کہوں۔ اس ذوق و مستی و فیضان کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر لنگ البتہ بادہ خوارانِ عشق و محبت کے حلق میں ان ایات سے ایک جڑے اور اس نافہ مشک سے ایک ٹھہر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(اقتباس از ”مہر منیر“ تصنیف فیض احمد فیض، ص ۱۳۲، ۱۹۶۹ء)

حضرت گولڑوی کی یہ تحریر اور ایات اس وقت کی سعادت عظمیٰ کی کیفیات کی بہت حد تک عکاسی کرتے ہیں۔ تحریر بالا سے واضح ہوتا ہے کہ آپ وصال نبوی کے مراتبِ عالیہ سے مشرف ہو چکے تھے۔ آپ اس وقت جس کیفیتِ نور سے دوچار ہوئے اور حسنِ عقیدت کے انعام کے طور پر جلوہ ہائے محبوب سے جس طور نوازے گئے ان کی جلالتِ آفریں صدائے ہازگشت ”اج سک متراں دی ودھیری“ کی صورت ہی میں سنائی دے سکتی تھی۔ یہ نعت آپ نے اس موقع پر وادیِ حمرہ اور مدینہ منورہ کے درمیان موزوں فرمائی تھی۔ حضرت قبلہ کی طبیعت میں تواضع اور اخفائے راز کا غلبہ تھا۔ اس قسم کے واقعات کو شاذ و نادر ہی ظاہر فرماتے تھے اور وہ بھی کسی خاص مصلحت کے تحت۔ ورنہ ان انعامات بے کراں کا جو اس دربارِ گوہر بار سے مرحمت ہوئے یا ان نوازشات بے پایاں کا جو خانہِ خلاق جہاں میں عطا ہوئیں ایک شمع تک بھی کہیں ظاہر نہیں ہونے دیا۔ وادیِ حمرہ میں پیش آنے والی کیفیاتِ سرمدی میں انھیں جو لطف و سرور عطا ہوا اس کی جھلک اس شہرہ آفاق نعت کے علاوہ کئی دوسری نعتوں میں بھی نظر آتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ نوازشیں

بھلائی بھی تو نہیں جاسکتیں۔

سوارۂ بگدشتی و ما ہنوز از شوق

نہادہ رُوئے بخاکِ سمِ سمند تو ایم

اس نعت میں اتنا لوج اور طرزِ بیان میں اتنی تاثر انگیزی ہے کہ دل و جان بہ یک وقت اس کی کیفیات میں ڈوب ڈوب جاتے ہیں۔ پٹھوہاری زبان کی دل کشی و رعنائی اوپر سے عشق و عقیدت کی بہتات کی بدولت یہ نعت رگ و پے میں سامنے لگتی ہے اور قاری اس کیف آگے تاثر میں اس طور غرق ہو جاتا ہے کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں کی مالائیں پروئے لگتی ہے۔ اتنی حلاوت، اتنی موسیقیت، اللہ اللہ، یوں لگتا ہے جیسے انسان نہیں بلکہ خود قدسی شانِ محبوب میں نغمہ بجا ہوں۔ اس کی تاثر انگیزی کے حوالے سے مولانا فیض احمد فیض جو کہ سرکارِ گولڑوی کے تذکرہ نگار ہیں اپنی تصنیفِ لطیفِ مہرِ منیر میں ایک واقعہ یوں درج کرتے ہیں:

تذکرہ بالا نعت کی عالم گیر اثر پذیری اب محتاجِ بیان نہیں رہی۔ پنجابی کلام سے لطف اندوز ہونے والی محفلوں میں ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اور لوگوں کی فرمائش کے پیش نظر ریڈیو پر بار بار آتی ہے جب کبھی یہ نعت پڑھی جا رہی ہو تو شدتِ شوق و فراق سے ہر آنکھ اشک بار ہوتی ہے اور کیفیات کا نور و سرور سامعین کے قلوب میں موجزن ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جن دنوں علامہ اقبال میکلوڈ روڈ پر رہتے تھے۔ شام کے دھند لکوں میں کوئی شخص اس نعت کا پہلا شعر ترنم سے کہتا جا رہا تھا۔ علامہ نے اپنے ملازم کو دوڑ کر اس گزرنے والے کو بلوا کر ساری نعت سنی اور جب مقطع میں:

مہمان اللہ ما اجملک، ما احسک ما اکملک

کہتے مہر علی کہتے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کہتے جاڑیاں

میں حضرت قبلہ عالمِ قدس سرہ کا نام سنا تو کہا کہ اب معلوم ہوا کہ اس

کلام میں اتنا بے پناہ درد و اثر کیوں ہے۔

(”مہرِ منیر“ از فیض احمد فیض، صفحہ ۱۳۳، ۱۹۶۹ء)

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ کا سرکارِ گولڑوی کو یہ خراجِ عقیدت اس اس سبب سے تھا کہ وہ ان کی شخصیت کے روحانی اور دینی کمالات سے بخوبی واقف تھے۔ اس ضمن میں علامہ محمد

اقبال کا حضرت گولڑوی کے نام مکتوب درج ہے۔ اس مکتوب کو کئی تذکرہ نگاروں اور محققین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ اس مکتوب میں علامہ اقبال نے پیر صاحب سے اپنی ارادت مندی کا ذکر کرتے ہوئے وحدت الوجود کے حوالے سے ان سے راہنمائی کی استدعا کی ہے۔ ہم اس مکتوب کی ابتدائی سطور قارئین کی نذر کر دیتے ہیں۔ مقصود فقط علامہ اقبال کی پیر گولڑوی سے اردات مندی کا اظہار ہے۔

لاہور ۱۸ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ! السلام علیکم۔ اگرچہ زیارت اور استفادے کا شوق ایک مدت سے تھا تاہم اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اس محرومی کی تلافی اس عریضے سے کرتا ہوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال آپ کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے... میں نے سنا کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے۔ اس لیے مجھے یہ عریضہ لکھتے ہوئے تامل تھا، لیکن چوں کہ مقصود خدمت اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اس تصدیق کے لیے جناب معاف فرمائیں گے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔ التماس دعا۔

قلم۔ محمد اقبال

(نام و نسب از نصیر الدین نصیر گولڑوی، ۱۹۸۹ء، درگاہ گولڑہ شریف)

بات ہو رہی تھی سید مہر علی شاہ گولڑوی کی نعت گوئی کی حکیم الامت علامہ محمد اقبال بہت بڑے عاشق رسول ﷺ اور دانائے راز تھے۔ وہ بھلا ایسی عظیم شخصیت سے کیوں کرا جی رہ سکتے تھے جس کی زبان اور قلم نے برصغیر کی فضاؤں میں محبت رسول ﷺ کی لازوال مہک بکھیر دی جاتی۔ اقبال لاہور میں رہتے تھے اور پیر گولڑوی کی تبلیغی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز لاہور ہی تھا۔ یہ لاہور ہی تھا جہاں سرکار گولڑوی نے شاتمان رسول کے خلاف جہاد کیا۔ گستاخانہ بارگاہ نبوت کا پوری قوت ایمان کے ساتھ مقابلہ کیا۔ باطل نظریات کے خلاف سید سکندری بن گئے۔ غیر مسلم قوتوں کا مقابلہ کیا اور سب سے بڑھ کر حکومت انگلشیہ کے خود کاشتہ پودے قادیانیت کے خلاف

جس غیرت ایمانی کا مظاہرہ کیا اس کی صدائے بازگشت صدیوں تک وقت کے ایوانوں میں محسوس ہوتی رہے گی۔ علامہ اقبال کا آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہونا کوئی حیرت انگیز امر نہیں بلکہ حیرت تو جب ہوتی اگر علامہ آپ کی علمی فکری اور فقہی سر بلندیوں سے بے خبر ہوتے۔ علامہ اقبال کا یہ فرمانا کہ:

”اب معلوم ہوا کہ اس کلام میں اتنا درد کیوں ہے۔“

”اج سک مٹراں دی ودھیری اے“ ایسی نعت تھی جو آپ کے قلم گوہر بار سے ٹپکی تو اہل شوق کا دغیفہ بن گئی۔ زبان موثر، لہجہ طلاوت آفریں اور انداز دل نشیں تھا کہ دلوں میں اترتی چلی گئی۔ اس نعت کو اس قدر سوز و گداز اس لیے حاصل ہوا کہ اس کے پس منظر میں زیارت رسول کے جلوے چل رہے ہیں۔ خوش بخت ہیں وہ آنکھیں جنہوں نے رخ محبوب کو دیکھا اور سعید بخت ہے وہ قلم جسے حسن محبوب کو شاعری کی زینت بنانے کی سعادت عطا ہوئی۔ اگر پیر گولڑی کی اسی ایک نعت پر بات کی جائے تو داستان شوق بے اختیار پھیلتی چلی جائے گی۔ ایک صاحب دل نے خوب لکھا تھا کہ اگر پیر گولڑی فقط یہی لکھ جائے اور مزید کچھ نہ لکھتے تو یہی ایک نعت انھیں شہرت دوام عطا کرنے کا باعث بن سکتی تھی۔

یہ نعت کیا ہے؟ صحیفہ شوق ہے، جمال ذوق ہے۔ کمال آرزو ہے، حسن گداز ہے، فکر کی بلند پردازی ہے۔ جذبوں کی سرفرازی ہے۔ عشق رسول کی آتش شوق میں پکھل جانے کا نام ہے۔ حاصل سوز و گداز کے نام پر اپنے وجود کو مٹا کر بقائے دوام سے کہنا ہم کنار ہونے کا پیغام ہے۔ الفاظ کی پُر شوق لے ہے۔ خم کدہ وارفتگی کی زندگی بخش لے ہے۔ بلاغت کی جلوہ افروزی ہے۔ دل کا ترانہ ہے، حسن بیان کا فسانہ ہے۔ آنکھوں کا نم ہے۔ حب رسول ﷺ سے مہکتے ہوئے پھولوں پر رحمتِ مصطفویٰ کی برستی ہوئی شبنم ہے۔ خاموش لیوں کا نذرانہ ہے۔ مچلتے اشکوں کا بیانا ہے۔ جیسے کوئی ساربان وقت کے صحرا میں گم گنبدِ خضریٰ کا تصور کر کے اس صدائے شوق کے ساتھ اپنا راستہ تلاش کر رہا ہے۔

اج سک مٹراں دی ودھیری اے کیوں دلائی اُداس گھنیری اے؟
لوں لوں وچ شوق چنگیری اے اج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
یہ نعت مسافر کی کوک ہے۔ شمع عشق حضور میں جل جانے والے پروانے کی ہوک ہے۔ اس نعت کے بے شمار فکری اور ادبی محاسن اور صوتی کمالات اپنی جگہ، یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ

یہ نعت بجائے خود سراپائے رسول ﷺ کا حسن لیے ہوئے ہے۔ ہر بند میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم معطر کے کسی نہ کسی عضوِ نورانی کا تذکرہ ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ جن آنکھوں میں وادی حرا میں عطا ہونے والی حضور ﷺ کی لمحہ افشائیاں بس رہی ہیں وہ تو ایسے ہی اشعار کا حسن لٹائیں گی۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

کھ چہ بدر شمعانی اے	تمہے چمکے لاث نورانی اے
کالی زلف ہے اکھ مستانی اے	معمور اکھیں دین مدھ بھریاں
دو ابرو قوس مثال دین	جیس توں نوک مڑا دے تیر چمن
لباں سرخ آکھاں کہ لعل یمن	چنے دند موتیاں دیاں ہن لڑیاں
اس صورت نوں میں جان آکھاں	جانان کہ جانیاں جہاں آکھاں
سچ آکھاں ہے رب دی شان آکھاں	جس شان توں شاناں سب بنیاں

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی کچھ ایسی ہی کیفیت کو قلم بند کیا ہے:

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ
 ان سانئیں انسان وہ انسان ہیں یہ
 قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
 ایمان یہ کہتا ہے کہ مری جان ہیں یہ

بیر گزروی کی اس نعت میں تشبیہات و تراکیب کی کثرت ہے مگر کوئی ترکیب بھی ذہن پر بوجھ نہیں بنتی بلکہ دل و دماغ کو روحانی فرحت عطا کرتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے سراپائے اقدس کے حوالے سے ان کے اشعار آیات قرآنی اور احادیثِ مقدسہ کی ترجمان ہیں۔ جوں جوں نعت آگے بڑھتی ہے آپ پر ذوق و شوق کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔ اور آپ کا سرِ عقیدت بارگاہِ محمدیت میں بھد نیاز خم ہونے لگتا ہے۔ کیوں کہ اسی بارگاہ سے انہیں انوارِ احدیت عطا ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:

ایہ صورت ہے بے صورت تمہیں	بے صورت ظاہر صورت تمہیں
بے رنگ دے اس صورت تمہیں	وہج وحدت بھٹیاں جد گھڑیاں
دے صورت راہ بے صورت دا	توبہ راہ کی عین حقیقت دا
پر کم نہیں بے سوچت دا	کوئی ویریاں موتی لے تڑیاں

توصیفِ مصطفیٰ ﷺ میں لفظوں کے گلاب بکھیرتے بکھیرتے ان پر رقت طاری ہونے لگتی ہے۔ دیدارِ حضور کی تمنا پھر سے جاگنے لگتی ہے۔ جلوۂ رسول ﷺ سے دل و جان کو ضوہار کرنے کی آرزو پھر سے سراٹھانے لگتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الوار کے بحر بے کنار میں غوطہ ہونے کا احساس پروان چڑھنے لگتا ہے اور پکار اُٹھتے ہیں:

لاہو کھ توں تھلٹ برو یمن	من بھانوری جھلک دکھاؤ بجن
ادھا مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن	جو حمرا وادی سن کریاں
جرے توں مسجد آؤ ڈھولن	نوری جہات دے کارن سارے سکن
دو جگ اکھیاں راہ دا فرش کرن	سب انس و ملک حوراں پریاں
انہاں سکدیاں تے کر لاندیاں تے	لکھ واری صدقے جائدیاں تے
انہاں برویاں مفت و کاندیاں تے	شالا آون وت بھی اوہ گھٹریاں
یعطیک دھک واس تاساں	فترضی قہیں پوری آس اسان
لج پال کر یسی پاس اسان	واشفع تشفع کج پڑھیاں

اور پھر حضرت گولڑوی کی نعت کا وہ مقطع آتا ہے جو سرکارِ دو عالم کی عظمتوں کا امین اور محبتِ صادق کی تڑپ کا راز دار ہے۔ آپ کو ایک طرف سلطانِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے پناہ عظمتوں اور بلند یوں کا احساس ہے اور دوسری طرف اپنی کم مائیگی پر تڑپ تڑپ اُٹھتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اس نعت کے مقطع تک پہنچنے پہنچنے قاری کو کئی مرتبہ کیف آفریں وارداتِ روحانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس نعت کا آخری شعر فقط شعری رمائیاں ہی نہیں بلکہ قلوبِ غم زدہ کی تمام تر آرزوؤں کی کک اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ شاعر محبوبِ حقیقی کی شانِ محبوبیت اور اپنی بے چارگی کا تقابل کرتا ہے کہ کہاں وہ ممدوحِ دو عالم، محبوبِ عرب و عجم، فخرِ آدم و بنی آدم ﷺ اور کہاں مجھ ساختہ حراماں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کے اندر اُمید کے چراغ بھی جھللا رہے ہیں کہ میں جس سے مخاطب ہوں وہ سراپاِ رحمت اور سراپاِ عطا ہے۔ میں سراپاِ محصیت ہوں تو وہ سراپاِ شفاعت ہے۔ یہ احساس اس قدر تقویت حاصل کرتا ہے کہ حضرت گولڑوی اس شعر کی بدولت بے شمار الم رسیدگانِ ہستی کو سکون و قرار کی دولت عطا کر جاتے ہیں۔

صبحان اللہ ما اجملک	ما احسنک ما اکملک
کتے مہر علی کتے حیری شا	گستاخ اکھیں کتے جا اڑیاں

حضرت گولڑوی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو نعت کو نمودن کا ذریعہ نہیں بناتے۔ آپ تو خلوت گزینی اور حجرہ نشینی کو ترجیح دیتے تھے۔ مگر جس طرح خوش بو کبھی بھی خلوت کدوں میں محسوس نہیں ہو سکتی اور اس نے زمانے بھر میں پھیلنا ہوتا ہے اسی طرح آپ کے فکر و نظر پر فیضان حضور ﷺ کی برسات اس طرح برس رہی تھی کہ آپ فنا فی الرسول ﷺ ہو گئے تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن عشق حضور سے آباد تھا۔ اس لیے آپ کی خلوت گزینی بالآخر اس طرح روحانی بزم آرائی میں تبدیل ہوئی کہ آپ ہر شام رسول کے لیے شمشیر برہنہ اور ہر گستاخ و بے ادب کے لیے برقی اجل بن گئے۔ آپ کو رب کریم نے زبان و بیان کا حسن عطا کیا تھا۔ کئی زبانوں پر عبور تھا مگر زندگی بھر فقر و تعلیٰ سے دور رہے۔ مجز و اکسار کو اپنی فکر کا محور بنائے رکھا۔ یہی عاجزی انھیں بارگاہ رسول ﷺ میں قبولیت کا شرف عطا کر گئی۔

ہم پہلے ”سفرِ حرا“ کا ذکر کر چکے ہیں کہ اس مبارک سفر میں آپ کو کس طرح زیارت رسول ﷺ نصیب ہوئی اور آپ کس شان سے نوازے گئے۔ ایک اور مقام پر اپنی خوش بختی کا اظہار کرتے ہیں۔

مدینے میں بلا بھیجو قریب وادی حرا
تڑپ کر ڈال لوں میں ہاتھ پھر سیمیں ساتن میں

اس شعر میں ”سیمیں ساتن“ کو ہاتھوں سے چھونے کی سعادت کی طرف اشارہ ہے۔ آگے آپ کا لہجہ مجز و اکسار میں ڈھل گیا ہے اور بارگاہ رسول ﷺ میں فریاد کناں ہونے لگتے ہیں:

حریف ساغروے ہوں غریق بحرِ عصیاں ہوں سہارا ہے فطرتی کا مجھے محشر مکان میں
مجھے کیا غم ہے محشر کا، مرا حامی ہے جب وہ شاہ کہا لولاک و ملہ و منزل جس کی شان میں
دلا مت رو غلام ہو کر تو محی الدین جیلے کا مریدی لا تحف بس ہے سہارا ہر دو کون میں
سرکار گولڑوی ایسی شخصیت تھی کہ جس کا وجود پورے زمانے کا اعزاز ہوتا ہے۔ آپ علوم دینیہ پر کمال درجے کی دسترس رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نعتیہ اشعار میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی عظمت و فضیلت کے اعلیٰ سے اعلیٰ نکات ملتے ہیں۔ جملہ عشاق سرور کونین کا عقیدہ ہے کہ حضور طہیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور خدائے کریم نے ہر چیز سے قبل تخلیق کیا۔ آپ نے فرمایا ”اول ما خلق اللہ نوری“ کہ خدا نے سب سے پہلے میرے نور کو اپنے نور سے تخلیق کیا۔ اور

یہ نور اس وقت تخلیق ہوا جب زمان و مکاں نہیں تھے۔ زمین و زمان نہیں تھے۔ لوح و قلم اور کرسی و عرش کا وجود نہیں تھا۔ جب چاند سورج ستارے نہیں تھے۔ جب بحر و بر، شمس و قمر اور شجر و حجر کا وجود نہیں تھا۔ جب زندگی اپنے احساس اور کائنات اپنے ادراک سے محروم تھی تو اس وقت رب العالمین نے اپنے محبوب مصطفیٰ ﷺ کے نور مظہر کو جلوہ گر کیا اور پھر اسی نور سے بزم ہستی سجائی گئی۔

اس محبوب اور مرغوب موضوع کو بہت سے شعرا نے اپنے نعتیہ کلام میں قلم بند کیا ہے جیسا کہ امیر خسرو فرماتے ہیں:

نمی دانم چه منزل بود شب جائیکہ من بودم بہر سو رقص ببل بود شب جائیکہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو محمد ﷺ شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم
یہی مضمون ظفر علی خاں کے ہاں یوں نظر آتا ہے۔

پھوٹا جو سینہ شب تار الست سے اُس نور اولیں کا اُجالا تمھیں تو ہو
یا پھر امام احمد رضا خاں کی تحفیل پر داز ملاحظہ کیجیے:

زمین و زماں تمھارے لیے، جنس و چناں تمھارے لیے
مکین و مکاں تمھارے لیے، بنے دو جہاں تمھارے لیے
دہن میں زباں تمھارے لیے، بدن میں ہے جاں تمھارے لیے
ہم آئے یہاں تمھارے لیے اُنھیں بھی وہاں تمھارے لیے

اور پھر ایک اور صاحبِ نظر کے ہاں اسی مضمون کا حسن ملاحظہ کیجیے:

فصل اللہ علیٰ نور کرز و شد نور ہا پیدا
زمین از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا

غرض کہ نور مصطفوی ﷺ کی تخلیق کے بارے میں عربی، اردو، فارسی اور پنجابی زبانوں کے شعرا صدیوں سے نعت کی صورت میں اظہار خیال کر رہے ہیں۔ مگر جب مہر علی شاہ گولڑوی اس مضمون کو بیان کرتے ہیں تو بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ سرکار گولڑوی کے فکرِ معجز نما کی پرواز سمندر کو کوزے میں سمونے کا نظارہ پیش کرتی ہے۔ آپ کی فکرِ رسا عشقِ رسول ﷺ کی بلندیوں کو اس شان سے چھوتی ہے کہ پڑھنے والا فرط عقیدت سے جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ آپ کے خلقتِ نور محمدی ﷺ کے مضمون کو اپنے نعتیہ اشعار میں اس شان سے باندھا ہے

کہ دلوں کو نور محمدی ﷺ کی تخلیق کے فلسفے تک پہلی مرتبہ رسائی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ سید مہر علی شاہ چند معرعوں میں وہ کچھ بیان کر گئے ہیں جو بعض اوقات شاعر طویل نعتیہ مشوی میں بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے اور پھر سرکار گولڑوی کی انفرادیت یہ ہے کہ نور محمدی ﷺ کی اولیت کا تذکرہ کرتے کرتے اپنے والہانہ پن اور بے خودی و سرشاری کو بھی حاصلِ شوق بنا گئے ہیں۔ آپ کا نعتیہ انداز ملاحظہ کیجیے اور لطف و سرور کی کیفیات میں ڈوب جائے، فرماتے ہیں:

کن فیکون تاں کل دی گل اے اساں اگے پریت لگائی
توں میں حروف نشان نہ آہا جدوں وتی میم گواہی
اچے دی سانوں اوہ پئے دسدے نیلے پوٹے کاہی
مہر علی شاہ رل تاہیوں بیٹھے جداں سک دہاں لوں آہی

حضور سیدنا مہر علی شاہ کے نعتیہ اشعار میں ”سک“ کا لفظ بہت سے مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ ”سک“ کا مطلب ”طلب، چاہت اور آرزو“ ہے۔ آپ کے نعتیہ اشعار کے حسن کے طفیل یہ لفظ بذات خود اتنا حسین، دلآویز اور جامع نظر آتا ہے کہ نعت کا لازمی جزو دکھائی دینے لگتا ہے۔ یہ لفظ آپ سے پہلے بھی استعمال ہوتا تھا۔ مگر چوں کہ آپ کے نعتیہ کلام نے غیر معمولی شہرت حاصل کی، اس لیے یہ لفظ بھی آپ کی دل نواز نعت نگاری کے صدقے اس قدر مقبول ہو گیا کہ دور حاضر کے کئی شعرا کے نعتیہ مجموعوں کے ناموں کا حصہ بن گیا۔ اسی لیے ”کلام الامام الامام الکلام“ یعنی ”امام کا کلام زمانے بھر کے کلام کا امام ہوتا ہے۔“ کا مقولہ آپ پر صادق آتا ہے۔

آپ کو فارسی زبان پر کمال درجے کا عبور حاصل تھا۔ چوں کہ آپ کے دور میں فارسی علماء، فضلا کی زبان تھی اور تمام دینی سرمایہ عربی اور فارسی میں ہی موجود تھا اس لیے آپ کی نظم اور نثر فارسی زبان کے حسن استعمال کے لحاظ سے بہت اعلیٰ و ارفع نمونہ ہے۔ ہم فارسی زبان میں آپ کے چار ایسے اشعار نقل کر رہے ہیں جن میں مقامات مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے حسن تغزل کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں:

بستہ شد اندر ازل خاطر بدار شور جہاں	کز نسیم تاب زلفش نوریاں پیچہ ہے
اکھل البتین الخ و ازج الخ الحسین	سرمہ گیس چشمے، کماں ابرو ہلچے ارحے
ردے تاباں والی و اللیل مولیٰ ذا بھی	و ز فتحاتش لوا نینین از جہنمے
دوش در گوشم رسیدہ از سگان کوئے دوست	مہر دا کے سزد ہر خود پرستے بے غے

فارسی زبان پر قبلہ عالم گولڑوی کو کمال عبور تھا۔ آپ کے نعتیہ کلام میں حسنِ تغزل بھر
شان کار فرما ہے۔ حسنِ تغزل کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ حسنِ تغزل لفظوں کی گل کاری اور
جذبات کی سحر کاری کا نام ہے۔ یہ جذبوں کی تپش اور دل شوریہ کی خلش ہے۔ اس میں طالب
بہت کچھ کہہ کر بھی یہی محسوس کرتا ہے کہ جیسے کچھ بھی نہیں کہا۔ حسنِ تغزل میں لفظوں کے پھول
کھلتے ہیں اور افکار کی کلیاں چمکتی ہیں۔ ہر شعر بلاغت کا آئینہ دار اور نور و نکبت کا حسنِ پد و تارِ نظر
آتا ہے۔ سید مہر علی شاہ گولڑوی عام روایتی شاعر نہیں تھے جو کسی وقتی مجبوری کے تحت نعت و مدحت
کے کوچے میں جمالِ ہاکمال کو تصور میں رکھتے ہیں۔ انہی کی یادیں انہی کی باتیں۔ انہی کے لیے
جیتے اور انہی کے ناموس پر مر مٹنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ آپ نے تو اپنے محبوب ﷺ کے جمال
جہاں آرا کا نظارہ بھی کر رکھا ہے اور بار بار دیکھنے اور دیکھتے رہنے کی آرزو انہیں مسلسل بے قرار
کیے ہوئے ہے۔ یہی بے قراری و اشک باری ان کے نعتیہ اشعار کو حسنِ تغزل کی معراج بخش دیتی
ہے۔ اس ضمن میں ان کی اور نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو آپ کی روحانی واردات قلبی کے
غماز ہیں:

مبارک طرہ شریکِ مہوش طائر	کشد نافہ مشکیں بروئے اہل نیاز
کیم گدائے درِ مفلسی و کوتاہ دست	کجا ایں قالیہ صبری و قصہ ہائے دراز
توئی کہ ذرہ صفت را باہاں بروی	چکو نہ شکر تو گوید کینہ بندہ نواز
غرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست	کمال حشمتِ محمود را بجز ایاز
رہین ساقی چشم کہ جرمہ بخشاں	د جام چہرہ ترکانِ مہو شانِ حجاز
بہ بزم بادہ فروشاں بہ نیم جو نہ خرد	متاع زاید طماع چہ حج و صوم و نماز
مزارِ حج مغاں راز ہائے سربستہ است	نفاں ز واعظِ خود ہیں کجا است محرم راز؟
اگرچہ حسن تو ازہر غیر مستغنی است	من آں نیم کہ ز ایمان خویش آیم باز

سید مہر علی شاہ گولڑوی جب پنجابی زبان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو آپ کے قلم معجز
رقم میں اور ہی والہانہ پن سا جاتا ہے۔ زبان کی مٹھاس، لہجے کی چاشنی، بر محل الفاظ کا استعمال،
دل نشیں تراکیب بر محل بولتے ہوئے مصرعے، آنسو بہاتے ہوئے جذبے، خیالات کی روانی،
احساسات کی طغیانی، افکار کا بحر بے کنار اُچھلتا ہوا، معانی کا آہوئے تاتاری پھلتا ہوا۔ ان میں
بعض تراکیب ایسی ہیں جو آپ کے اپنے علاقے سے مخصوص ہیں۔ مگر آپ کے لہجے کی مٹھاس

نے انھیں ایسا جلالت آفریں بنا دیا کہ قلب و جان کو بوجھ نہیں بلکہ روحانی فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کے کہے ہوئے مناقب میں بھی بہت سے اشعار نعتیہ ہیں اور آپ کی منظومات میں بھی نعت رسول ﷺ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ آپ نے پنجابی زبان میں جو بھی لکھا وہ حاصلِ کلام ٹھہرا اور ایسے قبولیت عام کی خلعت عطا ہوئی۔ آپ نے نعتیہ ماہیا بھی لکھا۔ نعتیہ ڈھولا بھی لکھا اور باقاعدہ نعت بھی لکھی۔ غرض جو بھی لکھ دیا عوام و خواص کی نظروں میں محبوب و مقبول ٹھہرا۔

ایک جگہ آپ حضرت جائی کی ”یوسف زلیخا“ کی طرز میں پنجابی نعتیہ اشعار رقم فرماتے ہیں۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کا رخ سلطانِ دو عالم ﷺ کی جانب ہے اور آپ شہرِ مدینہ کی جدائی میں بے قرار ہیں اور جانِ مدینہ ﷺ کے دیار کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ اس نعت کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

نسما قاصدانہ ولس لائیں	لوجہ اللہ ماہی دے دیس جائیں
ادب سیتی دیویں بوسہ زمیں نوں	تے آکھیں اس طرح اُس نازمیں نوں
مدت ہوئی نہ ملیا یار پیارا	کدیں منزل کرے سوہنا اتارا
کے ہوسی چا نوازیں گولڑی نوں	زیادہ نہ کریں گل تھوڑی نوں
ہو واں میں سگ مدینے دی گلی دا	ایہو رتبہ ہے ہر کال دی دا
دلا سمجھا توں اکھیاں روئیاں نوں	جگر دا خون بھر بھر کھوندیاں نوں
رہی سمجھاتے آون باز ناہیں	روون دھوون تے دسن راز ناہیں

اسی نعت میں ان کا گداز نئی بلند یوں کو چھوتا ہے اور عشق جو رسمیات سے غیر آگاہ ہوتا ہے یکایک ادب کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ کیوں کہ آپ باخبر ہیں کہ یہ ایسا محبوب ہے جو دو عالم ہی کا محبوب نہیں بلکہ اپنے خالق کا بھی محبوب ہے اور یہاں عشق کے نام پر معمولی سی شوخی بھی نامہ اعمال کو سیاہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس حوالے میں اس طویل نعت سے مزید کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

بہانواں کول آکھاں بول دے ڈھول	ترے بولن اُتوں عالم کراں گھول
دھوڑا ناں کسے دے پیش آوے	کسے دا یار ناں پردیس جاوے
کویں پردیسیاں نوں یاد کرنا	غریب الوطن دا دل شاد کرنا
کوئی ہووے سید کشتی جہاناں	اساں سر پر جھن دے دیس جاناں

سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی آج کے لفظوں میں باقاعدہ شاعر نہیں تھے۔ آپ کی شاعری نمود و نمائش یا شہرت کے حصول کا ذریعہ نہیں تھی۔ اور نہ ہی آپ کے لیے شاعر کہلانا بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس کے لیے آپ نے بہت کم لکھا مگر جو لکھا خوب لکھا۔ آپ کی نعتیہ اشعار اور مناقب پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے دل اور جگر کے کھڑے قرطاس کی زینت بنا دیے ہیں۔ اس تناظر میں ہم دیکھتے ہیں تو آپ کے بہت سے نعتیہ اشعار طویل مناقب سے بھی دستیاب ہیں۔ اپنے مرشد اعلیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو راہوار قلم کا رخ بے اختیار گنبدِ خضریٰ کی طرف مڑ جاتا ہے اور محبتِ رسول ﷺ کے گل و لالہ نوکِ قلم سے ٹپکنے لگتے ہیں۔

مشہور سماجی شخصیت مولوی محرم علی چشتی کے لڑکے مولوی قائم علی گولڑہ شریف کے درسِ دینیات میں داخل ہوئے تو سیدنا مہر علی شاہ کی نگاہِ کرم کے فیضان سے علومِ دین میں یکتا ہو گئے اور حضرت اعلیٰ سے ”فاضل لاہوری“ کا لقب پایا۔ حالاں کہ تمام اساتذہ مولوی قائم علی کے علمی مستقبل سے مایوس ہو چکے تھے۔ ایک روز یہی فاضل لاہوری قاری میں نقم کہہ کر لائے تو سرکارِ گولڑوی نے انھیں یہ نعت فی البدیہہ لکھوا دی:

من کشیدہ امروئے آل دہر مہارم	آشفتہ مہروئے پُر ناز و ستم گارم
وز ناوک مژگانش صد خار پہ دلِ دارم	بربادو یہ قشے ہمہ روز سیاہم شد
وز مصغِبِ روئے او آیاتِ خدا دارم	از زلفِ پریشانش شد خانہ بدوشِ من
اودر من دمن دروے سر یستِ اسرارم	عشق آمد و شد ساری چوں بوبگلاب اندر
پُر آبلہ شد پانیم عمر یست کہ سیارم	بیروں نہ دم قدمے دیں طرفہ تماشا بین
الان کما کان مشہودِ دلِ دارم	قد کان وما معہ ما کان من الاکوان
دلدادہ بمہر آل شہ حیدرِ کرام	تا یافتہ ام خبرے از بابِ علومِ دل

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سرکارِ گولڑوی کی شاعری ان کی وارداتِ قلبی کی غماض ہے۔ انھوں نے بادشاہوں اور سلاطین کے قصائد نہیں لکھے۔ نوابوں اور حکمرانوں کے درباروں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ نوابین اور امرا تو آپ کی نگاہِ کرم کے ہتھی رہا کرتے تھے۔ آپ کی نگاہوں میں تو جمالِ سیدالکونین ﷺ کے جلوے بے رہتے تھے۔ باقاعدہ شاعری نہیں فرمائی۔ بعض اشعار قلبی وارداتوں کے ترجمان بن کر اہلِ نظر کے لیے سرمایہٴ عقیدت بن گئے۔ بعض اوقات اصحابِ ذوق کی فرمائش پر فی البدیہہ اس شان سے اشعار کہے کہ حاصل

کلام بن گئے۔ بعض اوقات آستانہ عالیہ کے ترنم ریز غلاموں کی فرمائش پر قوالی کے انداز پر نعتیہ اشعار لکھے جنہیں شہرت عالم اور بقائے دوام کی سند خاص عطا ہوئی اس ضمن میں ان کی لکھی ہوئی ایک نعتیہ قوالی کے دو بند پیش خدمت ہیں:

جب سے لاگے تورے سنگ نین بیا
نیند مگی آرام بھیں ساری ساری رین بیا
دکھ آئے سکھ بھاگ گئے سب عیش مٹا سارا بھین بیا
تن من دھن سب تجھ پہ واروں وار دیوں کوئیں بیا
جیا ترہیت ہے دین دیکو صدقہ حسن حسین بیا
وصل علی کیا شان ہے لامفلک فی الدارین بیا
مہر علی ہے حب نبی اور حب نبی ہے مہر علی
لحمک لحمی جسمک جسی فرق بھیں مابین بیا
جب سے لاگے تورے سنگ نین بیا
نیند مگی آرام بھیں ساری ساری رین بیا

سید مہر علی شاہ گولڑوی نظریہ وحدت الوجود کے زبردست عالم بلکہ مبلغ بھی تھے۔ اس سلسلے میں آپ گھنٹوں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ نامور علما سے جو اس نظریے کے حامی نہیں تھے ان کے مناظرے بھی ہوئے۔ اس نظریے کے مخالف نامور صوفیا نے بھی نظریہ وحدت الوجود کو ایک مقام پر جا کر درست کہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسے بازیچہ اطفال نہیں بننا چاہیے۔ جیسا کہ سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول منسوب ہے کہ:

منصور نے انا الحق درست کہا تھا مگر حق یہ تھا کہ اسے ضبط کیے رکھتا۔

شریعت تو ظاہری لازم کو بھی مد نظر رکھے گی۔

قبلہ سید مہر علی شاہ گولڑوی کی تریہ تحریروں اور شاعری میں اس عظیم نظریے کی جلوہ گری خوب خوب محسوس ہوتی ہے۔ ان کی نسبت قادریہ کے ساتھ ساتھ چشتیہ بھی تھی۔ شمس الدین سیالوی کے دامان طریقت سے وابستہ ہوئے تو دنیا ہی بدل گئی۔ اپنے گھر سے بہت کچھ عطا ہوا تھا، سرکار سیالوی کے روحانی فیوضات نے مستغنی کر دیا۔ انھوں نے سرکار سیالوی سے اتنی محبت کی کہ فنا فی الشیخ کے درجے پر فائز ہو گئے۔ ادھر سرکار سیالوی کو بھی اس مرد کامل سے غایت درجہ محبت تھی۔ اگر دیکھے ہوئے عرصہ گزر جاتا تو فوراً بلوا لیتے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ ادھر شیخ کے دل

میں طلب جاگی اور ادھر سرکار گولڑوئی، سیال شریف کی نورانی فضاؤں میں جلوہ گر ہو جاتے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پیر اور مرید کج کج کے عاشق و معشوق تھے۔ دلوں کی زبان سے گفتگو کرتے اور پیغام رسانی کا ہنر جانتے تھے۔ سید مہر علی شاہ کا نعتیہ کلام اور غزلیات گولڑہ شریف کے علاوہ سیال شریف میں بھی قوال بڑے ذوق و شوق سے پیش کرتے۔ سرکار گولڑوی کے لکھے ہوئے مناقب ان کی خواجہ شمس الدینؒ سے محبت کی دل نشیں اور نہایت مؤثر تصویر پیش کرتے ہیں۔ ان مناقب میں عشق و عقیدت کی سرفرازی بھی۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مجھ سے علمی لحاظ پر جو کچھ ہو سکا ہے وہ اسی شمس نورانی (خواجہ شمس الدین سیالوئی) کے نور معرفت کی بدولت ہوا ہے۔ اپنی کتاب ”سیف چشتیائی“ میں تحریر کرتے ہیں۔

اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا شیخ میرے پاس موجود ہیں اور اپنی توجہ سے وہی قادیان کے جواب میں یہ دلائل میرے قلب میں القا فرما رہے ہیں۔

اشعار کا حسن ملاحظہ ہو:

شمس نورانی کہ نور مطلق است	در ہمہ آفاق نورش مطبق است
گفت خورشیدے نہاں در ذرۂ	شیر نرد پوسین برہ
وہیں عجب کاں شمس از نور قدم	ناقواں را بود خود صاحب علم
گر نہ دادے نام پاکت دست را	کس نہ دیدے در جہاں این مست را
نام پاکت ساختہ ورد زباں	میر تورا در دلش کردہ نہاں
ہر دو عالم در ہواکش باختہ	پائے از دیدہ براہش ساختہ
سیما آں سرودستان خدا	شاہباز قدس آں شمس العلّٰی
طلعت زو از تجلی فی الخیال	مدرکہ با ناظر گردند لال
بس کن اے دل قصہ بے انقصام	السلام اے بدر ہمسام والسلام

چوں کہ ان اشعار کا انداز نعتیہ ہے۔ تراکیب کے بنانے میں نعت کا حسن لیے لیے اس لیے تذکرہ نگاروں کی جانب سے ٹھوکر کھا جانے کا احتمال ہے اور بعض تو ان اشعار کو سرکار گولڑوی کی نعت گوئی کے پلڑے میں ڈال بھی چکے ہیں۔ مگر جب شاعر بقلم خود ان اشعار میں اپنی عقیدت کا مرجع اپنے پیر و مرشد کو قرار دیتا ہے تو کسی اور کو ان اشعار کو نعتِ سرور کو نہیں سمجھنے سے منسوب

کرنے کی کیا حاجت ہے۔ یہ امر بہر حال طے ہے کہ جب پیر خواجہ شمس الدین سیالوی جیسا ہایزید ثانی ہو اور مرید سید مہر علی شاہ گولڑوی جیسا جنید وقت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وحدت الوجود کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہو تو ارادت مندی ایسی ہی لازوال خوش بو بکھیرتی ہے۔

صوفیائے کرام کا قدیم دور سے ایک شیوہ شاعری یہ رہا ہے کہ یہ حمد یا نعت کا عنوان نہیں باندھتے۔ اپنی واردات قلبی بیان کیے جاتے ہیں۔ اور آنے والے دور کا خوشہ چین حمد و نعت اور پند و نصائح کے جواہر پاروں کو علاحدہ علاحدہ خانوں میں تقسیم کرتے چلا جاتا ہے۔ سید مہر علی شاہ کے ہاں روحانی واردات کی بہتات ہے۔ انتہائی علم و فضیلت نہایت (گہرا مطالعہ) مطالعہ، بے پناہ مشاہدہ اور سب سے بڑھ کر عمل کا حسن۔ ان سب عناصر نے ان کی شاعری کو پڑھنے والوں کے دلوں کے بے پناہ قریب کر دیا ہے۔ ”روز الست“ صوفیائے کرام اور درویش صفت شعرا کا محبوب موضوع ہے۔ اور پھر وہ ساعتیں جب خدائے کریم نور محمد ﷺ سے کرسی، عرش، لوح و قلم، زمین و آسمان، ملائکہ و جنت سمیت تمام کائنات تخلیق کر رہا تھا۔ یہ ساعتیں صوفی شعرا کو روحانی واردات اور فکری تک و تاز کی بدولت اپنے مشاہدہ کا حصہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہ دراصل غیر معمولی مطالعہ، باعمل زندگی، احترام شریعت اور محبت خدا و رسول ﷺ کی کرشمہ کاری ہے کہ مطالعہ مشاہدہ کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کے پس منظر میں حضرت گولڑوی کے یہ اشعار دیکھیے:

اے دی اوہ بیاں دس دیاں سانوں ماہی والیاں ٹالیاں
نال خوشیاں دے رل مل جتے راتاں کالیاں چالیاں
اُرے تھیں اوہ ہے اُریسے، پریسے پرے تھیں
بے شک آپے آپ ہے اساں سکے جموکان بھالیاں
رات وچ دینہوں دیکھ کجھے کل ہی ہالک
کچھ نہ وچ سب کچھ ہے ڈھڑا ایہہ بھنگی چالیاں
جے آکھاں توں دسدا تاہیں تیرے بن پھر کون ہے
روپ کس دا میں دساں دیویں جو توں ہی دکھالیاں
ہے جو تزیہہ مین تشبیہ جمع حق مشہود ہے
کرم کیا غوث الاعظم اپنے سردیاں والیاں

خدا سے باتیں کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ حضرت گولڑوی محبوب خدا کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ ان کا اولیں مصرع:

”اے بچی اویاں دسدیاں سانوں مائی والیاں ٹاہلیاں“

صاف عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف اشارہ کر رہا ہے جب ذاتِ خداوندی تمام انبیاء و رسل کی ارواح سے حضور مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا وعدہ لے رہی تھی۔ ان اشعار کے ساتھ جوں جوں یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے سرکارِ گولڑوی کی بے چینی انتہا کو چھونے لگتی ہے اور وہ دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ دیدارِ مصطفوی کی دولت پہلے بھی ان کا مقدر بن چکی ہے۔ اس تناظر میں ان کی بے قراری دیکھیے:

پا کے گل دھج پیچیاں ڈلفاں دے میں روندی دتاں
ساوی پہلی ہو رہیاں گیاں سرخیاں تے لالیاں
رہندیاں ہل ہل ساں دم دم اڈیاں حیریاں
کنڈولا کے ٹرگیوں جہاں پریتاں نہ پالیاں
جہات پا کے دل گیوں ساری رین گزری روندیاں
نمین برسن زار دم جمجم جیویں بدلایاں کالیاں
دل دا دیہڑا خانہ اکھیاں دا دوہاں نوں انتظار
قدم پاویں جیونداں جیوندیاں نہ ہون خوش حالیاں
دیکھ لو رج رج کے اکھو کچھ وسائیں دم دا
پھر بھی پیاں دیکھسن کوئی خوش نصیاں والیاں
مہر ہے ساری طعّی دی شک نہ رہیا اک ڈرہ
تاہیں اوہ پیاں دسدیاں سانوں مائی والیاں ٹاہلیاں

حضرت گولڑوی اپنی نعتوں میں وہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں جو صوفیا کو محبوب رہا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی شاعری میں غضب کا لہجہ اور نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ محافل، دینی مجالس اور قوالی کی تقاریر میں آپ کی نعتیں نہایت ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ ویسے تو آپ کا تمام کلام ہی عارفانہ ہے اور اس حیثیت سے ہم گفتگو کرنے لگیں تو داستانِ دراز سے دراز تر ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن اس مضمون میں ہمارا موضوع بطور خاص آپ کی نعتیہ

شاعری ہے۔ بعض مقامات پر تو آپ کی طویل متعوقانہ منظومات سے بطور خاص چند نعتیہ اشعار منتخب کرنے پڑتے ہیں۔ آپ کی ایک معروف نعت سے چند بند قارئین کے ذوقِ علمی کی نذر ہیں۔ آپ کی جس نعت سے چند اقتباسات نذر کیے جا رہے ہیں وہ اکثر اعراس کی محافل میں اہل شوق کی وارفتگی کا سامان مہیا کرتے ہیں:

دل گلزا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی بھیں مجال، صل علیہ ذوالجلال
 روئیاں نیناں نوں سمجھا ری کھیا پڑھیا سب بھلا ری
 کہ نام جن دا گا ری رگ رگ تے لوں لوں ساہاں نال
 دل گلزا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی بھیں مجال، صل علیہ ذوالجلال
 کراں یاد میں سوہنی جہات نوں اس سفر عرب والی رات نوں
 اس حرا وادی دی گھات نوں یا لٹیتی یوم الوصال
 دل گلزا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی بھیں مجال، صل علیہ ذوالجلال
 آدم تھیں تاں عیسیٰ مسیح نفسی ہلیسن سب نئی
 اُتے بولی کہ امتی احمد علی نبی صاحب کمال
 دل گلزا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی بھیں مجال، صل علیہ ذوالجلال
 دبی الہی صمدی صل و سلم علی النبی
 فاطمۃ الزہرا و علیٰ حسین جگ دی پناہاں نال
 دل گلزا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی بھیں مجال، صل علیہ ذوالجلال

اس مشہور و معروف نعت میں دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے ان کی تڑپ عجیب ہی رنگ اور بے قراری لیے ہوئے ہے۔ اس معاملے میں آپ دیوانگانِ قافلہ شوق کے سربراہ نظر آتے ہیں۔ بے چینی و بے قراری حد سے فزوں ہونے لگتی ہے:

سارا دن گزاراں بھونیاں گھٹ پلڑا کھ تے روئیاں
 ہجواں نال کھڑا دھونیاں ساری رین سولاں تے آہاں نال
 دل گلزا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی بھیں مجال، صل علیہ ذوالجلال
 حیدری چند تلی تے دھر ری گل پلڑا مٹاں کر ری
 لکھ واری توبہ پڑھ ری رُخڑا مٹاؤں دا خیال

دل لگزا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نہیں مجال، صل علیہ ذوالجلال
جب سے بے قراری اور اضطراب کو چھوٹنے لگتے ہیں تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی شانِ
رحمت کا خیال آتا ہے کہ آپ تو بے یاروں کے یار اور بے چاروں کے چارہ ہیں۔ غم نصیب
زندگی کا درمان اور رنج و الم کے طوفان میں راحت کا سامان ہیں۔ آپ کی شانِ رحمت رونے
دلوں کو ہنساتی اور بھیمکتی آنکھوں کو مسکراہٹ کے آداب سکھلاتی ہے۔ آپ سے غم زدہ کا حال
پوشیدہ نہیں ہے۔ لہذا رونا کیا اور اضطراب کیسا۔ اس جاں فزا احساس کے ساتھ ایک نئی اُمید دل و
جان میں خوشیوں اور مسرتوں کے چراغ روشن کرنے لگتی ہے۔ اور بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں:

مہر ملی کیوں بھریں اُداسی اج کل سوہنا آگل لاسی
ہوں خوشیاں مے غم جاسی ملساں لیاں کر کر باہاں نال

دل لگزا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نہیں مجال، صل علیہ ذوالجلال
ہمارا مقصود چوں کہ حضرت گولڑوی کی نعت گوئی ہے اس لیے ہم نے آپ کے سوانح
سے گریز کیا ہے۔ اجمالی سا تذکرہ حصولِ سعادت کے لیے یوں ہے کہ آپ یکم رمضان المبارک
۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۸۵۹ء بروز پیر راول پنڈی سے چند میل دور گولڑہ شریف میں پیدا ہوئے۔
والد ماجد سید پیر نذر الدین تھے۔ دینی تعلیم مولانا محمد شفیع اور مولانا سلطان محمود سے مکمل کی۔
خاندانی لحاظ سے سلسلہ قادریہ میں صاحبِ اجازت تھے۔ چشتیہ سلسلہ میں سیال شریف کے حضرت
خواجہ شمس الدین سیالوٹی سے سلسلہ بیعت استوار کیا اور تمام زندگی اسی سلسلہ طریقت کو رواج
دیا۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی سے بھی سینہ منور تھا۔ جب حج کے لیے مکہ مکرمہ اور
مدینہ منورہ پہنچے تو دیارِ نور میں آکر خیال آیا کہ یہیں بس جائیں اور زندگی سرکارِ دو عالم ﷺ کے
قدموں میں گزار دیں۔ ان دنوں غلام احمد قادیانی حکومتِ انگلشیہ کی سرپرستی میں بڑی تیزی سے
خلقِ خدا کو گم راہ کر رہا تھا۔ عرب و عجم کے نامور مشائخ اور علما کی استدعا پر آپ اس فتنے کے
استبدال کے لیے برصغیر میں تشریف لے آئے۔ اپنی تمام قلمی، علمی، روحانی اور نظریاتی قوتیں اس
فتنے کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے صرف کر دیں۔ خدائے کریم نے ہر معرکہ حق و باطل میں آپ کو
سرخ روئی عطا کی۔ آپ کا قلم بے پناہ تاثیر کا حامل تھا۔ آپ نے غلام احمد قادیانی کو مباہلے کے
لیے لکھا۔ تمام مسالک کے علما آپ کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ مگر اسے سامنے آنے کی جرأت نہ
ہوئی۔ اس وقت کے صاحبِ کمال بزرگ حضرت خواجہ احمد میر دہلی (میرا شریف) نے فرمایا کہ اگر

مرزا غلام احمد قادیانی آپ کے سامنے آجاتا تو قبر خداوندی کی بجلی اس پر گرتی اور وہ زمین میں دھنس جاتا۔ قادیانیت کے علاوہ آپ نے ہر باطل تحریک اور مسلک کا تعاقب کیا جس کا مقصد اہانتِ رسول ﷺ یا توہینِ حضور تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے متعدد علمی کتب تحریر فرمائیں جو آج بھی اصحابِ علم کے ذوقِ علمی کو جلا بخشتی ہیں۔ زندگی کے آخری دور میں سلسلہ تصانیف، سلسلہ تقاریر سمیت ہر قسم کی بزمِ آرائی سے کنارہ کش ہو کر حجرہ نشین ہو گئے۔ یہ فانی اللہ کی منزل تھی۔ بالآخر ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو یہ آفتابِ ولایت خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ آپ کے وصال کو ایک عرصہ گزر گیا مگر آپ کا حزار پُر انوار آج بھی مرجعِ خلافت ہے:

اُذکر اللہ کار ہرا و ہاش نیست

ارجعی بر پائے ہر قلاش نیست

ہم نے حیاتِ حضرت گولڑوی چند سطور میں رقم کر کے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی سعی کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والا صفات سے بے پناہ محبت و عقیدت ہی ان کے اشعار سے نعت کے نام پر ہجر و فراق کی خوش یو کشید کرنے کا باعث بنی۔ آپ کی شاعری میں جہاں نعتِ حضور، رحمتِ حضور اور الطافِ حضور کے حوالے سے کیف و شادمانی کے احساسات ملتے ہیں وہاں ہجر و فراق، جدائی و فرقت اور اشکِ باری و غمِ ناک کے احساسات بھی بدرجہ اولیٰ ملتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی غزلیات بھی ان کی روحانی واردات کی امین ہوتی ہیں۔ ان کا محبوب مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے کلام میں بہ یک وقت حمد و نعت کی کیفیات موجزن دکھائی دیتی ہیں۔ اردو پنجابی کے علاوہ آپ کی عربی اور فارسی زبانوں پر بھی مضبوط گرفت تھی۔ ان کی نعتوں میں جا بجا عربی کے مصرعے ہی نہیں بلکہ مکمل اشعار بھی بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ قصیدہ فارسیہ عربی قصائد میں بلند ادبی مقام رکھتا ہے۔ آپ نے اس کے بعض اشعار کا پنجابی میں ترجمہ فرمایا ہے۔ ان میں سے چند اشعار پیش خدمت ہیں جن سے آپ کی اس مجبوری و فرقت کا اندازہ ہوتا ہے جو مدینے سے دور رہ کر آپ کو بے چین کیے ہوئے تھی:

ساربانان	مہربانان	راہیا	شالا	جیویں	خیر	تھیویں	ماہیا
آکھیں	جا انہاں	پیاریاں	دل	جانیاں	گوڑھے	نیناں	والیاں
ستارا	عالم	صدقے	آکھاں	بول	توں	واراں	سرکیں
بن	تساڑے	ہک	گھڑی	سو	سال	دی	بہہ
							ٹھکانے
							پچی
							تساڑے
							بھال
							دی

پشماں فرش و چھاواں خاطر ڈھول دی مرجا یا مرجا پئی بول دی
 پہنچیں جدتوں سوہنیاں دی جھوک تے خیر ہووی انہاں نوں ذرا روک تے
 جا سنبھڑا دیویں انہاں جانیاں گوڑھے نیناں والیاں مستانیاں
 ٹھلڈے ٹھیں اوہ بول ٹھوڑے ڈھول دے بول سائول یار روہی رول دے

ان اشعار میں ہجر و فراق اپنی انتہا کو چھوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ قاصد کے ہاتھ پیغام کیا بھیج رہے ہیں یوں لگتا ہے جیسے اپنی رُوح اور دل قاصد کے حوالے کر دیتے ہیں اور انھوں کی برسات کو اظہارِ مدعا کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ امام احمد رضا قاضی بریلوی کے ہاں ایسے ہی اشتیاق کی جھلک یوں ملتی ہے:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مہینے پہنچے
 تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

بلاشبہ حضرت گولڑوی محبوبانِ بارگاہِ خداوندی میں سے تھے۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کا فرمایا ہوا مستند اور جن کا لکھا ہوا حاصلِ ادب ہوتا ہے۔ آپ اوّل و آخر شاعر نہ تھے۔ آپ تو فقط عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ وہ عاشقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کی زندگی سراسر مصطفویٰ کا نمونہ اور جس کی بندگی آدابِ نیاز سے عبارت تھی۔ جس کی زندگی خدا کے نام پر اور جس کی موت نبی مکرم ﷺ کے پیغام پر تھی۔ نعت تو آپ کے عشق و عقیدت اور وارداتِ روحانی کے اظہار کا قابلِ صد ستائش نمونہ ہے۔ آپ کی نعت گوئی تو اس حدیِ خوان کا زحمرہ شوق ہے جسے صحرائے محبتِ رسول میں دیوانہ آگے کو بڑھتے ہوئے وہ جوشِ افتاد کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ آپ گلستانِ مدحت و عقیدت کے وہ گلِ سدا بہار ہیں جس کی خوش بو سے ہر آنے والا زمانہ معطر ہوتا رہے گا۔ روحِ ارضی آپ کی عظمتوں کو سلام کرتے ہوئے آپ کو مقبولیت کی خلعتِ جاودانی عطا کرتے ہوئے پکار رہی ہے:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زمدہ شد عشق
 ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ماخذ:

- ۱۔ ”مہرِ منیر“ از مولانا فیض احمد فیض
- ۲۔ ”مرآۃ العرقان“ از کلام سید محمد علی شاہ گولڑوی

۳۔ "نام و نسب" از صاحبزادہ سید نصیر الدین نصیر گلاڑی

۴۔ "سیارہ ذالنجست" اولیائے کرام نمبر

۵۔ ماہنامہ "سلسیل" عربی حاجی فضل احمد

۶۔ "سیف چشتیائی" از سید محمد مہر علی شاہ گلاڑی

۷۔ "حقیق الحق فی کلمۃ الحق" از سید محمد مہر علی شاہ گلاڑی

۸۔ "الفتوحات المصدیہ" از سید محمد مہر علی شاہ گلاڑی

۹۔ "مفسر الہدایۃ" از سید محمد مہر علی شاہ گلاڑی

۱۰۔ "کتوبات طبیبات" از سید محمد مہر علی شاہ گلاڑی

۱۱۔ "ملفوظات مہر" از سید محمد مہر علی شاہ گلاڑی

۱۲۔ "اعطاء کلمۃ اللہ" از سید محمد مہر علی شاہ گلاڑی



علامہ فیض الحسن سہارنپوریؒ کی نعتیہ شاعری

ہندوستان کی سرزمین ہر عہد میں اساطین عربی زبان و ادب سے معمور رہی ہے۔ علوم و معارف کے ہر میدان میں قابل ذکر خدمات انجام دی گئیں۔ انھیں درخشندہ ستاروں میں ایک ستارہ علامہ فیض الحسن سہارنپوری (۱۸۱۶-۱۸۸۷ء) کے نام سے معروف ہے۔ علامہ، علما اور فضلاء کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔ تصنیف و تالیف اور تدریس و تحقیق میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ عربی شاعری میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ ویسے علامہ کی فارسی اور اردو شاعری بھی خصوصیات سے عمارت ہے۔ آپ کا عربی مجموعہ کلام ”دیوان الفیض“ ہندیت کے اثرات سے نہ صرف پاک ہے بلکہ عربی شعر گوئی کی نزاکتوں اور لطافتوں سے مملو ہے۔ علامہ کی عربی دانی کے لیے بھی کافی ہے کہ مشاہیر علم و فن سرسید احمد خاں، الطاف حسین حالی، وحید الدین سلیم، علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی وغیرہ نے آپ کے حضور زانوئے تلمذ تہ کیے^۱۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ صدر الدین آزاد، احمد سعید دہلوی اور مولانا فضل حق خیر آبادی نے آپ کے علمی اور ادبی ذوق کو نکھارنے میں نمایاں کردار ادا کیا^۲۔ چنانچہ آپ ایک ذہین اور طباع کی حیثیت سے مظهر عام پر آئے۔ مولانا خیر آبادی سے آپ کا نہایت گہرا تعلق تھا۔ جس کا اظہار ان کے اس مرثیہ سے واضح ہے۔ جسے انھوں نے استاد گرامی کے سانچے ارتحال پر قلم بند کیا۔ مولانا کی عظمت و رفعت پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مفی و مضی کالغیث و الغیث دونه فمن متى تنظر الی الغیث نسجم

وہ شخصیت بارش کے مانند سیراب کر کے چلی گئی اور درحقیقت بارش اس

کے بالقابل کم تر ہے۔ ہم اٹک باریں کہ کب ہم اس بارش سے

لطف اندوز ہوں گے۔

☆۳ سراجا منیرا يستضاء بنوره بلبل بیہم اذا تانا بمعجم
وہ چراغ کے مانند ہے، جس کی روشنی سے تاریک رات میں اُجالا حاصل
کیا جاتا، جس وقت ہمارے پاس اندھیرا لے کر آتی ہے۔

اسی طرح ”دیوان الفیض“ میں علمائے کرام، احباب و اصحاب و اہل خانہ کی اموات سے متعلق کئی
مراثی شامل ہیں۔ جن میں اہل علم کے مختلف پہلوؤں اور علمائے کرام کی دینی خدمات پر
اظہار خیال کیا گیا ہے۔ مثلاً نواب شاہ جہاں بیگم، مولوی احمد علی محدث سہارنپوری، مولوی گل محمد،
نواب کلب علی خاں، نواب صدیق خاں، مولوی سلطان حسن، مولوی احمد حسن مراد آبادی، سلطان
عبدالحمید خاں اور حکیم محمود حسن پر عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کیے گئے۔ احباب میں مولانا محمد
قاسم نانوتوی (۱۸۳۳-۱۸۸۰ء) کے انتقال پر ترتیب دیا گیا قصیدہ زبان و بیان کے اعتبار سے
ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ علامہ نے اپنے جذبات کی عکاسی اس طرح کی ہے۔

سمعنا فعال اذا سمعنا نوحه کمثل دہاج لاکراہن شرعا
مولانا کے انتقال کی خبر کو سن کر ہم ان طوفانی ہواؤں کے مثل ہو گئے جو
بادلوں کی رعایت نہیں کرتیں۔

☆۴ سمعت و لم اسمع نداء ولا صدی وهل یسمعن من کان مطلقا مقفعا
مجھے (موت کی اطلاع) مل گئی اور میں نے کوئی پکار اور آواز نہیں سنی
اور کیا انھوں نے مجھ جیسا غم زدہ کسی کو پایا ہے۔

مذکورہ شخصیات کے علاوہ بھی علامہ نے اپنے اساتذہ اور احباب پر مراثی کہے ہیں۔
لیکن ان میں نام کی تصحین نہیں ہے، کچھ وہ قصائد ہیں جن میں علامہ نے اپنے احوال و کوائف
بیان کیے ہیں۔ اپنی بے بسی کا ذکر کرتے ہوئے رحمت ایزدی کے لیے دعا کی گئی ہے۔ دنیا کی
بے ثباتی کا بار بار احساس دلایا گیا ہے۔ ہر جگہ خشیتِ الہی کی جلوہ سامانی ہے۔ علامہ تقویٰ و تدین
کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔

علامہ سہارنپوری کی طبیعت کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ۱۸۷۰ء سے ۱۸۸۷ء
تک اورینٹل کالج لاہور سے وابستہ رہ کر تشنگانِ علم کو سیراب کرتے رہے۔^{☆۵} آپ کے اس علمی
مقام و مرتبہ کو دیکھتے ہوئے علامہ شبلی اور مولانا فراہی نے آپ سے استفادہ کے لیے لاہور کا سفر

کیا^{۶۵} آپ کی شخصیت کا ایک امتیازی پہلو یہ تھا کہ قرآن کریم کے مطالب و معانی کی توضیح و تفسیر کے سلسلے میں کلام عرب سے مدد لیتے تھے۔^{۶۶} علامہ کے اسی نقطہ نظر نے مولانا فراہی کے فہم قرآن کو جلا دینے میں مہیز کا کام کیا۔ مولانا فراہی اپنے استاذ گرامی سے حد درجہ متاثر تھے کہ اور خود علامہ بھی انھیں کافی چاہتے تھے۔ جس کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ علامہ اپنے شاگرد کو سبع معلقہ کی شرح کے مسودہ کو عنایت کرتے ہوئے، اس پر مولانا کی صلاحیتوں کے اعتراف میں اپنے قلم سے مہر ثبت کی۔^{۶۷} مولانا بھی اکثر اپنے استاذ محترم کی تعریف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ کی کوششوں سے ہندوستان میں طلبہ کو قدیم شعرا کے کلام سے روشناس کرایا جانے لگا۔ مولانا کی خدمات کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ ڈیوٹی سوسائٹی کو تقویت دینے میں آپ کو نمایاں رول رہا ہے۔ اس کے ترجمین میں آپ سرخیل کے مانند تھے۔ آپ کے تراجم سرسید کی نظر میں تسلی بخش تھے۔^{۶۸}

آپ کا تصنیفی خدمات میں تعلیقات الجلالین، حاشیہ بیضاوی، حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، شرح دیوان الحماسہ اور شرح معلقات السبع وغیرہ شامل ہیں۔ آخر الذکر شرح ”ریاض الفیض“ تین زبانوں میں ہے۔ یہ مسودہ مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔^{۶۹} دیوان الفیض کے علاوہ مولانا کا ایک شعری مجموعہ ”چشمہ فیض“ فارسی زبان میں ہے اور ایک دوسرا ”گلزار فیض“ کے عنوان سے اردو زبان میں ہے۔

عربی مجموعہ کلام ”دیوان الفیض“ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس میں مختلف مراۃ اور قصائد کے علاوہ گیارہ نعتیہ قصائد ہیں جو تقریباً تین سو اشعار پر مشتمل ہیں۔ ان میں آنحضور ﷺ کے مختلف اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات تمام انسانیت کے لیے منار ہدایت ہے۔ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ سے وابستگی میں دین و دنیا کی کامیابی پوشیدہ ہے۔ علامہ جابجا تائید الہی کے لیے دست بدعا ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس کو ”جل متین“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس رشتے کو مضبوطی سے تمام کر دنیاوی اور اخروی مشکلات سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ شیخ یزید ہدایت پر بار بار درود و سلام بھیجے گئے ہیں۔ مومنین سے درود و سلام کے لیے درخواست کی گئی ہے۔ اپنی بے بسناحتی کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ تاجدار نبوت کو تاریکیوں کا چراغ کہا گیا ہے۔ اپنے گناہوں کا بار بار اعتراف کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے چہرہ انور کی تابانی اور ضوفشانی کا کثرت سے اعادہ کیا گیا ہے۔ قیامت کی سختیوں اور ہول ناکوں سے بچنے کے لیے آپ ﷺ

سے شفاعت کی التماس کی گئی ہے۔ علامہ کے تمام شعر حسبِ نیمی میں ڈوبے ہوئے ہیں، جس سے آپ کی دالہانہ عقیدت اور انتہائی شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔ عشقِ رسول ﷺ آپ کے رگ و ریشے میں بسا ہوا ہے۔ یہی ان کی روئے زیت تھی اور علامتِ معرفت بھی۔ اس مضمون میں علامہ کے نعتیہ اشعار کو پیش کرتے ہوئے علامہ کے مقام کا تعین کیا جائے گا۔ سب سے پہلے کچھ ایسے اشعار نقل کیے جائیں گے جن میں آپ ﷺ کے شاملِ مقدسہ کو بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے:

یودی و ينصر من يلوذ به اذا عی الفتی بالنصر و الایواء
جب نوجوان مدد کرنے اور پناہ دینے سے عاجز ہو جائے اور ان حالات
میں کوئی آپ ﷺ سے پناہ مانگے تو آپ ﷺ اسے پناہ دیتے اور مدد
کرتے ہیں۔

ایا من همه دفع الہلایا و یا من دابہ لک الرقاب
اے وہ عظیم شخصیت! تمہارا مقصد تو مصائب کا ہٹانا ہے اور اے مقدس
ذات! اگر دونوں کو آزاد کرانا تو تمہاری شناخت ہے۔

رسول ابطحی ہاشمی شفیع، مستجیب، مستجیب
رسول اکرم ﷺ وادیِ بطحا کے رہنے والے، ہاشمی، شفاعت کرنے والے
اور (مصائب پر) لبیک کہنے والے ہیں۔

خلقت مبارکا و بعثت سمعنا فاحسن ہی علی مولیٰ و عابی
آپ ﷺ کی تخلیق باعثِ برکت اور بعثت عنود و درگزر ہے۔ چناں چہ
آپ ﷺ نے ہماری خرابیوں اور برائیوں کے بدلے ہمارے ساتھ اچھا
سلوک کیا۔

جواد کریم لا یخیب سائل و کل له فی ما یرید مصبح
آپ ﷺ فیاض اور نخی ہیں، کسی سائل کو مایوس واپس نہیں کرتے اور اس
کی ہر مطلوبہ شے اسے مل جاتی ہے۔

یجود لنا من ظہر غیب فیز تجی کما ترتجی الام العطوف فروخ
آپ ﷺ دستِ غیب سے ہماری یادری فرماتے ہیں۔ پس ہم آپ ﷺ

سے اسی طرح آس لگائے ہوئے ہیں۔ جس طرح چڑیوں کے بچے اپنی
ماں سے لو لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔

لن يبلغ المطلوب دونك جاهداً فهم ذكي اروع نفاذ
طاقت ور، ذہین، بہادر اور حکمران اپنے مقصد میں آپ ﷺ سے بے نیاز
ہو کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔

الی انا دہک اذ اخرجت من حیاتی ولا ابالی هنا من كثرة اللعط
جب مجھے اپنی قبر سے نکالا گیا تو آپ ﷺ کو آواز دوں گا اور وہاں کے
شور و شغب کی پروا نہیں کروں گا۔

امشی الیک و لا ابغی معاونة من راکب العنسی او من فارس الفرط
آپ ﷺ کی طرف بڑھوں گا اور مجھے کسی اونٹنی کے سوار یا برق رفتار
گھوڑے کے سوار سے مدد مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

مذکورہ اشعار میں سرور کونین ﷺ سے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے
آپ ﷺ کی نعتیہ شاعری کی مختلف خصوصیات کو سیٹھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ علامہ نے آپ ﷺ کو
ماوئی و طبا، پریشان حال کے لیے جائے سکون، غلاموں کے لیے ذریعہ نجات، غربا کی آواز پر
لبیک کہنے والے، باعث برکات، مجموعہ غنود درگزر اور بے مثال فیاض قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کی
شفقت و محبت کا حال ان چڑیوں کے مانند ہے جو اپنے پروں کے پیچھے اپنے بچوں کو چھپا لیتی
ہیں۔ دشمنان رسول اپنے مطالب و مقاصد کے حصول میں نامراد رہیں گے، علامہ نے اپنا نقطہ نظر
کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ آپ ﷺ کی ذات عظیم سے وابستہ ہونے کے بعد مجھے کسی اور
دروازے پر دستک دینے کی حاجت نہیں پیش آتی۔

انہی مقابیم کے کچھ اور اشعار درج کیے جا رہے ہیں:

داری بعید و لا طریق و ان طریق فلا رفیق
میری منزل بہت دور ہے اور گم گشتہ مسافر ہوں اور سفر رفیق سفر کے بغیر
ہے۔

دون النبی الندی المرجی اذ لیس لی دولہ شفیق
نبی کریم ﷺ کے علاوہ کون سی بارش ہے جس سے اُمید کی جائے۔ جب

کہ پتا ہے کہ ماسوا آپ ﷺ کے میرا کوئی مہربان نہیں ہے۔

و یشتکی شوکہ المعادی و یجتنی قطفہ الصدیق
اور دشمن اس کی عظمت سے شاکہ ہیں۔ اور دوست اس کی محبت کو سمیٹ
رہے ہیں۔

رضاء نور و محفظہ ظلمہ تعباً بہا المبرق
آپ ﷺ کی رضا نور کے مثل ہے اور آپ ﷺ کی برہمی ایسی تاریکی ہے
جسے بجلی بھی دور نہیں کر سکتی۔

ان تلونا فکل ماء لنا کنار بہا المحرق
اور اگر آپ ﷺ کی توجہ ہم سے ہٹ گئی تو ہر پانی ہمارے لیے اس آگ
کے مانند ہے جسے جہنم کی آگ نے دھکایا ہو۔

ان ترضی عنا فحبنا من مالنا ملبس صفیق
آپ ﷺ کی رضا ہمارے لیے سب کچھ ہے، سچ پوچھیے تو ہم (مرد و گرم
ہواؤں سے بچنے کے لیے) مناسب لباس سے محروم ہیں۔

و لا لطیف و لا کثیف و لا جدید و لا عتیق
اور نہ تو آپ ﷺ سراسر نرم اور نہ ہی سراسر سخت ہیں اور نہ ہی بالکل جدید
اور نہ ہی یکسر قدیم ہیں۔

لا اوتوی بالیم ما لم اشف بسجالیہ
اور میں سمندر سے بھی سیراب نہیں ہوتا ہوں جب تک کہ میں آپ ﷺ
کے ڈول سے اپنی تشنگی دور نہ کروں۔

مذکورہ اشعار میں علامہ نے آپ ﷺ کی رفاقت و محبت کی آرزو کی ہے اور آپ ﷺ
کی طاقت و قوت، نورانیت کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا گیا کہ آپ ﷺ نے پیاسوں کی پیاس بجھایا۔
زندگی کے ہر میدان میں احتدال کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد کچھ اشعار ایسے نقل کیے جائیں گے
جن میں استفادہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ علامہ آپ ﷺ کی شخصیت کے حوالے سے اس دنیا
اور آخرت سے مدد کے طالب ہوئے۔

اغثنی الت غوث مستغاث و غثنی الت غیث فوالضباب

آپ ﷺ ہماری یاوری کیجیے آپ ﷺ ہی تو اللہ کی جانب سے نازل کردہ
ماویٰ و بلجا ہیں اور آپ ﷺ ہمیں سیراب کریں، کیوں کہ آپ ﷺ
ابرہاراں کے مانند ہیں۔

الیتک مستغیثا مستغیثا بقلب فارغ یحکی حبراہی
میں فارغ البال ہو کر آپ ﷺ کے حضور مدد کے لیے دست بدعا ہوں
اور یہ دل اپنے اضطراب کی داستان آپ ﷺ کو سنارہا ہے۔
الیتک المستغاث فان لغتی و الا فالتباب علی التباب
اے دیکھیرا! ہم تمہارے حضور حاضر ہیں اور اگر آپ ﷺ نے ہماری
دیکھیری کی تو فیہا اور ورنہ ہلاکتوں پر ہلاکت ہے۔

هو الغيث كل الغيث لاغيث مثله ميزوی لمن بدعوه من ظمعا صد
اصلاً وہی ہارش ہے، جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ چناں چہ وہ اس شخص کو
سیراب کرتے ہیں جو شدت پیاس کے وقت اسے پکارے۔
کریم ندی الکفین لاغيث مثله یغیت الوری لولاه ماکان من ندی
آپ ﷺ فیاض ہیں، دونوں ہاتھوں سے لٹانے والے ہیں۔ یہ سخاوت
بے مثال ہے۔ آپ ﷺ مخلوق کو سیراب کرتے ہیں اور یہ ہارش آپ
کے ہی فضل سے ہے۔

انت الشفیع المطاع المستغاث به او مانا فیه من واق ولا فردا
آپ ﷺ شفیع ہیں۔ لائق اطاعت ہیں اور آپ ﷺ کی ذات سے مدد
چاہی جاتی ہے۔ اور آپ ﷺ کی ذات کے علاوہ ہمیں نہ تو کوئی پہچانے
والا ہے اور نہ ہی ہم پر غالب ہونے والا ہے۔

و من نستعینہ به فی المواحی و من نستغیث به فی المہالک
اور آپ ﷺ کی ذات عالیہ بیانون میں ہمارے لیے جائے پناہ ہے اور
ہلاکتوں میں ہم آپ ﷺ ہی سے مدد کے خواستگار ہیں۔

و یالیت شعری ای غوث یغیثی اذا لم یغثی صنوعمی ولا صنوی
اور کاش کہ تجھے پتا چلتا کہ کس کرم فرمانے مجھ پر کرم فرمایا۔ جب کہ

میرے چچا کے لوگوں نے اور میرے اپنے لوگوں نے مجھ پر کرم نہ کیا ہو۔

الشفیع المشفع المستغاث المصرخ المنقذ الکفی الوہیا
آپ ﷺ شفیع، مشفع، مستغاث، دہگیر، نجات دہندہ، کافی و شافی اور
وقادار ہیں۔

مسئلہ ”استغاثہ“ نہایت نازک مسئلہ ہے۔ اکثر شعرا یہاں دائرۃ اسلام سے تجاوز کر جاتے ہیں، اللہ اور رسول کریم ﷺ کے مابین فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے۔ علامہ سہارنپوری نے مذکورہ اشعار میں قرآنی نقطہ نظر واضح کر دیا کہ آپ ﷺ ”انت غوث المستغاث“ کے درجے پر فائز ہیں، لیکن یہ مرتبہ من جانب اللہ ہے۔ علامہ نے مذکورہ اشعار میں آپ ﷺ کو بارش کے مانند قرار دیا ہے، جو بارش دہی دلوں کو فرحت و انبساط سے لبریز کر دیتی ہے۔ جو اڑے دلوں میں زندگی کے آثار پیدا کر دیتی ہے۔ یہی وہ بارش ہے جو انسان کو ہلاکتوں سے بچاتی ہے اور اذیتوں سے نجات دیتی ہے۔ اس کے بعد چند ایسے اشعار نقل کیے جائیں گے جن میں آپ ﷺ کی ذات النور کو سہارا کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہ وہ سہارا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں انسان کی کامیابی کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

فہو المعرۃ الوقی و من یعصم بہ لہ یجد عصمۃ من قاصم الظہر فاضح
آپ ﷺ کی ذات اقدس ٹھوس رشتی کی طرح ہے۔ اور جو اس سے وابستہ ہو گیا وہ ظالم سے محفوظ ہو گیا، ظالم ضرور رسوا ہوگا۔

من لی بمغفرتی لیغفرلی و من یحفی علی و من یحبیب دعائی
نبی محمد ﷺ کے علاوہ بھی کوئی ہے جو ہماری مغفرت فرما دے، ہمیں ہر طرح کا اعزاز دے اور ہماری پکار پر لبیک کہے۔

دون النبی محمد و هو الذی نرجوہ فی الضبراء و السبراء
نبی کریم ﷺ کی ہی ذات اقدس ہے جس سے رنج و غم اور فرحت و مسرت میں امید لگائے ہوئے ہیں۔

اخاف علی نفسی و اخفی عقوبتی و اشفق من ضعیفی اذا ضاق مرقدی
مجھے اپنے باب میں خوف ہے اور اپنے انجام سے ڈر ہے۔ آپ ﷺ سے درخواست ہے کہ قبر کی تنگی کے وقت میرے ضعف پر رحم فرمائیں۔

تَعْلَمُ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْكَ عَرُوْتِيْ وَ عَرُوَّةٌ مِنْ خَاصِّ الْهُوٰى غَيْرِ مَهْتَدِ
اے اللہ کے رسول آپ ﷺ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ میری رتی ہیں۔ اور
ہوئے نفس کے فرماں بردار کی رتی ضلالت و گم رہی ہے۔

لَا تَلْتِ حَبْلَ لَا الْقَصَامَ لَهُ بِهِ يَسْتَمْسِكُ الْأَمْعَرُافَ وَالْإِنْبَادَ
اور آپ ﷺ کی ذات اقدس ایسی رتی کی طرح ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن
ہے، اس رتی سے شرفا وابستہ ہیں۔

بُھوٰی وَبُھوٰی الدَّلُّ مِنْ لَمْ يَحْتَصِمُ بِحِیَالِهِ
جو شخص آپ ﷺ کی رتی کو قحطائے ہوئے، نہیں ہے وہ قعر مذلت میں تیزی
سے گر پڑتا ہے۔

احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ قیامت کے روز اللہ کی اجازت کے بعد
اپنی امت کی شفاعت کی عرض داشت اللہ کے حضور پیش کریں گے، اسی توسط سے اللہ کے صالح
بندوں کو اپنے نبی کریم ﷺ سے اُمید ہے کہ وہ ہماری مغفرت کا سامان آخرت میں مہیا
کریں گے، علامہ نے مذکورہ اشعار میں اطاعتِ رسول کو ”حبل من الرسول“ سے تعبیر کیا ہے،
اس رتی کو پکڑ لینے کے بعد انسان پیش آنے والی ہلاکتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی ”حبل
معین“ کے پیش نظر محبینِ رسول ﷺ نے اپنی کم زوریوں کو حبیبِ خدا کے سامنے پیش کیا ہے۔

مَهْوَتْ عَلٰی شَيْءٍ عَلِيْكَ مَعُوْلٰی وَطَعَتْ عَلٰی ضَعْفِيْ وَحَمَلَكْ لِيْ يَدِيْ
آپ ﷺ پر بھروسا کے سبب مجھے اپنے بڑھاپے کی فکر نہیں اور میں اپنے
ضعف سے تنگ ہوں جب کہ آپ ﷺ کی رتی میرے ہاتھ میں ہے۔

نَحْنُ الْعَتَاةُ وَ لَا صَرِيْحٌ لَنَا فَلَآ اِلَّا عَلِيْكَ الْفَكَ وَ الْإِلْقَادَ
ہم اسیروں کا کوئی معاون نہیں ہے، پس گردن کی آزادی اور نجات
دلانے کا انحصار محض آپ ﷺ پر ہے۔

الْأَمْرُ أَمْرُكَ مَا تَعْلَمُ لَمَّا اِلَّا إِلَيْكَ الْأَمْرُ وَالْإِنْفَادَ
آپ ﷺ کے تمام اقوال و افعال حکم کا درجہ رکھتے ہیں اور صرف
آپ ﷺ ہی کی ذات فرمان کو جاری کرتی اور نافذ کرتی ہے۔

إِنِّيْ أَمْرٌ لِّسَ لِيْ عِلْمٌ وَ لَا عَمَلٌ كَانَنِيْ مَهْمَلٌ عَارٍ عَنِ النِّقْطِ

میرا دامن علم اور عمل سے خالی ہے، گویا کہ میں غیر منقوٹ کلام بے معنی ہوں۔

حان المنشور فليحزى الناس ما عملوا فليت لى عملا كالكاما السقط
یوم نشور کے برپا ہونے کے بعد لوگوں کے اعمال کی جزا پیش کی جائے
گی، کاش کہ میری جموں میں باند کھائے ہوئے اور خسارہ اٹھائے ہوئے
فخص جیسا ہی عمل ہوتا۔

الى امرء مستكين متين بعيد المرام عديم المسالك
میں حد درجہ لاچار و مجبور ہوں، مقصد سے بہت دور اور بے راہ رہ ہوں۔

عہات على عهدي بمن كان صافه كصدق سراب يخدع المركب فى المدو
میرا تعلق ایک ایسے شخص سے ہے جس کی صداقت اس سراب کی صداقت
کی مانند ہے جو صحرا میں سوار کو فریب دیتی ہے۔

مذکورہ اشعار میں علامہ نے اپنی بے بسی اور ضعف کا ذکر کیا ہے کہ ہم بے سرو سامان
ہیں۔ ہم اندھیروں میں گم ہیں، راہ ہدایت سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ ہمارے سامنے کوئی
شعاع اُمید نہیں اور تمام صالح مقاصد نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ اس اضطراب اور شب
و بھور میں تمھاری توجہ کی شدید ضرورت درکار ہے۔ ہماری عجز و انکساری کو سرور کونین سے زیادہ
بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ علامہ نے اپنے نعتیہ اشعار میں خوف آخرت کا بھی ذکر کیا ہے اور اپنے
گناہوں کی کثرت کا بھی۔

الهم وما العى يسهل و هين و باشرت ما باشرتہ عن نعمہ
میں گنہ گار ہوں اور میرے گناہ ہلکے پھلکے نہیں ہیں اور یہ سارے گناہ میں
نے شعوری طور پر کیے۔

فالیوم حظى حمرة و ندامة و العین عبری و الفواد جذاذ
پس آج میری قسمت حسرت و ندامت سے عبارت ہے اور آنکھیں نم
ناک ہیں اور دل پاش پاش ہیں۔

و انت الذى ترفعى يوم بعث و من نستعين به فى الملاحک
اور آپ ﷺ ہی سے قیامت کے روز اُمید کی جاسکتی ہے اور آپ ﷺ ہی
سے عوارض و موانع میں مدد طلب کی جاسکتی ہے۔

اجیل بہالی اذ خلوت و ماسوس المعاصی وان اعیت کالجمل المنصور
جب میں تنہائی میں معاصی کے دوسوں سے دوچار ہوتا ہوں تو دل
مضطرب ہو جاتا ہے اور لاغراؤنٹ کی طرح تھکن سے چور چور ہو جاتا ہوں۔

صریخ و مالی من صریخ و صاحب وحشوی ذنوب لیس مادولہا حشوی
میرا کوئی مددگار اور دمساز نہیں ہے اور میری باتیں گناہوں سے گراںبار
ہیں۔ ان کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔

مذکورہ اشعار میں شاعر نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے، خود کو خطاؤں کا مجسمہ قرار
دیا۔ ایسی صورت حال میں قیامت کی سختیوں سے صرف اللہ کے رسول کی معاونت اور توجہ ہی کام
آ سکتی ہے۔ علامہ کے نعتیہ قصائد میں کثرت سے ایسے اشعار ہیں جن میں آنحضور ﷺ سے
شفاعت کی التماس کی گئی ہے۔ علامہ نے اس مضمون کو مختلف انداز و اسلوب میں پیش کیا اور بار
بار اپنے اس احساس کی نہایت خوب صورت طرز پر عکاسی کی ہے، جس میں عشقِ رسول ﷺ کا
بحرِ خارِ متلاطم ہے۔ یہ غیر معمولی شیفنگی آپ ﷺ سے انتہائی درجہ تعلق کی غماز ہے۔

شفیع کریم جل عن وصف واصف و بقصر عما فیہ اطراء مادله
آپ ﷺ شفیع اور فیاض ہیں۔ شاخوں کی شاخوانی سے بالاتر ہیں اور مدح
خوان کے مبالغے بھی آپ ﷺ کی صفات کو منظرِ عام پر لانے سے
قاصر ہے۔

اخاف مقامی عند ربی و ارتجی شفاعۃ حبی یوم کشف القیامح
اللہ کے یہاں مجھے اپنے انجام سے ڈر لگ رہا ہے اور مسائل و مصائب
کے دن کی آمد پر مجھے آپ ﷺ کی شفاعت کی اُمید ہے۔

فخذ ہید متی و جد بشفاعۃ علی و ایدلی و انت مویدی
آپ ﷺ میری دہگیری فرمائیں اور مجھے اپنی شفاعت سے نوازیں اور
میری تائید فرمائیں، کیوں کہ آپ ﷺ ہی تو موید ہیں۔

انت الشفیع المستطاب بہ اذ ما لنا فیہ من واق و لافوط
آپ ﷺ ایسے شفیع ہیں جس سے مدد چاہی جاتی ہے، (آپ ﷺ سے
وابستگی کے بعد) کسی محافظ اور عالم کی مجھے پروا نہیں ہے۔

و شفیعہ فینا اذا لم یشفع لنا من حمیم ولا من مبارک
اور آپ ﷺ کی مدد ہم لوگوں کے مابین ہے، جب کہ کسی دوست اور کسی
کی چاہت سے ہماری مدد نہیں کی گئی۔

الشفیع المشفع المستغاث المصرخ المنقذ الکفی الوفیہ
آپ ﷺ شفیع، مشفع اور مستغاث ہیں۔ نجات دلانے والے، محافظ، کامل
اور وقادار ہیں۔

هذا و قد کثر الذنوب و انما ار جوبان یعفو الذنوب عفوہا
ان حالات میں گناہوں کا انبار ہے، میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ کی صفتِ
عفو گناہوں کو معاف کر دے گی۔

بمحمد و بالہ و بصحبہ و ہم رجال شفاعتی و فوہا
اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ، آپ کے اہل و عیال اور آپ کے صحابہ کرام
کے طفیل میں بخش دے گا، انھی اشخاص و اصحاب سے میری شفاعت
وابستہ ہے۔

فلذ الشفیع المذنبین محمد و من لاذعن صدق بہ فاز بالنجو
پس تم شفیع المذنبین محمد ﷺ کو اپنا بلا بنا لو اور جس نے آپ ﷺ کی
صداقت سے خود کو منسلک کر لیا، یقیناً اسے نجات مل گئی۔

شفیع لنا اذ لا یقوم لمدنہ شفیع و لا یرجی صریخ لمن یغوی
آپ ﷺ ہمارے (ان وقتوں کے) شفیع ہیں، جب کوئی شفاعت گزار
کسی گناہ گار کی شفاعت نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی معاون سے گم راہ
مخلص کے سلسلے میں مدد کی امید کی جاسکتی ہے۔

شفیع لنا اذ نحن یشہد یومنا فیظہر ما یخفی و ینشر ما نطوی
(میدانِ حشر میں) جب ہم اپنے حالات کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے تو
آپ ﷺ ہمارے شفیع ہوں گے اور ہمارے تمام پوشیدہ اور چھپے ہوئے
حالات ظاہر ہو جائیں گے۔

مذکورہ اشعار میں بار بار اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتے ہوئے آغوشِ شفیع کی شفاعت

کا ذکر کیا گیا ہے، ان اشعار میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اس کے بغیر بیڑے کا پار لگنا ممکن نہیں، اگر آپ ﷺ کی شفاعت نہ ہوئی تو قیامت کی سختیاں جاہ کر ڈالیں گی۔ اے آقائے نامدار! بے بس اور لاچار کی مدد کیجیے، آپ ﷺ کی وفاداری ہمارے گناہوں کے مغفرت میں بہت کام آئے گی، قیامت کے روز آپ ﷺ کی توجہ کے بغیر مشکلات سے بچ لگنا ممکن نہیں۔ مذکورہ اشعار میں جن جذبات و احساسات کی ترجمانی کی گئی ہے ان سے علامہ کی ایمانی قوت اور نبوت محمدیہ پر کامل یقین کا ترشح ہوتا ہے اور ان کا قلب حب رسول ﷺ سے سرشار ہے۔ اب کچھ ایسے اشعار نقل کیے جائیں گے جن میں آپ ﷺ کے چہرہ انور کی تابانی کا ذکر ہوگا۔

من مس شيناً ضفاہ وجہاً فوجہہ مسفر طلیق

جس کسی نے معمولی سا (آپ ﷺ کا) ذکر کیا، تو یہ چیز اس کے لیے سودمند

ثابت ہوگی، آپ ﷺ کا چہرہ انور کس قدر تاب ناک اور روشن ہے۔

و هو الیقین لما بہ من حسنہ و جمالہ

اور آپ ﷺ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے کس قدر خوش نما مظهر پیش

کرتے ہیں۔

و ذی جمال رابق کشف الدجیٰ بجمالہ

اور آپ ﷺ غیر معمولی حسن کے مالک ہیں، آپ ﷺ کے حسن سے

تاریکیاں مچھٹ گئیں۔

ابن السماوات العلیٰ من جاہہہ و جمالہ

آپ ﷺ کے جاہ و جلال کے سامنے بلند و بالا آسمان بے معنی ہیں۔

ما بدرہن کبدہ و ہلالہ کھلالہ

آسمانوں کا ماہ کامل آپ ﷺ کے ماہ کامل سے بہتر ہے اور آپ ﷺ کے

ہلال کی مثال آپ ﷺ ہی کے ہلال سے دی جاسکتی ہے۔

من صد عن وجہہ مقاہا فوجہہ شاہ او یشوہ

جس نے آپ ﷺ کے چہرہ انور سے بیوقوفی میں اعراض کیا تو اسے سمجھ

لینا چاہیے کہ اس کا چہرہ بدرو ہے یا بدرو ہو جائے گا۔

واعف عنی واعطنی لم وجہا مسقرأ ضاحکا بشیرا بہما

اور آپ ﷺ ہمیں درگزر فرما دیں اور نوازشوں سے نوازیں۔ پھر اپنے
تاب ناک کھلے ہوئے، کشادہ اور پر رونق چہرے کے دیدار سے سرفراز
فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آنحضور ﷺ کو تمام ظاہری اور باطنی حسن سے نوازا تھا، دشمنان اسلام بھی
آپ ﷺ کے چہرے کے انوار سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے بھی اس کا کھلے دل سے
اعتراف کیا یہی وہ حقیقی سحر تھا کہ جب آپ ﷺ کے سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ
کے انتظار و استقبال میں کھڑی مصوم لڑکیاں نغمہ ریز ہو گئیں:

طلع البدر علینا من لیلات الوداع
کوہ وداغ کی گھاٹیوں سے چاند ہم پر نمودار ہو گیا۔

وجب الشکر علینا ما دعی للہ داع
ہم پر شکر خداوندی لازم ہے، جب تک دعا مانگنے والے اللہ سے دعا
مانگتے ہیں۔

نحن جوار من لیل النجار یا حبذا محمد ابن جابر
ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد ﷺ کس قدر اچھے مسایہ ہیں۔

مختلف زبانوں کے شعرا نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق چہرہ انور کی خاکہ گری کی
ہے اور اس کی شاعروں کو اپنے اشعار میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، تا قیامت یوں ہی
چہرہ انور کے تہ در تہ حسن کی تفسیر و تشریح کی جاتی رہے گی، لیکن سچ پوچھیے تو اس کی تمام تر عکاسی
شعرا کے بس میں نہیں۔ اسی طرح کی ایک قابلِ قدر کاوش مذکورہ اشعار میں علامہ نے بھی کی
ہے۔ علامہ کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کے ضیا بار چہرے کے سامنے تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں۔
آپ ﷺ کے جاہ و جمال کے بالمقابل چاند کا حسن بے معنی ہے۔ اسی طرح آسمانوں کی رفعتیں
اس حسین و جمیل چہرے کے پیش نظر اپنا مفہوم کھو دیتی ہیں جو شخص چہرہ اقدس کی تابانیوں سے
محروم ہے اس پر جتنا کفِ افسوس ملا جائے کم ہے۔ علامہ اس خوب صورت چہرے کی حلاوتوں اور
ملاحتوں سے بخوبی واقف تھے۔ اور اس کی کرنوں سے دل کی سیرابی کو فریضہ اولیں تصور کرتے
تھے۔ اور اس کے محاسن میں کھو جانے کو جز ایمان سمجھتے ہیں۔ اسی لیے اپنے جذبات کی ترجمانی
اس طرح کی۔

خلقت مبارک و بعثت مسمحا
 فاحسن لی علی مولیٰ و عابہ
 آپ ﷺ کا وجود باعث برکت اور آپ ﷺ کی بعثت باعث بخشش ہے۔
 پس میری خامیوں اور لغزشوں کے باوجود میرے ساتھ حسن سلوک
 فرمادیں۔

اور اس کے بعد مزید کہتے ہیں کہ اس شجر سایہ دار کے زیر سایہ چند لکھات گزار لینے اور اس کی محبت
 میں کچھ اوقات لگا دینے سے پوری زندگی خوش گوار مناظر سے عبارت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ علامہ
 کا خیال ہے:

من کان یھوی سواہ شینا فحبہ عندنا کریمہ
 اگر کسی نے آپ ﷺ کے ماسوا سے قدرے بھی محبت کی تو اس کی محبت
 ہمارے نزدیک فضلِ قبیح ہے۔

من عاش فی حبہ قلبا فحبہ دائما فہ
 جس کسی نے عشقِ رسول ﷺ میں گھڑی بھی بتالی تو یقیناً ہمیشہ کے لیے
 اس کی زندگی خوش گوار بن جائے گی۔

روف بکل من مقیم و طاعن حفی بکل من مغیر و منجد
 ہر مقیم و مسافر پر آپ ﷺ مہربان ہیں اور ہر آسودہ اور غم زدہ شخص سے
 محبت کرنے والے ہیں۔

ملاذی و متعادی و کھفی و معفی و غولی و غیبی لم حبی و سیدی
 آپ ﷺ میری پناہ گاہ، میرے محافظ، میرا بچا، میرا مسکن میرے معاون،
 میرے محبوب اور میرے آقا ہیں۔

لہ دیمۃ لم تنقطع لہ فیضہا و من قال غیض الغیض و هو فصیح
 آپ ﷺ کی ذات موسلا دھار بارش کے مثل ہے، جس کا فیضان غیر منقطع
 ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ پانی کم ہو گیا تو یہ بڑی رسوا کن بات ہے۔

اغر البرایا، اغیر العطایا کریم السجایا سلیم العرائک
 آپ ﷺ مخلوق کے مابین نمایاں ہیں، عطیات میں سب سے مقدم ہیں،
 حسن اخلاق کے علم بردار ہیں اور نرم خو ہیں۔

و هم النجوم و مبادرهم مولاہم بکمالہ
اور اصحاب رسول ﷺ ستاروں اور چاند کے مانند ہیں اور ان کے آقا ہر
طرح سے مکمل ہیں۔

من حج جنا و لم یزرہ فحسبہ اللہ مغبہ
ہم لوگوں میں سے جس نے حج بیت اللہ کیا اور آپ ﷺ کی زیارت سے
محروم رہا تو یقیناً وہ بیوقوف کے درجے میں ہے۔

تلعلد نفسی بہ العذ اذاً فکیف عن ذکرہ تنوہ
آپ ﷺ کی ذات اقدس سے میرا جی خوب خوب محفوظ ہوا، تو پھر بتائیے
وہ آپ ﷺ کے ذکر سے کیسے باز آ سکتا ہے۔

و قد حلینا فہو یحلو بہ لسان الفتی و فہو
اور ہم نے اسے خوب خوب شیریں بنایا۔ چناں چہ اس کے ذکر سے
انسان کی زبان اور اس کا منہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔

علامہ نے مذکورہ اشعار میں سرور کونین ﷺ کے مختلف گوشوں کو منظر عام پر لانے کی
لائق تحسین کوشش کی ہے اور ذکرِ رسول ﷺ کو اپنا معیار و محور بنا لیا ہے، اسی مسلک و منہج پر گامزن
رہنا ان کا مقصدِ حیات ہے، بہانگِ دل اعلان کیا کہ زندگی کا سارا لطف سیرتِ پاک میں ہے اور
یہ فیضانِ رسول ﷺ لامتناہی ہے۔ علامہ نے جا بجا اجازِ رسول مقبول ﷺ کے سلسلے میں اپنے عجز
کا اعتراف بھی کیا ہے، مرتبتِ رسول ﷺ ہمارے ذکر و بیان سے کہیں بالاتر ہے، آقائے نامدار
کے اوصاف و کمالات کو سیٹھا نطقِ انسانی سے ماورا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

لا یبلغن وصفہ بلیغ لا یندرکن کتبہ فقیہ
ماہرِ بلاغت آپ ﷺ کی صفات کو بیان کرنے سے قاصر ہے اور دانش ور
آپ ﷺ کے حقائق کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

ما فہت فی نعتہ بلغو واللہ یہدی لما افوہ
آپ ﷺ کی تعریف و توصیف میں، میں نے بیہودہ گوئی سے احتراز کیا
اور شاخِ خوانی کے وقت اللہ میری مدد کرتا ہے۔

اہلِ علم و ادب کی کوششوں کے باوجود نبوت کی رفعتوں اور وسعتوں کی جہتوں کو لفظوں

میں قید کرنا ناممکنات میں سے ہے، بس ہمارا فریضہ یہ ہے کہ مستحکم ہم ”شائل الہی“ کے باب میں رطب اللسان ہیں اور سیرت پاک کو تجدیدِ ایمان اور ہدایتِ ملتِ اسلامیہ کے لیے موضوع بحث بناتے ہیں۔ قرآن کریم کی زبان میں یہی ہمارا سب سے معیاری منہاج حیات ہے۔ (لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ) قرآن کریم میں یہ حکم موجود ہے کہ ہم سیرت پاک کی توصیف و تذکیر میں معروف رہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ ”اے لوگو! جو ایمان لے آئے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام کثرت سے بھیجو۔ (سورۃ الاحزاب: ۵۶/۳۳)

قرآن کریم کے اسی نقطہ نظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ فیض الحسن سہارنپوری نے اپنی تمام نعتوں میں جا بجا ذات رسول مقبول ﷺ پر درود و سلام بھیجا ہے اور درود و سلام کے حوالے سے اپنی عرض داشتیں پیش کیں، اسی کے ضمن میں اپنے احوال و کوائف اور اپنے مسائل و مصائب کی ترجمانی کی ہے اور اللہ سے دست بدعا ہیں کہ اے رب العزت! اپنے حبیب و رفیق کے طفیل میں یہ گمراہوں سے ہمیں نکال دے، ہماری لغزشوں کو معاف فرما دے۔ ہمیں حقارتوں اور ذلتوں سے نجات دے دے۔ ہمیں پستیوں سے نکال اور کھوئے ہوئے وقار کو واپس کر دے۔ ہم یہاں درود و سلام سے متعلقہ اشعار کو قارئین کی تسکینِ ذوق کے لیے پیش کرنا چاہیں گے۔

خلدوها و قولوا رب مسلم علیہ ما الاخ العتاق الناجیات منیخ
آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو اپنا لو اور آپ ﷺ پر اس وقت تک سلام
بھیجتے رہو جب تک اونٹ کا مالک اپنے اچھے اور تیز رفتار اونٹوں کو
بٹھاتا رہے۔

فدائی عیاء لا اری شافیا لہ سوی ان اصلی الدھر و هو قادی قادی
میرا مرض لا علاج ہے، جس میں شفا کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی، بجز اس
کے کہ مستحکم درود پڑھتا ہوں اور یہ عمل کس قدر خوش گوار ہے۔

اصلی علی خیر الانام و سید الکرام و ختم المرسلین محمد
میں خیر الانام، سید الکرام اور ختم المرسلین محمد ﷺ پر درود بھیج رہا ہوں۔

صلی الا لہ علیک خیر و سلمی ما دامت الحلال و اشداد
اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر درود بھیجا، جب تک مقیمانِ حرم اور دنیا کے

لوگ باقی ہیں، اس وقت تک آپ ﷺ کو سب سے بہتر ترین وسیلہ تصور کیا جائے گا۔

اهدی الیک من الصلوة هدية فی لیلتمین و اننی هذا
دورائیں آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتا رہا اور آپ ﷺ کا ذکر خیر کرتا رہا۔

هدانا و قد کان فینا ضلال فیما رب صلی علیہ و بارک
آپ ﷺ نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم
ضلالت میں ڈوبے ہوئے تھے، بار الہا! ان پر رحمت و برکت نازل فرما۔

دون النبی الکریم صلوا علیہ ماتاہ من یتیم
اگر کوئی آپ ﷺ کے مقابلے میں غرور کرتا ہے تو عیب ہے، بس
آپ ﷺ پر درود بھیجتے رہو۔

یارب سلم علی العوالی علیہ ماقامت الوجوه
جب تک کائنات کا وجود ہے، اے رب کریم! آپ اپنے رسول ﷺ
پر مستکلاً درود بھیجتے رہیں۔

درود و سلام کو اپنے لیے طمانیتِ قلب سے تعبیر کیا ہے۔ ہر اضطراب میں باعثِ شفا
ہے، خود اللہ سے بار بار آغضور ﷺ پر سلامتی نازل کرنے کی دعا کی گئی ہے۔ اور اسی طرح لوگوں
سے سرور کائنات ﷺ پر درود پڑھنے کی التجا کی ہے۔

علیہ صلوة اللہ طلاء و اہلا مدی الدھر ما غیث الوری بالدوائح
آپ ﷺ پر تاقیامت کبھی کبھی آہستہ آہستہ اور کبھی کبھی زور و شور کے
ساتھ اللہ کی برکتیں نازل ہوتی رہیں۔

مار و عیت صلواکم صلوا علیہ وآلہ
پہلے شعر میں اسی بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا فریضہ ہے
کہ ہر عہد میں نبی کریم ﷺ کے گن گائے جاتے ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کی انتہاؤں اور کرامت و
شرافت کی بلندیوں کو دیکھتے ہوئے ہمارے یہ درود و سلام ناکافی ہیں، اللہ اسلام کا یہ تقاضا ہے کہ
ہمہ آن ان کی زبانیں منقبتِ رسول ﷺ سے تر رہیں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ درود و
سلام کے مفہیم و معانی کی تجدید کی جائے۔ درود و سلام کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ خود کو سیرت

رسول ﷺ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ ذات رسول ﷺ کو اپنا دستور و آئین بنایا جائے اور اس دنیا میں اشاعتِ اسلام و احیائے دین کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی جائے۔ ایک شخص درود و سلام کثرت سے پڑھتا ہے اور اطاعتِ رسول ﷺ سے اعراض کرتا ہے تو اللہ کے رسول کو ایسے درود و سلام پسند نہیں ہیں۔ درود و سلام کے بعد فسق و فجور میں محو ہو جانے کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اگر اپنے اغراض و مقاصد کو دینِ اسلام کا پابند نہ بنایا جائے تو یہ درود و سلام بے سود ہیں۔ اپنی زندگی میں ”اسوۂ حسنہ“ کو جاری و ساری نہ کیا گیا تو گویا ہم نے درود و سلام کے مطالبات کو پورا نہیں کیا۔

یہاں ایک بات درود و سلام کے حوالے سے یہ کہنا ضروری تصور کرتا ہوں کہ اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ سرور کائنات ﷺ پر کثرت سے درود و سلام کو بھیجنے کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟ اس کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خود اللہ رب العزت اور ملائکہ آپ ﷺ کی ذات عالیہ پر آسمانوں میں درود و سلام بھیجے رہتے ہیں۔ یہی مطالبہ اُمتِ رسول سے بھی کیا گیا ہے۔

ان اللہ و ملائکته یصلون علی النبی۔ ”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں“ یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔ ”اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ (سورۃ الاحزاب: ۵۶/۳۳)

اب کچھ اسے اشعار موضوع بحث بتاتے جائیں گے۔ جن کی روشنی میں یہ تاثر سامنے آئے گا کہ اگر انسان اپنی فوز و فلاح کا خواہاں ہے تو خود کو ذاتِ رسول ﷺ سے وابستہ کر دے۔
فدع ذکر ما ابفاک فی ہوة الہوی و خذ بالذی بلیک فی ذروة الذر
تم ان چیزوں کا پیچھا چھوڑ دو جو تمہیں خواہشاتِ نفس کے غار میں لے جائے اور اسے اپنا لو جو تمہیں بلندی کی چوٹی پر لے جائے۔

لہ اسم و ذکر بارک اللہ فیہما فخلدہما ان شئت تظفر بما تنوی
آپ ﷺ کا نام نامی اور ذکرِ عالی اللہ کی برکتوں سے عبارت ہے۔ اگر تم اپنے مقاصد میں کامیابی چاہتے ہو تو انہی دونوں سے وابستہ ہو جاؤ۔

طاب من عاشق فی رضاک حلویہ لم یعش من عصاک عیشا رعیہ
آپ ﷺ کی خوشنودی کے عاشقین کی زندگی خوش گوار ہو جاتی ہے اور

آپ ﷺ کے نافرمانوں کی زندگیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

او مل منك ما لا يرتجى من عباب البحر او صوب السحاب
آپ ﷺ کی ذات اقدس سے مجھے وہ اُمیدیں وابستہ ہیں جو کہ سمندر کی
موجود یا بادل کی بارشوں سے نہیں کی جاتیں۔

و من ضل عنه ضل عن منه الهدى و لما يصب من راہ غیر راجح
اور آپ ﷺ کی شخصیت سے ہٹتے ہی انسان راہِ راست سے دُور ہو جاتا
ہے اور اپنی گھٹیا راہوں کا اسے پتا نہیں رہتا۔

فخذ بيدى ا من على نفسى المروى و اسلم من اشر الثمالة
آپ ﷺ میری دست گیری فرمائیں تاکہ میں ہلاکت سے محفوظ ہو جاؤں
اور مجھے شدید شر سے بچالیں اور ہدایت سے نوازیں۔

يكن فلاح و فوز و اوج كافي و طيت السما بالسمك
(مدینہ کی زیارت کرنے والے کے لے) فوز و فلاح اور بلندی ہے، تجھ
(زار) کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے آسمان کو مٹھی میں قید کر لیا ہے۔

يقوى الضعيف الدخوذ يستعينه فيقوى فلا ينقص صفر على صفر
کم زور محض آپ ﷺ سے مدد کا طالب ہو تو آپ ﷺ اسے طاقت ور بنا
لیتے ہیں، چنانچہ کوئی شاہیں کسی گور یا پر حملہ نہیں کرتا۔

فلئن لم تكن على عطوفا ليكونن عرق عيني ضربا
اگر آپ ﷺ کی نوازشوں سے میں محروم رہا تو میری آنکھیں ہمیشہ اٹکبار
رہیں گی۔

هو الحود كل الجود لا جود دوله فطوبى لمن يرجوه من هالك رد
آپ ﷺ تمام تر سخاوتوں کے سرچشمہ ہیں، آپ ﷺ کے بالمقابل تمام
سخاوتیں بے معنی ہیں، پس بشارت ہے اس شخص کے لیے جو بلاخیر
ہلاکت سے بچنے کے لیے آپ ﷺ سے آس لگائے ہوئے ہو۔

مذکورہ اشعار میں مختلف انداز اختیار کرتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے
مقاصد میں کامیابی، خوش گوار زندگی کا خواہاں، اُمیدوں کے بر آنے کا خواست گار، راہِ ہدایت کا

متلاشی، شرور سے اجتناب، نواز شہائے ربانی سے قربت اور رحمتوں سے ہم کنار ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے نسخہ کیا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی حیات مبارکہ کے اخلاق عالیہ کو حرز جاں بنالیا جائے۔ علامہ نے اپنے اشعار میں درحقیقت قرآنی فکر کی ترجمانی کی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

و من بطع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزا عظیما۔ ”اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کی یقیناً اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“ (سورۃ الاحزاب: ۳۳/۷۱)

اس آیت کی روشنی میں بغیر کسی تامل کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سیرت رسول ﷺ کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہے۔ منہاج رسول ﷺ سے اغماض و اعراض خسران و فقدان کی علامت ہے۔ صحابہ کرامؓ کو دنیا میں عز و وقار اس لیے حاصل تھا کہ انھوں نے حیات مقدسہ کو اپنا معیار و محور بنا رکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ زمانے کی سرخ رویاں ان کے قدم چومتی رہیں۔ علامہ نے اس کی وضاحت اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ ”یماح النبی ﷺ و آلہ و اصحابہ“ میں کی ہے۔

اللہ جل جلالہ اجلہم بجلالہ
اللہ کی رحمتِ شان کس قدر عظیم ہے اور اللہ نے آپ ﷺ کے مرتبہ، عظیم
سے صحابہ کرامؓ کے مروتوں کو بلند کیا۔

و ہم النجوم و مہاورہم مولاہم بکمالہ
اور صحابہ کرامؓ ستاروں کے مانند ہیں اور ان کے چاند اصلاً اپنے آقا ﷺ
کے فیض یافتہ ہیں۔

اشہ بمن معہ بہ بخلالہم بخلالہ
آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھیوں کے عادات
و اطوار آپ ﷺ کے عادات و اطوار سے مشابہ تھے۔

معمور اسہم و ہم الکماۃ و قاتلوا لقتالہ
آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کی عنایت میں ہیں اور وہ آپ ﷺ کے اسلحے ہیں اور یہی
آپ ﷺ کے غزوات کے لیے برسرِ پیکار رہے۔

اسد و فی اسد و ہم حماۃ یوم قتالہ
صحابہ کرامؓ شیروں میں شیر ہیں اور آپ ﷺ کے غزوات میں وہ آپ ﷺ

کے محافظین ہیں۔

داس الصحابة ذو کساء خلة بخلافه

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ سے وابستگی کے سبب ان کے سروں پر مجد و شرافت کے چراغ تھے۔

اوپر جتنے اشعار نقل کیے گئے ہیں ان سے پوری طرح بین ہے کہ صحابہ کرام دربار نبوت کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی تربیت کے پیش نظر انہیں لسان نبوت نے ”اصحابی کالنجوم“ کے لقب سے نوازا، دربار رسالت سے اکتساب نور کے باعث انہوں نے پوری دنیا کی تاریکیوں کو اُجالوں میں تبدیل کر دیا، جس کی روشنی کو تاقیامت محسوس کیا جاتا رہے گا۔ آنحضور ﷺ سے قربت اور تعلق کی بنا پر انہیں دنیا میں قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھا گیا۔ اور آئندہ نسلوں کے لیے منارۂ نور بن گئے۔ عصر حاضر میں ملت اسلامیہ کو ذلت و حقارت سے نجات اسی وقت ممکن ہے جب وہ سرور کائنات ﷺ کے ہدایت مکروہ راستوں پر گامزن ہو جائے اور نور نبوت میں اپنی زندگی کو رچا بسالے۔ یہی وہ نسخہ ہے جس سے دنیا اور عقبی دونوں سنور سکتے ہیں۔

مولانا کی شاعری کا تحلیل و تجزیہ کیا جائے تو یہ چیز بین طور پر نظر آئے گی کہ لفظی و معنوی اعتبار سے قرآن کریم سے مستفاد ہے۔ قرآنی اسلوب جا بجا واضح طور پر موجود ہے، قرآن کریم کے ادبی اور بلاغی پہلوؤں پر علامہ کی گہری نظر تھی جس کی شہادت آپ کے نعتیہ قصائد میں موجود ہے۔ جگہ جگہ خداوندِ قدوس پر کامل اعتماد و اعتقاد کے مظاہر موجود ہیں۔ اپنے تمام مسائل و مشکلات میں اللہ اور رسول کو یاد کرتے ہیں اور حل مشکلات کے لیے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کے طفیل میں حقانوں اور مکملوں سے بچنے کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں۔

لا یشتفی من دون یعتنی بہ النبی الذی یاوی الیہ صریخ

اور نبی کریم ﷺ کی عنایت خاص کے بغیر شفاعت ممکن نہیں، آپ ﷺ ہی کے دامن میں پریشان حال پناہ لیتا ہے۔

اما و الذی لو شاء ما طال لیلتی علی وما کان النجوم ہرکہ

اور آپ ﷺ کی ذات عالیہ اگر چاہے تو میری راتیں مجھ پر طویل نہ ہوں اور یہ ستارے غروب نہ ہوں۔

مولانا کے نعتیہ قصائد میں ایک واضح تصور یہ ہے کہ حب نبی رگ و ریشے میں سرایت ہے۔ رسول خدا سے محبت جزو ایمان ہے۔ علامہ کا دل عقیدت رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اپنی تمام تر کامرانیوں کا رشتہ منقبت رسول سے استوار کیا اور دربار رسالت سے منسلک ہونے کے بعد تمام حیرانی کا فور ہو جاتی ہیں۔

و معیب صار من ندادہ یغبطہ مخصب النیق
سوگئی اور پیاسی ہوئی زمین آپ ﷺ کی بارش سے سرسبز و شادابی میں
تبدیل ہوگئی، یہ سرزمین آپ ﷺ پر فدا ہے۔

ولاهف باسمہ تسلی فل از فہرو لاشہیق
اور آپ ﷺ کے توسط سے مدد مانگنے والا مبروتسلی کا حق دار ہے اور اسے
آہ و فغاں سے نجات مل جاتی ہے۔

آخری شعر میں قرآنی اسلوب سے مدد لی گئی ہے۔ اہل جہنم کی تصویر کشی کرتے ہوئے
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فاما الذین شقوا ففی النار لہم فیہا رفیہ و شہیق۔ ”جو بد بخت ہوں گے جہنم میں
جائیں گے انہیں چلاتا اور دھاڑتا ہوگا۔“

اسی طرح اہل جنت کی ”شرابا طہورا“ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم
میں کہا گیا ہے کہ مسقون من ریحون مضموم۔ ”انہیں سر بہر خالص
مشروب پلایا جائے گا۔ (الطائفین: ۸۳/۲۵)
یہی مفہوم اور یہی انداز علامہ نے اس طرح پیش کیا ہے:

و انت من ان تعبد علینا فکل شرب لنا ریحون
اور اگر آپ ﷺ کی نظر عنایت مجھ پر ہوتی رہی تو ہر مشروب میرے لیے، پاکیزہ
شراب کے مثل ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے سورہ مریم میں ایک جگہ
ذکر ہے۔

”فانت بہ قومہا تحملہ قالوا یا مریم لقد جئت شیناً فریبا۔“ پھر وہ اس بچے کو
لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے، اے مریم یہ تو تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔“

یہی انداز علامہ نے اپنے ایک نعتیہ شعر میں اس طرح اپنایا:

لا اتادی جارات بیٹی خفیا ان یقولوا قد جئت شیتا لریبا

میں اپنی پردہ سنوں کو چپکے چپکے آواز نہیں دیتا ہوں، کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ تم نے کوئی پاپ کیا ہے۔

عورتوں کے مہر کے سلسلے میں سورۃ النسا میں ارشادِ ربانی ہے:

و اتوا النساء صدقاتہن نحلة فان طہن لکم عن شی منہ نفسا فکلوه ہیتا

مہینا۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ کچھ حصہ اپنی خوشی سے معاف کر دیں تو اسے خوش گواری سے بلا بلا کراہت کھا سکتے ہیں۔“ (سورۃ النسا: ۴/۴)

مذکورہ آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا سہارنپوری نے مندرجہ شعر کہا:

لک بیٹی وما بہ من متاع فکلی و اشربی ہیتا مہینا

میرا غریب خانہ آپ ﷺ کے لیے حاضر ہے اور اس کی ہر چیز آپ ﷺ پر نچھاور ہے۔ پس آپ ﷺ نہایت سکون کے ساتھ تناول فرمائیں۔

مذکورہ شواہد سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن کریم کے افکار اور اسالیب پر علامہ کی گرفت مضبوط تھی۔

مولانا نے اپنے نعتیہ اشعار میں ایک صالح مومن کی طرح اپنے جذبات کی عکاسی کی

ہے۔ اپنے احوال و کوائف کو لے کر اللہ کے حضور دست بدعا ہیں اور حضور ﷺ کے طفیل میں بدترین حالات سے نکلنے کے لیے دعا گو ہیں۔

ارجود امل ان تلوم مودنی حیا و میتا و ہو عہر رجالی

میری اولین خواہش یہ ہے کہ بہر صورت میری محبت (آپ ﷺ سے) دائمی ہو اور آپ ﷺ ہی میرے سب سے بڑی خواہش ہیں۔

انی احوز جائز لا قصد فی طرفی الی امرء عن سبیل الخیر معتسف

میں ایک درمائدہ انسان ہوں۔ بے مقصد مسافر ہوں، خیر و برکت کے راستے سے ہٹا ہوا ایسا انسان ہوں جس کے پاس کوئی ذریعہ ہدایت نہیں ہے۔

یارب ان لم تقمذنی بمغفرة فقد هلکت ومالی عنہ متصرف

اے رب العزت! اگر تم نے مجھے اپنی مغفرت سے نہ نوازا تو میں برباد
ہو جاؤں گا اور میرے لیے آپ ﷺ سے صرف نظر ممکن نہیں۔

ارجو و آمل ان یفضی علی علی دین النبی علی ما اختاره السلف
میری شدید خواہش ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے دین اور سلف صالحین
کے طریقوں پر گامزن رہنے کا فیصلہ میری قسمت کے لیے کیا جائے۔

بحمد و ہالہ و بصحبہ و ہم رجال شفاعتی و فتوہا
مجھے محمد ﷺ، آل رسول اور صحابہ رسول سے اُمید ہے، یہی حضرات میری
شفاعت کے خواستگار اور ذمہ دار ہیں۔

مذکورہ اشعار میں ایک مومنانہ جذبات و احساسات پوری طرح ظاہر و باہر ہیں، انہیں
قیامت کی سختیوں کا ہر وقت خیال ہے۔ اس دن کی شدت وحدت کے پیش نظر اپنی بے بسی کو لے
کر اللہ کے حضور حاضر ہیں۔ مولانا نے اپنے نعتیہ اشعار میں زہد و ورع کی ایک اعلیٰ مثال پیش
کی ہے۔ مولانا ایک لمحہ تصرع و تنفیع سے غافل نہیں رہتے۔ ہر جگہ اشک بار نظر آتے ہیں۔ بار بار
ملت اسلامیہ کو بیدار کرتے ہوئے یہ احساس ان کے اندر جگایا کہ دربار رسالت ﷺ کو اپنا واحد
ماوئ و ملجا اور سیرت مقدسہ کو اپنا تنہا لائحہ عمل بنالیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو اسے عز و شرف سے
مالا مال کر سکتی ہیں۔

مولانا کے نعتیہ قصائد اور دیگر شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ ہرگز ہرگز احساس نہیں
ہوتا کہ وہ ایک ہندی نژاد شاعر ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے ہندوستان کے عربی نعت گو شعرا
میں انفرادیت کے حامل ہیں۔ اسی چیز نے ان کے نعتیہ قصائد کو بہت اوپر اٹھا دیا ہے۔ مولانا کے
نعتیہ اشعار میں حد درجہ سبک پن ہے۔ ثقیل الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے۔ مقالے کا
اختتام مندرجہ اشعار کیا جا رہا ہے:

من نورہ شمس و بدر کوکب واللہ ما انتہاء منالہ
سورج، چاند اور ستاروں کی جگہ گاہٹ آپ ﷺ کے نور سے عبارت ہے۔
بخدا آپ ﷺ کی نورانیت لامتناہی ہے۔

غیر الخصال ذو معامد جمۃ غیر الوری فی ربۃ و علاہ
آپ ﷺ بلند ترین اوصاف کے مالک ہیں، آپ ﷺ بے پناہ خوبیوں

والے ہیں، عظمت و رفعت کے اعتبار میں مخلوق میں سب سے اعلیٰ و
افضل ہیں۔

یاسیدی اضع لفیض انہ ہو خائف ہاتامہ و خطائہ

اے میرے سردار! آپ مجھے فیض الحسن سہارنپوری کی شفاعت فرمادیں،
کیوں کہ وہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں سے خوف زدہ ہے۔

مولانا نے استغاثہ، مغفرت اور شفاعت سے متعلقہ جو اشعار کہے ہیں ان پر
اعتراضات کیے جاسکتے ہیں، لیکن یہاں مذکورہ سطور پر اکتفا کرتے ہوئے سلسلہ کلام کو ختم کیا جا
رہا ہے۔

حواشی

- ۱☆ وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور مرستہ احمد خاں، ڈاکٹر ظفر اسلام اصلاقی ("تہذیب
الاعلاق"، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ۱۰/۲۰، ص ۳۵-۵۳)
- ۲☆ "حیات قلی"، مولانا سید سلیمان ندوی، طبع ثانی، مطبع معارف، دارالمنصفین، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء، ص ۸۰
- ۳☆ "دیوان الفیض"، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مطبع حیدرآباد دکن، حیدرآباد ۱۳۳۳ھ، ص ۶۵
- ۴☆ ایضاً، ص ۳۹
- ۵☆ "ذکر فراہی"، ص ۹۶
- ۶☆ "تفسیر کلام القرآن" علامہ حمید الدین فراہی (ترجمہ از امین احسن اصلاقی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر،
اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص ۱۰
- ۷☆ "حیات قلی"، ص ۸۳
- ۸☆ وضاحت کے لیے دیکھیے: "تفسیر کلام القرآن"، ص ۱۰-۱۱
- ۹☆ وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا فیض الحسن سہارنپوری، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ۱۰/۲۰، ص ۳۹
- ۱۰☆ "ذکر فراہی"، ڈاکٹر شرف الدین اصلاقی، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ، ۲۰۰۱ء، ص ۹۸
- ۱۱☆ "دیوان الفیض" کو مولانا حمید الدین فراہی نے ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۶ء) میں حیدرآباد سے اپنے صرفہ پر شائع کیا۔ اس کے
لے دیکھیے "ذکر فراہی"، ص ۱۰۰



تاج الفحول... ایک مداح رسول ﷺ

عقل و شعور کے ساتھ انسان کو شعری حسیت بھی خدا کی جانب سے ودیعت ہوتی ہے۔ یہ حسیت دو طرح سے اسے متاثر کرتی ہے۔ یعنی وہ شعر وضع کر کے بھی سرور افزا آسودگی محسوس کرتا ہے اور سن کر بھی حظ و نشاط کی وجد آفریں کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔ انسان چاہے دنیا کے کسی خطے میں پیدا ہوا ہو، کسی ماحول میں پلا پڑھا ہو اور کوئی بھی زبان بولتا یا پڑھتا ہو، وہ بچپن ہی سے مترنم آواز، نغمہ ریز دھن اور شاعرانہ آہنگ کا رسیا ہوتا ہے۔ آج بھی دنیا میں بعض ایسے خطے موجود ہیں جہاں تہذیب کی روشنی نہیں پہنچی، علم و آگہی کا چراغ نہیں جلا اور کاروبار حیات کی رنگارنگی سے وہاں کے لوگوں کی ملاقات نہیں ہوئی مگر وہاں کے وحشی اور نیم وحشی لوگ بھی کچھ نہ کچھ گاتے گنگنااتے اور وجد میں جھومتے ضرور ہیں۔ مشاہدے یہی کہتے ہیں کہ شعر کہنا اور شعر سے متاثر ہونا انسانی مزاج کا خاصا ہے۔ اس لیے یہ بات پورے دھوک سے کہی جاسکتی ہے کہ انسانی وجود کے ساتھ ذوق شعری بھی وجود پذیر ہوتا ہے۔ بقول الطاف حسین حالی:

قدیم عرب میں جو شخص معمولی آدمی سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دل کش تقریر کرتا تھا، اس کو شاعر جانتے تھے۔ محقق طوسی ”اساس الاقتباس“ میں لکھتے ہیں کہ عربی، سریانی اور قدیم فارسی میں شعر کے لیے وزن حقیقی ضروری نہ تھا۔ (”مقدمہ شعر و شاعری“)

ہم ہندوستان کے قدیم ادب کا مطالعہ کریں تو بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ پُر شکوہ انداز میں لکھی جانے والی بلاغت آمیز نثر کو سلسکرت زبان میں منشور شاعری کا درجہ حاصل تھا۔ یورپی زبان میں بھی ”ہلینک ورس“ اور ”فری ورس“ جیسی نثری شاعری کا رواج ہمیشہ رہا ہے

مگر شعور کی بلوغیت کے ساتھ ہی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں بحر و وزن کی پابندی بھی لازمی قرار دی گئی اور ایسی ایسی صنعتیں ایجاد کی گئیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ قطعات اور مختصر منظومات قبل اسلام کی شاعری میں بھی مروج تھیں۔ اس عہد کا مشہور شاعر ابن الجہف تھا۔ قبل اسلام کے شعرا کے یہاں نقد و شرح کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اس عہد کے نقادوں میں ابن خلدون، الہلال اور ابن رشتہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ قبل اسلام کے قصیدہ گو شعرا میں امراء القیس، زہیر بن ابی سلمہ، عبید بن ربیعہ عامری، عمر ابن کلثوم، عتقی ابن میمون اور عثرہ بن معاویہ وغیرہ نے اپنی شناخت قائم کی تھی۔ معاملات عشق پر مبنی شاعری حظل اور فرزدق وغیرہ نے کی۔ اسلامی تعلیمات نے عربی شاعری کو نئی جہتیں عطا کیں۔ اس ضمن میں عشرت ظفر نے لکھا ہے کہ:

اس بات سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامی تعلیمات نے عربی شاعری کو نئے تصورات عطا کیے۔ اس سلسلے میں عشقِ حقیقی کا مرتبہ بہت اہم تھا جو انسانی روح کی وسیع ترین کائنات کو محیط تھا۔ اس تصور کے سامنے موت کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ ایمان و یقین کی راہ میں بحرِ فنا سے پار اتر جانا اور زندگی کو ایک بے کار اور بے معنی شے کی طرح ترک کر دینا ہی اس کا سب سے بڑا نصب العین تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عربی مسلمان ایک فاتح قوم کی طرح تاریخ کے صفحات پر نمودار ہوئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارے وحشی اور جنگجوی قبائل دامنِ اسلام میں سمٹ آئے۔

(ماہنامہ ”خرام“ کانپور، نومبر ۱۹۹۷ء)

اسلامی تعلیمات کا حلقہ وسیع ہونے کے ساتھ ہی رزمیہ، عشقیہ اور مدحیہ شاعری کے انداز و اظہار میں خاصا فرق پیدا ہوا اور شاعری کی اثر انگیزی نے مکہ، کوفہ، مدینہ اور دمشق کے شعرا کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ سے شعرا نے استفادہ کیا۔ قطعیت اور جامعیت کو شعرِ شاعری میں داخلے کا اعزاز عطا ہوا۔ واقعیت پسندی کی بجائے فکر و خیال کی بے پناہ قوت جز و شاعری بنی اور شاعری فنِ کارانہ حسن سے آراستہ ہوئی۔ نئی تکنیک اور زریں روایات کی آمیزش سے مثبت اقدار کو نئی تاب و جب حاصل ہوئی۔ حقائق کے عرفان، بصیرت کی روشنی اور تجربہ علمی نے تخلیق انگیز قلبی کیفیت پیدا کی۔ مثنوی جیسے بیدار مغز شاعر نے فکر و احساس کی کنواری زمینوں میں مابعد الطبیعیاتی میلان و رجحان کی فصلیں اُگائیں اور ابوالعلا المعری نے فلسفیانہ حکمتِ شعر اور

اظہار و اسلوب کی نئی قدیمیں روشن کیں۔ اس طرح عربی شعر و ادب اپنی بلاغت اور بلند معیاری کے باعث ہندوستان، چین، اٹلی، مصر اور یونان کے علاوہ بہت سارے ممالک میں توجہ کا مرکز بن گیا۔

اسلامی تہذیب شعر نے شعرائے عرب کو ایک نئی صنفِ سخن ”نعت“ سے آشنا کیا۔ لفظ نعت جو ولادت رسول اکرم ﷺ سے قبل محض لغات کی زینت تھا اور تعریف، توصیف یا مدح کے عمومی معنی میں مستعمل تھا، ایک خاص معنی میں استعمال کیا جانے لگا، یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی مدح و توصیف میں لکھی جانے والی ہر قسم کی تخلیقات ”نعتِ نبی ﷺ“، ”نعتیہ کلام“ اور نعتیہ غزل اور رباعی کے نام سے موسوم ہونے لگیں۔ نعت کہنے کی باقاعدہ ابتدا محبوب خدا، احمد مجتبیٰ ﷺ کی تشریف آوری کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ آپ کی ولادت باسعادت کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے جب آپ کو حضرت بی بی آمنہ کی گود میں دیا تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ نعتیہ کلام نکلا:

اعلہ باللہ ذالجلال
من شر مامر علی الجبال
حتی اراء حامل الهلال
و بفعل المعروف الی الهوال

(ماہنامہ ”ہدی“ دہلی، بابت ماہ ستمبر ۱۹۹۴ء)

اس کے بعد بعثتِ نبوی اور پھر قرآن کریم کے نازل ہونے کے دوران حضور ﷺ کو جتنے خوش بخت لوگوں نے دیکھا اور ان کے حسن و جمال اور ان کے رُخِ پُدار کی تعریف و ستائش کی، وہ سارے کلمات نعت کے زمرے میں رکھے جاتے ہیں۔ قرآن پاک کے نزول کے بعد اہل عالم نے عموماً اور اہل اسلام نے خصوصاً یہ دیکھا کہ وہ کتاب اللہ نہ صرف خالق کونین کی وحدانیت کا مظہر اور ایک کھل ضابطہ حیات ہے بلکہ اللہ رب العزت کے پیارے کی مدح و توصیف کا بے مثال صحیفہ بھی ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مقدس میں جگہ جگہ فرمایا کہ ”ہم نے تم کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا“، ”بے شک ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا“، ”ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلند کیا“ اور ”ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا“، ”اے محبوب ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ مشقت میں پڑو“ اور یہ بھی کہ ”ہم نے تم کو ایسی رسالت کے ساتھ بھیجا جو تمام لوگوں کو گمیرنے والی ہے۔“ انہیں فرمانِ الہی کو اپنے وقت کے

جید عالم دین، عاشق رسول ﷺ اور عمر بھر نعت لکھنے والے شاعر مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اپنے ایک شعر میں یوں پیش کیا ہے:

اے رضا خود صاحبِ قرآن ہے مداح حضور

تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحتِ رسول اللہ ﷺ کی

جس حسنِ انسانیت کی مدحت سرائی خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی اس کی تعریف و توصیف کا حق بھلا کوئی شاعر کس طرح ادا کر سکتا ہے؟ مگر دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے مداحوں اور شیداؤں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ لہذا دنیا کی ہر زبان میں نعت لکھی جا رہی ہے اور آج اس کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ اپنی پوری عمر میں بھی کوئی قاری اس کا مطالعہ نہیں کر سکتا۔ ابتدا میں مضامینِ نعت قدرے محدود تھے اور نعت میں عموماً اللہ کے نبی ﷺ کے خصائل و فضائل، ان کے فرمودات، ان کے طور طریقے، ان کے اسوۂ حسنہ اور ان کے نورانی جسم اطہر وغیرہ سے متعلق باتیں لکھ کی جاتی تھیں مگر وقت کے ساتھ موضوع میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا ہوتی گئی اور دیارِ نبی ﷺ، روضہ اقدس، معجزاتِ نبی ﷺ، حمیت، اخوت، عشقِ رسول ﷺ، اُمت کی آہ و فریاد، ان کی خواہشیں، تمنائیں، انسانی قدروں، تہذیبی ورثہ اور مذہبی امانتوں کا تحفظ، اصلاحِ معاشرہ، اسلامی اقدار کا فروغ اور ان کی ذات و حیات سے تعلق رکھنے والی ہر شے کا بے باکانہ اظہارِ نعت گوئی کا خاصا ہے اور فی زمانہ تو زاویہ فکر کی وسعت، اسلوب کی ندرت اور لفظ و زبان کی ندرت اور لفظ و زبان کی حریت نے صنفِ نعت کے لیے اور بھی نئے نئے وژن تخلیق کیے ہیں۔

مجان و فدیانِ رسول ﷺ کے جذبہ ایثار و قربانی کے تذکرے کے لیے ایک پورا دفتر بھی کم ہوگا۔ صرف والہانہ قرب و وابستگی رکھنے والے شعرائے کرام کا تذکرہ بھی مقصود ہو تو صفحات کے صفحات کالے کرنے پڑیں گے۔ مختصراً میں اتنا ہی کہنے پر اکتفا کروں گا کہ نعت گوئی کی ابتدا تو عربی میں ہوئی اور بے شمار شعرا نے صنفِ نعت کو علوئے فکر سے آراستہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن زہیرؓ، ابوسفیان بن حارثؓ وغیرہ جیسے مقتدر اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی نعت لکھی مگر صنفِ غزل کی طرح جب صنفِ نعت عربی زبان سے سفر کر کے فارسی زبان تک پہنچی تو صحیح معنوں میں اسے درجہ اعتبار اور عروج و کمال حاصل ہوا۔ فارسی زبان میں نہ صرف یہ کہ کثرت سے نعت لکھی گئی بلکہ اسے فنِ کارانہ حسن بھی عطا کیا گیا۔

اسے فکر و فن کی معراج بخشنے والے بلند قامت شعرا میں فردوسی، رودکی، سعدی، حافظ، عنصری، جاتی، حکیم سینائی، اسجدی اور عطار وغیرہم کے نام شامل ہیں۔ شاعری کی دیگر اصناف کی طرح نعت گوئی کی صنعت بھی براہ قاری اردو زبان کے دیارِ سخن میں داخل ہوئی۔ جب تک اس ملک میں فارسی زبان اردو زبان پر حاوی رہی، یہاں بھی فارسی زبان میں نعت کہنے کا سلسلہ جاری رہا۔ خسرو سے اقبال تک ہزاروں شعرا نے فارسی میں نعتیہ شعر کہے۔ اردو زبان کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو علم ہوگا کہ اردو زبان میں تو اتر سے نعت نگاری کی ابتدا عہدِ قطب شاہی میں ہوئی۔ اسی زمانے میں محمد قطب شاہ، عبداللہ اور محمد قلی قطب شاہ نے اردو نعت کو فروغ بخشا اور ان کا معروف نعت گو پر مشتمل تھی۔ مختار نامی ایک شاعر نے بھی اسی عہد میں ۲۳ ہزار اشعار پر مشتمل ”معراج نامہ“ ہی کے نام سے ایک طویل مثنوی قلم بند کی جو ۱۰۹۴ھ میں شائع ہوئی۔ مولانا نصرتی نے بھی ایک معراج نامہ لکھا جس میں ۱۳۱ اشعار شامل تھے۔ نعت گوئی کے ابتدائی دور میں زیادہ شعرا نے مثنویاں اور قصائد لکھے۔ مولانا غلام امام شہید ایسے پہلے نعت نگار شاعر ہیں جن کی مساعیٰ جمیلہ سے نعتِ نبی ﷺ مختلف بیئت، فارم اور تکنیک میں منظرِ عام پر آئی اور اسے قبولیتِ عام کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد سے نعت مختلف النوع ساخت میں بہ شکل نظم اور بہ اندازِ غزل لکھی جانے لگی جو آج تک اپنے نشاط افزا و فور اور نغمہ ریز خروش کے باعث ایک راسخ صنفِ سخن کی طرح رائج ہے۔

اس مختصر سی گفتگو سے اس بات کا بخوبی عرفان ہو گیا ہوگا کہ فدایانِ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ذات و حیات کے مختلف گوشوں پر ہزاروں اور لاکھوں اشعار کہے ہیں۔ بے شمار شعرا تو ایسے بھی ہیں جو تا حیات صرف نعت لکھتے رہے۔ ان میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی، حمید صدیقی، لکھنوی اور حفیظ جالندھری وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ ایسے ہی ایک مداح رسول اکرم ﷺ اعلیٰ حضرت تاج النحل شاہ مظہر حق عبدالقادر فقیر نواز فقیر قادری بھی ہیں۔

جو ہادی ہوتا ہے وہ اپنی اُمت اور ضرورت مندوں پر سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ گھر میں فاقہ ہو تو ہو مگر درِ اقدس پر صدا لگانے والا خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ خود پیٹ پر پھر ہاندھ کر دوسروں کی بھوک مٹانے والا سرورِ الزماں کہلاتا ہے۔ دسترس میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ خالی کا خالی ہوتا ہے۔ یہ حکیمانہ شان ہے جو قناعت اور سپردگی کا درس دیتی ہے۔ خالق اپنی مخلوقات پر فدا ہوتا ہے، رسول اپنے خالق پر اور مداح رسول ذہنی اور فکری طور پر اپنے

آپ کو یاد نہی ﷺ میں غرق کر دیتا ہے اور خود رہ جاتا ہے۔ ایک فقیر... اہل تصوف کا قول ہے:
 فقیر وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہ ہو... فقیر ہست نہیں بلکہ نیست
 کی منزل میں ہوتا ہے۔ یوں وہ اپنے وجود اور اپنی ہستی کو پیچھے چھوڑ کر
 منزل قرب الہی کے جوار میں رہتا ہے اور جب ہستی ہی نہ رہی تو پھر
 احتیاج اور ضرورت کب باقی رہے گی۔

(ڈاکٹر سید محمد ابراہیم الخیر کشتی، سہ ماہی ”تفکیر“ کراچی، شمارہ نمبر ۲۵)

اس رائے کی روشنی میں لفظ فقیر کی معنویت پر غور فرمائیے تو اندازہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت
 تاج الغول نے اپنا تخلص فقیر کیوں منتخب کیا تھا۔ ظاہر ہے بقول حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی
 ”وہ صاحب قوت قدسیہ تھے۔“ اللہ کے برگزیدہ بندوں میں تھے، خدا رسیدہ تھے۔ رب العزت
 نے انھیں صاحب فضل و کمال بنایا تھا۔ انھوں نے ہستی اور نیستی کو جانا تھا، فلسفہ زمان و مکان کو
 سمجھا تھا۔ اس لیے اپنی ساری زندگی اللہ کی بندگی کے لیے وقف کر دی تھی۔ خدمتِ خلق کی
 عادت اختیار کی اور فنا فی الرسول یوں ہوئے کہ ہر لمحہ ہر پہل حبیبِ خدا ﷺ کی مدح و توصیف
 میں گزارنے لگے اور جذب و کیف کے عالم میں ایک ایک بات شعر کے قالب میں یوں
 ڈھالنے لگے:

جو وصف لکھوں شانِ محمد ﷺ میں بجا ہے سب خلق سے رجبہ شہِ عالم کا بڑا ہے

☆

دے دیا ہے آپ کو اللہ نے وہ مرتبہ جس میں ہم سر آپ کا ممکن نہیں ہے تاہد

☆

خیال و فکر کا بھی ہے پہنچنا جس جگہ مشکل قدم بے شک وہاں پہنچا تمہارا یا رسول اللہ ﷺ

☆

کس سے بیاں ہو رفعتِ ذکرِ محمدی ﷺ قرآن میں دیکھ لے جسے کچھ اشتباہ ہے

☆

دین و دنیا میں غلامی میں رہوں آپ کی میں کچھ تمنا نہیں اب دل میں مرے اس کے سوا

ان اشعار سے یہ حقیقت آشکارا ہے کہ حضرت تاج الغول فقیر قادری محبوب رب

العالمین کے سچے مداح ہیں، ان کے رُجبے، ان کی عظمت اور ان کی پیغمبرانہ برتری سے بخوبی

واقف ہیں اور نبی کریم ﷺ سے ایک ربط خاص رکھتے ہیں، کیوں کہ ہمارے نبی سید الانبیا بھی ہیں، خاتم الانبیا بھی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھیں صاحبِ معراج ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ جو لوگ نبیوں کے درجات سے واقف نہیں، ان کے لب تک ایسے سوالات بھی آتے ہیں کہ جو نبی آخر میں آئے انھیں تمام نبیوں پر فوقیت کیوں کر حاصل ہوگئی؟ بات دراصل یہ ہے کہ انسانوں کے علم و آگہی کے لیے جتنے نبی آئے انھوں نے درجہ الف سے ایم اے تک کی تمام کی تعلیمات پوری کرادیں۔ حضرت محمد ﷺ آخر میں تشریف لائے اور ہر طرح کی ریسرچ (تحقیق) اور پی ایچ۔ ڈی یا ڈی لٹ وغیرہ کا عرفان عطا کیا اور قرآن و حدیث کی شکل میں ایسی اہم کتابیں فراہم کرادیں جو تاقیامت مدّسین و محققین کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔ لہذا ان نبیوں کا نبی ہونا اور حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا بحق ہے۔ ان کی اسی فضیلت کے پیش نظر انھیں للک الافلاک تک جانے اور اللہ تبارک تعالیٰ سے دو گفتگو کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ واقعہ ہے کہ یہ اعزاز بے مثال ہے اس لیے معراج النبی ﷺ کے موضوع پر سب سے زیادہ اشعار کہے گئے ہیں اور کئی کئی ہزار اشعار پر مشتمل منظومات بھی لکھی گئی ہیں۔ اور یہ سب کی سب احمد مجتبیٰ ﷺ سے بے پناہ محبت اور عقیدت کی غماز ہیں۔

حضرت قربی و یلوری کا ”معراج نامہ“ سب سے قدیم ہے جو تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ حضرت ذوقی و یلوری نے اپنی ایک مثنوی میں ابتدائے خلقت نور محمدی سے لے کر وفات تک کے حالات نظم کیے ہیں۔ اس فارسی مثنوی کے تمام اشعار تقریباً ساڑھے سات ہزار ہیں اور کمال کی بات یہ ہے کہ یہ مثنوی صرف ڈیڑھ ماہ کی مدت میں لکھی گئی۔ اس کا اردو ترجمہ ۱۸۳۱ء میں حاجی ملا محمود مہاجر حسرت نے کیا تھا۔ حضرت باقر آگاہ نے حضور اکرم ﷺ کی ذات و صفات، حالات و کمالات اور خصوصیات و معجزات پر ایک ضخیم کتاب ”ہشت بہشت“ لکھی۔ اس کے جملہ اشعار کی تعداد نو ہزار ہے۔ حضرت شاہ عبدالحی اعتر بنگلوری نے سیرت طیبہ کو پہلی بار مبسوط طور پر اردو زبان میں نظم کیا۔ اس کا نام ”جنان السیر“ ہے۔ یہ مثنوی تقریباً بیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اسے مولانا روم کی مثنوی کا بدل کہا جاتا ہے اور قرآن شریف کے بعد اس کتاب کا پڑھنا اور رکھنا باعثِ خیر و برکت سمجھا جاتا ہے۔ سیرت طیبہ پر ایسی جامع اور مبسوط منظوم کتاب نہ تو اردو میں لکھی گئی ہے اور نہ آئندہ لکھی جانے کی توقع ہے۔

(بحوالہ ”دارالعلوم لطیفیہ و یلور کا ادبی منظر نامہ“... از ڈاکٹر راتی فدائی)

ہم نے دیکھا کہ رسول پاک ﷺ سے بے پناہ محبت کرنے والے شعرائے کرام نے معراج کے موضوع پر بے انتہا شعر کہے ہیں۔ حضرت تاج الفحول فقیر قادری بھی ایک ایسے مداح رسول ﷺ ہیں جن کے بیشتر نعتیہ کلام میں اس موضوع پر مختلف انداز میں تخلیق کردہ بے شمار اشعار موجود ہیں۔ ان کی ایک نعتیہ نظم کی تو ردیف ہی ”شب معراج“ ہے۔ اس نوعیت کے چند اشعار نمونے کے طور پر مطالعہ کے لیے نقل کیے جا رہے ہیں:

جس جا پہ گزرتے تھے باشوکت و عظمت ہوتے تھے ملک محو تماشا شب معراج

☆

جاہ و حشم و شوکت و اجلال لکھوں کیا جو آپ ﷺ نے اللہ سے پایا شب معراج

☆

کون ان کے سوا ختم رسالت سے ہے موصوف اور کس کے تئیں رتبہ معراج ملا

☆

یہ رتبہ ہے خیر البشر ﷺ آپ کا ہوا عرش پر بھی گزر آپ ﷺ کا

☆

خدا نے تم کو اے محبوب حق اس شب بلایا ہے سواری کو براق باد یا جنت سے آیا ہے

☆

فلک پر دھوم ہے اب آپ کے تشریف لانے کی بچھونا نور کا سب آسمانوں نے بچھایا ہے

☆

سب جہاں طالب حق آپ ہیں مطلوب اس کے حق نے معراج میں تاعرش انہیں بلوایا

☆

فلک پر جب ہوئی شہرت رسول اللہ آتے ہیں یہی غل تھا کہ اب حضرت رسول اللہ آتے ہیں

☆

جناب سرور کونین کی معراج کی شب ہے

یہی باعث ہے جو اس شب مکان و لامکان خوش ہے

☆

لو آسمان ہیں ذیہ قرب اس جناب کے

اور عرش اس حبیب خدا کا حریم ہے

عرش معلیٰ تک محبوب کبریا کے سوا کبھی کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔ فلک البروج آٹھواں آسمان ہے اور فلک الافلاک نواں آسمان۔ اس آسمان پر ستارے بھی نہیں ہیں۔ انجم و پردیں کی کھکشاں بھی نہیں ہے اور فضا میں تیرنے والے ٹھنڈے ہوئے سیارے بھی نہیں ہیں۔ وہاں صرف خالق کائنات ہے جو بذات خود نور ہی نور ہے اور وہ لاشریک ہے۔ اتنی وسیع و عریض دنیا اور اس کی بسیط فضا میں ایسا وہ کروڑوں کرۂ ارض کا وہ تھا مالک ہے اور اپنی نظر کے ایک رموٹ سے ہر شے کو اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے۔ لہذا وہ حساس بھی ہے اور اس نے اپنا ایک محبوب بھی منتخب کیا جسے اپنے ہی ایک جزو روشن سے تاباں و منور کیا اور اس کے لیے بے تاب بھی رہا، اسے سر عرش بھی بلوایا اور اس پر خود درود و سلام بھی بھیجا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر کا غم تو خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو کمالات و معجزات کی وہ قدرت عطا کی تھی کہ آپ کے حکم پر درخت خود چل کر آیا اور سجدہ ریز ہو گیا۔ آپ نے چاہا تو آفتاب کی گردش ختم مگنی اور آپ نے انگلی کا اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ حضرت تاج النحل فقیر قادری کے اشعار میں مختلف النوع روشن کرامات و کریمات کے انعکاسات بھی ہیں۔ شعور کی تہوں کو کریدنے والی صداقتیں ف بھی اور علیست و ذوق سلیم عطا کرنے والی مربوط وحدت بھی۔ آپ نے مصنوعی بے کیفی، آورد سے آلودہ محلیاتی عمل اور محدودیت نیز بے سمیت سے بہر قدم دامن بچایا ہے۔ آپ کے یہاں خیال انگیزی تازہ فرحت بخش ہوا کی مانند ہے تو معنویت شمع کی نظر تاب روشنی کی طرح۔ آپ کے اشعار میں ادبیت ہے مگر وہ قاری سے معے حل نہیں کراتی بلکہ حیرت افزا حقائق کی تفہیم کراتی ہے۔ حضرت فقیر قادری معجزۂ شق القمر سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ جا پہ جا اس کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار:

قمر ہو گیا دفعتاً ٹکڑے ٹکڑے جو انگشتِ انور کا پایا اشارہ

☆

الصلوة اے آں کہ نرم از پائے تو کشتہ حجر

السلام اے آں کہ شد از دست پاکش شق ماہ

ناقص ہے یہ تشبیہ، لکھوں مگر مہِ کامل شق اس کو فقط ایک اشارے میں کیا ہے

کیا رو خورشید و شقِ قمر مسخر ہے شمس و قمر آپ کا
آمد ہے ان کی دست سے ہے جن کی شقِ قمر اور رعبِ پا سے جن کے حجرِ مثل موم ہے

☆

دفعتاً اعجاز سے دکھلا دیا شقِ قمر بعد مغرب اک اشارے سے کیا خورشید رو

☆

چاند کھڑے ہوا سورج بھی پھر مغرب سے جب کہ انگشتِ مبارک کا اشارا پایا

☆

اک اشارے سے قمر کو صاف دو کھڑے کیا بعد مغرب جانب مغرب سے نکلا آفتاب

☆

واسطے تصدیقِ معراج حضور پاک کے قافلہ جب تک نہ آیا حق نے رو کا آفتاب
علامہ اقبال نے یہ لکھا کہ ”میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا تو یہ بھی فرمایا کہ
”فنِ شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے
لیے نظم کا طریقہ اختیار کیا۔“ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اس حقیقت کا بھی اعتراف کیا ہے کہ
اکثر اشعار مجھ پر وحی کی طرح نازل ہوتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال حضرت فقیر قادری کا بھی ہے۔
وہ خود فرماتے ہیں:

نہ شاعر ہوں نہ فنِ شاعری سے مجھ کو کچھ مطلب

نقطہ ہے جوشِ دل مسطور یا محبوبِ سبحانی

ان کے علم و فضل کے بارے میں محمد القادری صاحب نے لکھا ہے کہ:
شعر کی جامع و مانع تعریف نہ معنوی اعتبار سے کی جاسکتی ہے نہ لفظی اعتبار
سے۔ اس لیے یہاں اس قسم کی خامہ فرسائی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔
احسنہ اکذبہ کا یہاں گزر نہیں۔ کیف و حال کا عالم میں فرانی جذبات پر
قابو نہیں ہوتا۔ اس کی جھتی جاگتی جلوہ گری ہمیں یہاں ملتی ہے۔۔۔ اردو
فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر انھیں قدرتِ تامہ تھی۔ تینوں زبانوں میں
دواوین مرتب فرمائے تھے۔۔۔ سفر حج میں منزل بہ منزل کیفیات کی فراوانی
اور ان کی نعت خوانی کا ساتھ تھا۔

(”گنجینہ مظہر حق“ ص ۴-۵)

مولانا شبلی نعمانی نے بھی ”شعر النجم“ میں لکھا ہے کہ... آپ منطقی پیرائے میں شعر کی تعریف کرنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں جو کلام انسانی جذبات کو براہِ ہیئت کرے اور ان کو تحریک میں لائے وہ شعر ہے۔“ ذاق ماریتیں کا کہنا کہ ”سب سے پہلے ماقبل شعور میں شاعرانہ تجربہ پیدا ہوتا ہے اور یہیں سے شاعرانہ ذکاوت اصلیت کی طرف مائل ہونے لگتی ہے۔“ ان آرا کے تناظر میں جذبات کی فراوانی، حب رسول ﷺ کی سرشاری اور شاعرانہ ذکاوت کی اصلیت کو ملحوظ خاطر رکھیں تو اندازہ ہوگا کہ حضرت تاج الفحول فقیر قادری کے وجدان پر عقیدت کا غلبہ ہے، احساس پر رضائے محمد ﷺ کا قبضہ ہے اور ذہن و شعور پر رسول اکرم ﷺ کا احترام و اعجاز حاوی ہے۔ ان کو جلد از جلد دیار حبیب ﷺ میں پہنچنے کی لٹک ہے، روضہ اقدس کو اپنی پیاسی نظروں سے چومنے کی تمنا ہے اور خود کو ہادی اعظم ﷺ کے سپرد کر دینے کا جنون ہے۔ ایسے میں فنی رموز و علامت بھلا کیسے جکڑے؟ وہ تو جوں توں شہر طیبہ سے قریب ہوتے جا رہے تھے ان کی سرشاری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس عالم میں ہر نفس کی ایک رکاوٹ تو ہر فکر ایک بوجھ جیسی تھی۔ ان کی زبان پر جو کلمات تھے، بس یہی تھے کہ اے حضور ﷺ! مجھے جلد بلوا لیجیے اور جلوۂ سبز گنبد کا نظارہ کرا دیجیے۔ قرب احمد بختی ﷺ کے دفور و نشاط کے عالم میں انھوں نے کس کس انداز میں اپنے جذبے کا اظہار کیا ہے اس کی طرقلی محسوس کرنے کی چیز ہے:

ہے دل کو عشق آپ کے روئے سے اس طرح جیسے کہ عندلیب کو اُلفت چمن سے ہے

☆

موجود ہو بر روئے زمیں روضہ محبوب دیکھوں نہ اسے آنکھ سے واللہ غضب ہے

☆

جانے والے تو گئے کب کے مدینہ کی طرف اب شک اپنی وہی بے سروسامانی ہے

☆

مرحبا اے دل خوش بخت مدینہ آیا شکرِ حق کا کہ پہنچا ہے کہاں آج کی رات

☆

ہر طرف حق کے جو انوار نظر آتے ہیں بس مدینے کے یہ آثار نظر آتے ہیں

☆

ان کی رحمت نے کیے غیب سے ظاہر ساماں تھا یقین مجھ کو کہ بے شک مجھے بلوائیں گے

نعت حق کے خزانے پہ غریب آ پہنچے یعنی ہم آج مدینے کے قریب آ پہنچے

☆

شکر حق کیا ہوا ادا ہم سے سیر رو بھی فقیر تا در روضہ مدنور حبیب آ پہنچے

☆

لو مبارک یہ شہنشاہ کا روضہ آیا عرش سے جس کی زیارت کو ملک آتے ہیں

ادب لٹریچر بھی ہے، اطوار و اخلاق کا آئینہ دار بھی اور عبادت بھی۔ ادب ایمان و

اسلام بھی ہے اور اس سے محرومی کفر کے مصداق ہے۔ بقول مولانا روم ”حرف“ خدا کا نام ہے۔

صالح ادب کی تخلیق کی باگ ڈور موجودہ صدی کے اوائل تک دین و مذہب کے خدمت گاروں

کے ہاتھوں میں تھی۔ بقول وائی آسی ”نعت گوئی کو ترقی دینے میں صوفیائے کرام کا بہت بڑا ہاتھ

ہے۔“ حضور ﷺ کی مدح و توصیف میں لکھی جانے والی نثر بھی نعت کے زمرے میں آتی ہے۔

نعت کے ذریعے بگڑے ہوئے اخلاق کو سدھارنے، امیری اور غریبی کے امتیاز کو مٹانے، نیکی کی

راہ دکھانے اور زندگی کی تعمیر و اصلاح کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ لہذا نعت گوئی کا میدان بے حد وسیع

و عریض ہے۔ چند دہائی قبل تک نعت کو ”مذہبی ادب“ قرار دے کر اسے ایک مخصوص حلقے تک

محدود کر دیا گیا تھا مگر بفضلِ الہی اب حمد و نعت کو بھی تخلیقی ادب کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور

ہندو پاک کے بیشتر مقتدر اور اہم معیاری ادبی جریدے حمد و نعت کی شمولیت لازمی سمجھنے لگے ہیں۔

معروف شعرائے کرام بھی تخلیقِ نعت کی جانب متوجہ ہوئے ہیں۔ اور نظم و غزل کے ساتھ نعت کہنا

بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ لہذا موجودہ عہد میں اس صنف کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا ہے اور حمد و

نعت پر مشتمل مجموعے بھی تو اتر سے شائع ہونے لگے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ نعت نگاری کے

لیے اب لفظ کی گینوی آب و تاب اور انداز بیان کی کٹنگنی لازمی قرار دی گئی ہے۔ پہلے ارباب فن

کو یہ شکایت تھی کہ نعت گوئی پر تبصرہ اور تقریظ سے آگے بڑھ کر کوئی کام نہیں ہوا ہے۔ مگر آج

بلوغیت شعور و ادراک کے ساتھ نعت نگاری کو بھی نئی نئی جہتوں اور زاویوں سے ہم کنار کیا جا رہا

ہے۔ اس کے باوجود رفتار بہت دھیمی ہے اور ماقذیت پرستی نے زیادہ تر لوگوں کو مڑھلی اور تہذیبی

قدروں سے دُور کر دیا ہے۔ نئی نسل اپنی مادری زبان سے بے تعلق ہوتی جا رہی ہے۔ لہذا یہ مسئلہ

کچھ زیادہ ہی غور طلب ہو گیا ہے۔ علی شوکت راجا نے لکھا ہے کہ:

مذہبی کتابوں کو جزدانوں میں بند طاقوں میں رکھنے والوں نے کبھی یہ نہ

سوچا کہ ان کتابوں کے سارے حرف احرام آدمی سکھاتے ہیں۔
یہ بات لائق تحسین ہے کہ اعلیٰ حضرت تاج الفحول اکادمی نے سینئروں کے انعقاد اور
کتب کی اشاعت کے ذریعے اس مسئلے کا حل ڈھونڈنے کی سعی تبلیغ کی ہے اور ”مظہر حق“ کے نام
سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا ہے۔ اس طرح حضرت فقیر قادری کی شعری و نثری تحریریں عوام و
خواص تک پہنچنے لگی ہیں اور روزبان و ادب کے مطالعے کا ذوق و شوق یقینی طور پر بڑھا ہے۔

شاعری الہامی اور وجدانی کیفیات کے زیر اثر وجود میں آتی ہے۔ نعت نبی ﷺ کی
تحقیق و تحریر کے وقت شدت جذبات کے باعث بعض شعرا ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو شعری
لحاظ سے حد درجہ قابل اعتراض ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا ارشاد گرامی ہے
کہ ”نعت کا جو طرز ہمارے معاشرے نے اختیار کیا ہے وہ بہت قابل اصلاح ہے۔“ حضرت شاہ
معین الدین احمد ندوی نے ”ارمغانِ حرم“ کے دیباچے میں تحریر کیا ہے کہ اس راہ میں سب سے
بڑی لغزش الوہیت اور نبوت کے حد کو سمجھنے میں ہوتی ہے۔“ حضرت تاج الفحول فقیر قادری نہ
صرف عالم دین تھے بلکہ زبان شعر کے مزاج داں بھی تھے۔ لہذا ان کی نظر سے یہ بات پوشیدہ
نہیں تھی کہ الوہیت اور نبوت کی سرحدیں الگ الگ ہیں۔ انہیں اس بات کا بھی عرفان تھا کہ
محمد رسول اللہ ﷺ کو خود اللہ تبارک تعالیٰ نے ”یا آدم“، ”یا عیسیٰ“، ”یا زکریا“ وغیرہ کی طرح مخاطب
کرنے کی بجائے ان کے احرام کے پیش نظر قرآن شریف میں جگہ جگہ ”یا صدائے عزت“، ”یا
لہما الرسول“، ”یا لہما الزل“، ”یا لہما الدثر“ وغیرہ لفظوں میں مخاطب کیا ہے۔ اس لیے نعت کہتے
وقت اللہ کے رسول کی اس عظمت کو پیش نگاہ رکھنا لازمی ہے۔ حضرت فقیر قادری نے ان نکات کو
بھی اپنے نعتیہ اشعار میں واضح کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کیا عزت جناب رسول کریم ﷺ ہے مداح جن کا خود وہ خدائے علیم ہے

☆

وہ محبوب خدا جن کی کہ ذات پاک کا بے شک

خدائے اقدس و اعلیٰ بذات خود ثنا خواں ہے

☆

آخر جناب حضرت حق نے کیا انہیں مسند نشین تختِ مطائے لامکاں
اعلیٰ حضرت تاج الفحول نے ایک طرف ”ہیبتہ الشفاء“، ”شفاء المسائل“، ”تحقیق

المسائل، ”سیف الاسلام“، ”احسن الکلام“ فی تحقیق عقائد الاسلام اور ”معانیہ کی تحقیق“ وغیرہ جیسی اہم کتابیں لکھ کر ملتِ اسلامہ کی بچی بچہبانی کی تو دوسری طرف نعت و منقبت لکھ کر رسول اکرم ﷺ سے ایسی والہانہ وابستگی کا ثبوت فراہم کیا کہ عاشقِ رسول ﷺ، جید عالمِ دین اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے آپ کو امام الہدیٰ، صاحبِ اسطفا، نائبِ مصطفیٰ، مظہر ارتضاء، وارث الانبیا اور زبدۃ الاتقیا جیسے خطابات سے نوازا ہے اور ان کی شان میں ایک سو پانچ اشعار پر مشتمل قصیدہ ”چراغِ انس“ تخلیق فرمایا جو عالی جناب فقیر قادری کو عظیم المرتبت کرنے اور مداح رسول کی حیثیت سے انفرادی شناخت عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کے توصیفی قصیدہ کے بعد کسی طرح کے اضافہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ان کے یہ اشعار بلاشبہ ان کی حقیقت یمانی اور کشادہ نظری کی بہترین مثال ہیں:

اے امام الہدیٰ محبت رسول دین کے مقتدا محبت رسول
آج قائم ہے دم قدم سے ترے دین حق کی بنا محبت رسول
تجھ پہ فضلِ رسول کا سایہ مجھ پہ سایہ ترا محبت رسول
حضرت تاج الجول فقیر قادری کی نعت کیف و کشف کی لامحدودیت، فکر و جذبہ کی صداقت، واقعیت اور گہری روحانی کیفیات کی آئینہ دار ہے جو ادراک و آگہی کی ان منزلوں سے آشنا کراتی ہے جہاں بہرِ ساعت ایک ہی صدا گونجتی ہے:

ہر طرف صلِ علیٰ کی دھوم ہے، ہاں دھوم ہے...



عرش صدیقی کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر عامی کرنالی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ”اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر“ کے صفحہ ۴۹۹ پر ”ڈاکٹر عرش صدیقی“ کا عنوان درج کر کے یہ تعارفی جملے درج کیے ہیں:

ادیب، شاعر، محقق اور نقاد کی حیثیت سے نامور شخصیت، کئی نثری اور شعری کتابوں کے مصنف ہیں۔ شاعری میں روایت جنوں سے منحرف اور رویہ خرد افروزی کے پرچارک۔ کلام میں عصری حسیت اور شعور کی رو۔ جزوا حمد و نعت کہی ہے۔ کملی میں بارات کے نام سے دوہے طبع ہوئے ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے کملی میں بارات مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور، طبع اول نومبر ۱۹۹۱ء سے حمد و نعت کے ضمن میں ان دوہوں کی مثالیں دی ہیں:

حمد:

عادل خلقت شور مچائے ہوا ہوئے نگوں
نفرت کے دشمن کلڑوں میں بٹے ہوئے ہیں لوگ
میرے پاس علاج ہے اس کا سنو فقیر کی بات
کالی کملی اوڑھ لو سارے کملی میں بارات
(ص۔ ۱۰۳)

(مقالے میں پہلے دوہے کے دوسرے مصرعے میں ”نفرت سے دشمن“ درج ہے غلطی

ہے جسے دور نہیں کیا گیا)

نعت:

عادل میرا فخر محبت، عجز، لحاظ، نیاز
تیرا فخر حقارت، عہد، کرسی، کبر مجاز
تیرا فخر وہ عدل ترازو جھوٹے جس کے ہاٹ
میرا فخر فقیری والی ٹوٹی ہوئی اک کھاٹ
("میرا فخر محمد"، ص ۱۰۴)

اس نعتیہ سلسلہ خیال کی تکمیل جس تیسرے نعتیہ دوہے پر ہوتی ہے اسے مقالے کا حصہ نہیں بنایا گیا۔ وہ دوہا یہ ہے:

تیرا فخر عدالت والے بے حس رسم و رواج
میرا فخر محمد عادل، عجز مرا علاج

اس میں شک نہیں کہ نعت عرش صدیقی کی شاعری کا نسبتاً کم معروف گوشہ سہی لیکن اس کے نقوش اس قدر عدم دستیاب بھی نہیں ہیں کہ انھیں ایک بلند درجے کی تحقیق کے لیے تلاش ہی نہ کیا جاسکتا ہو۔ اس مضمون میں عرش صدیقی کی نعت گوئی کے آغاز و ارتقا سے بحث کرتے ہوئے اُن کی چند نعتوں کے محرکات و موضوعات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور ان نعتوں کی مختلف اشاعتوں کے تقابلی مطالعے کے بعد نعت کی روایت میں عرش صدیقی کے مختلف شعری رویے اور ان کے امکانات کا جائزہ لیا جائے گا۔

"بمختصر سرور کائنات" جو ۳۱ مصرعوں پر مشتمل ہے۔

عرش صدیقی پہلی مطبوعہ نعتیہ نظم، غیر مطبوعہ تحریروں کے مجموعے "لفظ ہمارے" کے نعت نمبر میں ص ۴۵، ۴۶ پر شائع ہوئی۔

جون ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آیا یہ نعت نمبر حلقہ ارباب ذوق لودھراں کی جانب سے مبشر وسم لودھی نے مرتب کیا۔ ۱۹۸۵ء میں جب عرش کی نظموں کا دوسرا مجموعہ "محبت لفظ تھا میرا"، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا تو اس میں صفحہ ۱۵ سے ۱۷ پر شامل تھی۔ جس میں شاعر حضور ﷺ سے براہ راست مخاطب ہو کر کہتا ہے:

سنگ رہا ہے لبوں پر عذاب گویائی کہاں سے بات چلائیں کہاں سے لفظ چنیں

کہ یاں بیان کی تفسیر جو بیاں میں نہیں
کریں اشاروں میں بھی بات ہم تو اہلِ فنا
فقیرِ شہر کو چاہیں تو محسبِ دشمن
عجیب طرح کے مجرم ہیں ہم کہ جن کے لیے
عجیب منظرِ غم ہے ہماری آنکھوں میں
جدھر سے گزریں فقط ایک ہی صدائے بلند
یہ بت حکم ہیں انہیں حق ہے آتشِ نمرود
یہ پاسانِ حرم ہیں انہیں شہید کرو
ہر اک قدم قلعہٗ دشمنان کی زد میں ہے
کہاں کہاں سے نہ گزریں کہاں کہاں سے بھیں
نہیں ہے جاں سے گزرنے کا حوصلہ جو مکاں
تڑپ اس سے حریتِ حدیثِ شوق مگر
ہے تیرا نام کلیدِ فراغِ قلب و نظر
زباں پہ قفلِ بنی ہے مہیب خاموشی
اس اتلا سے نکال اے محمد ﷺ عربی

”لفظ ہمارے“ کی اشاعت میں احتیاط نہیں برتی گئی اور نظم کے ساتویں مصرعے میں
”نعتیہ شہر“ کا لفظ ”نعتیہ شہر“ آٹھویں مصرع میں بجا ہے ”بتائیں“ چودھویں مصرعے میں
شور کو ”شعور“ لکھ دیا گیا اور تراکیب میں اضافتوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ ان باتوں سے قطع نظر نظم
کے لہجے پر نظر دوڑائی جائے تو اس پر فیض کی نظم گوئی کے انداز کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن نعتیہ
مضامین میں اس روایت کی رو سے ہے جو اس مشہور نعتیہ مناجات میں:

فریاد ہے اے کشتیِ اُمت کے نگہباں

بیڑا یہ جاہی کے قریب آن لگا ہے

عرش صدیقی کی یہ پہلی نعتیہ نظم اُن تمام قیاس آرائیوں کی کھلی تردید بھی تھی جو اُن کے
بارے میں کی جاتی رہیں اور جسے موضوع بناتے ہوئے عرش صدیقی نے ایک مقام پر یہ واقعہ
درج کیا:

اخبارات میں یہ شکایت شائع ہوئی کہ عرش صدیقی یونیورسٹی کے طالب

علموں میں گم راہی پھیلا رہا ہے... اور بائبل پڑھنے پر مجبور کر رہا ہے...
 ماتھا لوجی کو خرافات سمجھنے والے علمائے حقہ میں اور متاخرین سے اس
 قسم کے رویے پر مجھے زیادہ حیرانی نہیں ہوئی میں نے اس سلسلے میں
 طالب علموں اور ان میں سے بعض کے بزرگوں اور چند اہم شہریوں سے
 مذاکرات کیے اور خدا کا شکر ہے کہ انہیں ہم خیال بنانے میں کامیاب
 رہا۔ ایک بار چند ایسے حضرات سے میری گفتگو ہوئی جنہوں نے قرآن
 کریم کا سرسری مطالعہ تو کیا تھا لیکن دوسری کسی مذہبی کتاب کو نہیں دیکھا
 تھا نہ ہی ان مذاہب کے پیشواؤں کی زندگی کی تفصیلات کا انہیں علم تھا۔
 میں اصرار کر رہا تھا کہ انہیں دوسرے مذاہب کی کتابوں اور ان کے
 پیشواؤں کی زندگی کا علم حاصل کرنا چاہیے اور وہ میری بات ماننے کو تیار
 نہیں تھے۔ جب میں نے اصرار کیا کہ میں ان دوسرے مذاہب کے
 مطالعے کو اہم سمجھتا ہوں تو انہوں نے مجھ سے کچھ سوال کیے اور جواب
 مانگے، یوں:

س: کیا آپ قرآن حکیم کو عظیم ترین اور مکمل ترین کتاب مانتے ہیں؟
 ج: جی ہاں مانتا ہوں۔

س: کیا آپ محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے بڑا پیغمبر مانتے ہیں؟
 ج: جی ہاں مانتا ہوں۔

س: بتائیے کہ یہ ماننے کے باوجود کہ قرآن سب سے اہم کتاب اور
 محمد ﷺ سب سے بڑے پیغمبر ہیں کیا دوسرے مذاہب اور ان کے
 پیغمبروں کی طرف رجوع کرنا آپ کے ایمان اور عقیدے کی کم زوری کا
 ثبوت نہیں ہے؟

ج: نہیں! آپ کا خیال قلط ہے میں محض اس لیے مسلمان نہیں ہوں کہ
 میں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا میں محض عقیدے کی بنیاد پر بھی
 مسلمان نہیں ہوں میں سوچ سمجھ کر شعور کی بنیاد پر مسلمان ہوں اور میں
 سمجھتا ہوں کہ کس بات کی کیا اہمیت ہے جب کہ آپ نہیں سمجھتے۔

س : کیا ہمارا عقیدہ ہمارے لیے کافی نہیں ہے اور کیا آپ کا ایمان کم زور نہیں ہے؟

ج : جی نہیں! عقیدے کی اپنی اہمیت ہے لیکن عقیدے کو عقل اور سائنس کے حوالے سے بھی ماننا دوسری بات ہے۔ چلیے تھوڑی دیر کو میں مان لیتا ہوں کہ میرا ایمان کم زور ہے اور خاکم بدین میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم مکمل راہ نما کتاب نہیں ہے یا محمد ﷺ مکمل رہبر نہیں ہیں، یا یوں کہیے کہ آپ تو مانتے ہیں آپ کو اُن کو قائل کرنا ہے جو اسلام کو نہیں جانتے اور رسول خدا کو نہیں مانتے۔ آپ ان کو کیوں کر قائل کریں گے کیا آپ کو یہاں دوسرے ادیان سے مقابلہ نہیں کرنا ہوگا۔

میرے اس سوال اور اس دلیل کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے یہ نہ بتا سکے کہ اس عقیدے میں جس کے وہ مقلد ہیں کیا بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔ آخر دوسرے لوگ ان کے عقیدے کو کیوں قبول کریں۔
 ("ہندو صنمیات" از ڈاکٹر مہر عبدالحق، لیکن بکس ملتان، اوّل ۱۹۹۳ء،

ص ۱۳ تا ۱۵)

دراصل عرش صدیقی اپنے عقیدے، ایمان اور اس کے زپراثر اپنی نعت گوئی میں بھی تقابلی ادیان کو اہمیت دیتے ہیں اور اسے شعوری سطح پر قبول کرتے ہیں۔ عرش صدیقی اُس رہبر کے قائل ہیں جو سفر زندگی کی اُن تمام راہوں، دشواریوں اور آسانوں کا کماحقہ علم رکھتا ہو جن سے انسان کا ربط خاص ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ وہ ہستی ہیں جنہیں زندگی کے ہر شعبے کا بلا واسطہ اور مکمل تجربہ تھا۔ عرش صدیقی کی نعت گوئی میں حضرت محمد ﷺ کی ہستی اسی طور موضوع سخن بنی ہے۔

عرش صدیقی کی نعت گوئی کے مطالعے میں اُن کے اُس سفرِ حجاز کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا جو انہوں نے ۱۹۹۰ء میں اختیار کیا تھا۔ اس سفر سے واپسی پر انہوں نے سنجیدگی سے نعت گوئی کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ نومبر ۱۹۹۳ء کے "ماہ نو"، ص ۳ پر عرش صدیقی کی جو نعت آزاد مصرعوں کے انداز میں شائع ہوئی اور بعد میں "دارے"، کراچی مارچ، اپریل ۱۹۹۵ء، ص ۶ اور "مہکتے حرف" مجموعہ نعت نمبر ۳، مرتبہ رضی الدین رضی، منجانب پریس کلب ملتان، ص ۱۸، ۱۹ پر بھی شائع ہوئی۔ اس کا رنگ ہی اور تھا۔ ملاحظہ کیجیے:

اے نبی دور جو تجھ سے بیٹھا رہا اس کی دنیا نہیں اس کی عقبی نہیں

وہ زمیں کا نہیں آسماں کا نہیں وہ کسی کا نہیں مگر وہ ترا نہیں
 تری رحمت کا سایہ ہر انسان تک تیری دانش کی روح امکان تک
 کون ہے جس نے ترا کہا پڑھ لیا اور پھر ٹوٹ کر تجھ کو چاہا نہیں
 ہفت خواں کوئی رستے میں آئے تو کیا آسماں سر پہ بجلی گرائے تو کیا
 مگر شعور وفا رہنا ہے تو پھر دشت قلم نہیں راہ دریا نہیں
 وہ جو حیراں ہے معراج کیا راز تھا طے ہوا کس طرح وقت کا قاصد
 تیرے اقبال کی کیا خبر ہو اسے جو حرا میں محبت کے اُترا نہیں
 ہم جو اس عمر میں خالی دامن لیے ہو کے بے تاب سوئے حرم چل پڑے
 سوچا سمجھا ہوا عرش ہے فیصلہ سر میں جاگا ہوا کوئی سودا نہیں
 اس نعت کے حوالے سے نعت گوئی کو شعوری سطح پر شعری تجربہ بنانے کا عمل کتنا واضح
 اور روشن دکھائی دیتا ہے اور عرش کی نعت عقیدے اور عقیدت کے اس روایتی سفر میں اپنے عہد کو
 نئے ممکنات کا عہد بناتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

عرش صدیقی کی وہ نعت جو بطور خاص جنوری ۱۹۹۰ء میں مدینہ منورہ سے رخصت
 ہوتے ہوئے کہی گئی، عرش کی نعت گوئی کی تفہیم میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتی ہے اور چند
 مختلف احساسات و کیفیات کو سامنے لاتی ہے۔ یہ نعت ”گل صحرا“ ملتان کے ۱۹۹۶ء کے ایک
 شمارے میں صفحہ نمبر ۹ پر شائع ہوئی، ملاحظہ کیجیے:

صدیوں سے تھے جو دور ترے آسماں سے ہم	محرّم تھے سرودِ فم جاوداں سے ہم
تھے کب سے پامال سرِ دشتِ آردو	بچڑے ہوئے تھے جیسے کسی کارواں سے ہم
عشقِ تماں میں لٹ کے دمانے سے ہار کے	پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم
سوچا تھا جاں پہ گزری ہے جو کہہ سائیں گے	حیراں کھڑے ہیں بات چلائیں کہاں سے ہم
اک جامِ درد دے کہ دباں کی گرہ کھلے	مشکل میں ہیں اسیریٰ بجز میاں سے ہم
کیا خوش نصیب تھے کہ ترے در پہ آگئے	کیا بد نصیب ہیں کہ چلے ہیں یہاں سے ہم
کس کو وطن میں جا کے کہیں گے کہ کیا ہوا	کیوں لوٹ آئے شہرِ شہِ دو جہاں سے ہم
ہر دم ہمارے حال پہ رکھنا کڑی نظر	ڈر ہے کہ گر نہ جائیں کہیں داستاں سے ہم
مشکل پھر آ پڑی تو اسی در پہ آئیں گے	شکوہ نہیں کریں گے کبھی آسماں سے ہم

آ ہی گئے تھے عرش تو رہ جاتے پھر یہیں

سر پھوڑ مرتے کاش اسی آستان سے ہم

آپ نے ملاحظہ کیا خود احتسابی کے اس تجزیاتی عمل سے شاعر رونے سے دُوری کے سفر کو صدیوں کا سفر کہتا ہے اور روضہ رسول کو کائنات اور انسان کا مرکزی نقطہ قرار دیتا ہے۔ عرش کی نعت گوئی میں یہ زاویے اس سفر سے پہلے اُس کی نعت گوئی کا حصہ نہیں بنے تھے۔

اور اب آخر میں عرش صدیقی کی ایک ایسی نعت ملاحظہ کیجیے جو سہ ماہی ”ادبیات“ اسلام آباد کے شمارہ ۱۶، جلد ۷، ”بہار“ ۱۹۹۳ء، کے صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۱۳ پر آزاد مصرعوں کی صورت میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں ”سفینہ ادب“ ملتان کے گوشہ عرش صدیقی نمبر ۱۹۹۵ء، مرتبہ نسیم شاہد میں ص ۸ اور ”گل صحرا“ گولڈن جوبلی نمبر ۱۹۹۷ء میں ص ۱۱ پر پابند نعتیہ نظم کی صورت میں دوبارہ وسہ بارہ چھپی۔ ”سفینہ ادب“ کی اشاعت میں یہ شعر شامل نہیں تھا۔

کیا خبر کس طرح ہم نے مانگی دعا کیا خبر کیسے ہم سرخ رو ہو گئے

کیا خبر کس طرح اک سسکتی لوا آخر شب سحر کی اذیاں بن گئی

”گل صحرا“ کی اشاعت میں اغلاط کی درستی پر توجہ نہیں دی گئی مزید اشعار ملاحظہ کیجیے:

بے اماں بحرِ ظلمات میں اے نبی تری ہستی منارِ اماں بن گئی

گلشنِ جاں میں اک خالی مسئول تھا تیرے در کی ہوا بادیاں بن گئی

دھوپ نکل تو ایسی ستم ریز تھی شعلہ بن کر فضا ساری جلنے لگی

کچھ نہ تھا سر پہ جز آسمان بلا تری چشمِ کرم سائباں بن گئی

تا اُفق پھیلتے گرم صحراؤں میں کوئی گل تھا نہ سبزے کی مہکار تھی

نام تیرا ہوا نے کچھ ایسے لیا وسعت دشتِ جاں بوستاں بن گئی

اک نیا تو نے دنیا کو چہرہ دیا آتشِ عزم سے اس کو تازہ کیا

جموں اٹھی تیرے قدموں تلے یہ زمیں، یہ زمیں کب رہی آسماں بن گئی

زندگی کی جو پہلے سے تعبیر تھی باعثِ انتشار چمن ہی رہی

تیری تعبیر کے سحر سے مجلسِ دشمنان محفلِ دوستاں بن گئی

وقت مایوس تھا سو گیا تھا مگر تیری آوازِ پا سے وہ پھر جاگ اٹھا

اس نے کروٹ جو لی وہ نئی زندگی اور نئی روشنی کا نشان بن گئی

کیا خبر کس طرح دعا کہہ گئے کیا خبر تو نے کیسے ہمیں سن لیا
 حوصلہ بولنے کا کہاں تھا ہمیں خامشی ہی ہماری زباں بن گئی
 جانِ عرشِ حزیں جو بدن کی ریاضت کے اک سرد خانے میں محبوس تھی
 اک نظر سے تری جس ٹوٹا تو وہ آسمانوں میں روح رواں بن گئی
 عرش صدیقی کی نعت گوئی کے ضمن میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ اردو نعت گوئی
 کے سفر میں اضافہ کرتی ہوئی مثالیں ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ قاری پر ہے لیکن اس مطالعے سے یہ
 نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ عقیدے اور یقین کو انسانی حیات میں جو اہمیت حاصل ہے وہ سائنس کی
 لامحدود ترقی کے باوجود اپنی جگہ قائم ہے۔ عرش اس حقیقت کے غماز تھے کہ حیات اور انسانی ذہن
 کی ساخت کی پیچیدگیوں کو سلجھانے کے لیے انسان عقیدے کے ساتھ ساتھ شعور کو بھی راہنما نہ
 بنائے تو وحشی جہتوں اور نفسیاتی الجھنوں کی خوراک بن جاتا اس کا مقدر بن جاتا ہے اور پوری
 سچائی اسی وقت دریافت کی جاسکتی ہے جب ان مسائل پر غور و فکر کی راہ ہموار کی جائے جو زندگی
 کے دامن سے بندھے ہوئے ہیں۔ چناں چہ اس مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اس حقیقت
 کے ادراک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ انسان عقل و شعور اور اقدار کی مکمل ترین صورت
 اسلامی تعلیمات میں اور ان کا اکمل ترین عمل ظہورِ آغضور ﷺ کی زندگی میں ہوا ہے۔



مقبول نقش کا نقشِ عقیدت

جناب مقبول نقش ہمارے ایک پختہ عمر، پختہ شعور اور پختہ فکر ادیب و شاعر ہیں۔ ان کی شعوری عمر کم و بیش ۶۲ سال ہے۔ انھوں نے زندگی کا حق ادا کیا ہے۔ ان کی زندگی کے دامن میں متنوع اور گونا گوں تجربے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کے ساتھ تعاون اور تعامل کا فریضہ انجام دیا ہے، وہ ایک ایسے دور کے فن کار ہیں جس کے بارے میں بجا طور پر کہا گیا ہے:

ہیں موڑ پر صدیوں کے دن ایک مہینے کے

انھوں نے دوسری عالمی جنگ دیکھی ہے جب ہر چوبیس گھنٹے میں یورپ کا جغرافیہ بدل جاتا تھا۔ انھوں نے افریقا اور ایشیا کے بیشتر ممالک میں طلوع آزادی کا نظارہ کیا۔ انھوں نے دنیا کے سب سے بڑے مسلمان ملک کو دنیا کے نقشے پر ابھرتے اور اسے دولخت ہوتے دیکھا ہے۔ وہ سانحہ کشمیر کے شاہد اور مبصر ہیں اور کشمیری اُن کی پہلی شعری کاوش ”جوئے خون“ کا موضوع ہے۔ ۷۲ء بند کا یہ مسدس ۱۹۶۸ء میں ڈحا کے سے شائع ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ۷۲ء بندوں کا تعین اتفاقی نہیں بلکہ شاعر نے ہندو سے کے ذریعے قتل کشمیر کا تعلق مقل کر بلا سے قائم کیا ہے۔ کر بلا جو مظلومیت کے ساتھ ساتھ مزاحمت، جدوجہد اور ظلم کا مقابلہ کرنے کا استعارہ ہے۔ اردو کے سخت گیر نقاد ڈاکٹر عندلیب شادانی مرحوم نے اس نظم کے دیباچے میں مقبول نقش کے شاعرانہ کمال کے پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ یہ کتاب کم یا ب نہیں بلکہ نایاب ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شادانی صاحب کی تحریر کا مختصر اقتباس پیش کر دیا جائے۔

نقش صاحب کی یہ نظم اختصار کے باوجود اپنے موضوع کی تمام جزئیات پر حاوی ہے۔۔۔ پوری نظم نہایت رواں دواں اور استوار ہے۔ اس روانی

میں بحر کے مناسب انتخاب کا بڑا دخل ہے۔

مقبول نقش صاحب نے کشمیریوں بلکہ کشمیر کی زبان سے یہ داستان سنائی ہے اور مخاطب سیاح کشمیر سے ہے جو شوقِ نظارہ اور تمنائے تفریح کے ساتھ کشمیر آیا ہے۔ مصرعوں کا آہنگ گلنگلو اور مکالے کا سا ہے۔

آؤ دیکھو یہ تاریخ کشمیر ہے زینت ہر ورقِ خونِ فنجیر ہے
ہم سے پوچھو کہ یہ خطہ رنگ و بو ملکیت کس کی ہے، کس کی جاگیر ہے
یہ زمین صرف کشمیریوں کی زمیں اور کسی کی نہیں، اور کسی کی نہیں

کشمیر کی تاریخ آزادی اور جدوجہد اسی لہجے اور انداز میں بڑی تاثیر کے ساتھ نظم کی گئی ہے۔ اس بند میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ تیسرا مصرع ہم قافیہ نہیں، جب کہ مسدس کی فنی روایت کے مطابق ہر بند کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اس انحراف سے شاعر کے فنی شعور اور جدت کا اظہار ہوتا ہے اور اس سے تسلسل میں اضافہ ہوا ہے۔ نظم میں مفید حواشی اور سنہن بھی ہیں جن سے نظم کا تاریخی پس منظر روشن تر ہو گیا ہے۔

گزشتہ چونتیس برسوں میں مقبول نقش صاحب کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ کئی اصنافِ سخن میں انھوں نے اظہارِ خیال کی نئی گنجائشیں اور امکانات تلاش کیے ہیں۔ نظم کے مختلف پیکر، غزل، رباعی، قطعہ، غلاٹی، ہائیکو اور ماہیا... غلاٹی، ہائیکو اور ماہیا گویا مقبول نقش صاحب کے ذہن میں غلاٹی، ہائیکو اور ماہیا، الگ الگ اور مستقل اصنافِ سخن کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ ان کے درمیان بجا طور پر فرق کرتے ہیں اور اس فرق کو عملی طور پر برتتے ہیں۔

مقبول نقش صاحب کے مختلف شعری مجموعوں میں ان کی زندگی کے گزرے ہوئے ماہ و سال، ہماری گزشتہ صدی کے نقوش، تاثرات اور زندگی دکائات کی جاوداں اور لافانی حقیقتیں موجود ہیں۔ مشرقی پاکستان کے مناظر، شعر کے پیکر میں دخل کر ایک انسانی تجربے کے طور پر محفوظ ہو گئے ہیں اور ان کی غزلوں میں آفاقی موضوعاتی کی نمود ہے اور حدیثِ دل و دنیا سنائی دیتی ہے۔

غنچہ سر شاخ کھل رہا ہے خوش بو کو وجود مل رہا ہے
خواب بھی چھین لیے جائیں تو پھر کیا رہ جائے آدمی اپنے خیالوں میں بھی تھا رہ جائے
زندگی میں ایسے بھی حادثے گزرتے ہیں روشنی کے دیوانے روشنی سے ڈرتے ہیں

یہ اشعار جدید غزل کے مزاج اور آہنگ کی نمائندہ مثالوں کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔ جدید غزل جو نئے انسان کی تنہائی، نئے انکشافات، نئی آگہی، بدلتے ہوئے سماجی حالات اور حالات کی کمر میں ڈوبے ہوئے اور کھوئے ہوئے ان خیالات، محسوسات اور کیفیات کی عکاس ہے جو شاعر پر بھی پوری طرح واضح نہیں ہیں اور آج کی غزل میں پچھلے پچاس ساٹھ سال کے وہ واقعات پس منظر کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے ہماری نسل دوچار ہوئی اور مقبول نقش صاحب اسی نسل کے باتیات الصالحات میں سے ہیں۔ آزادی کے حصول کے وقت چراغاں ہوا اور یوں کہ جلتے ہوئے مکانات اور بستیوں کے شعلے آزادی کا چراغاں بن گئے۔

زندگی میں ایسے بھی حادثے گزرتے ہیں

روشنی کے دیوانے روشنی سے ڈرتے ہیں

اور ایسے حادثوں کے بعد حساس لوگ اپنے خوابوں کی دنیا میں پناہ لیتے ہیں لیکن ان خوابوں کا رشتہ حقیقتوں سے ہوتا ہے۔ زندگی کو سجانے کے خواب، تعمیر آشیاں کے خواب، زمینوں کی ٹہنی اور امن کی فاختہ کے خواب... اور اسی کے ساتھ حسن سے وابستگی... خوش بو کی تجسیم کے لہجوں کو دیکھنے کا منظر۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ شاعر اور تخلیقی فن کار کا رشتہ ابدی، کائناتی اور مابعد الطبیعیاتی حقیقتوں سے بھی ہوتا ہے۔ یہ رشتہ زندگی کے سفر کے ساتھ ساتھ مضبوط تر ہوتا جاتا ہے۔ یہ رشتہ ہماری زندگی کی بلند تر سطح کا دوسرا نام ہے اور ہر مذہب و ملت کے شاعر اور فن کار کے ہاں اس رشتے اور تجربے کی نمود ہوتی ہے۔ مسلمان فن کار کے ہاں یہ مابعد الطبیعیاتی تجربہ بھی انسانی اور عملی ہوتا ہے اور یہ رحمۃ للعالمین ﷺ کا کرم ہے۔ اللہ کو ان کے ارشادات اور ان پر نازل ہونے والی کتاب نے ہمارے رگ جاں سے قریب تر کر دیا۔

مقبول نقش صاحب کے تمام شعری مجموعوں میں حقیقت کا یہ پہلو موجود ہے۔

میں خراب دشت طلب ترا تو میرے قریب رگ گلو

(حمد: ”حرف مری کائنات“)

ہم کشیدہ ہم و گماں تو رہبرِ راہ یقین

(نعت: ”حرف مری کائنات“)

غزلوں میں بھی حقیقت و مجاز کی یہی ہم آغوش نظر آتی ہے۔ غزل میں نعت اور

حقیقت کی جلوہ گری پر میں نے تفصیل سے لکھا ہے۔ اس لیے اس سے گریز کرتا ہوں اور مقبول نقش صاحب کے چند شعر پیش کرتا ہوں اور اس درخواست کے ساتھ کہ ان کی تہ داری اور پہلوؤں پر غور فرمائیے:

جب ہاتھوں میں پتھر بولتے ہیں جب لوگ پیبر بولتے ہیں

☆

دوام تجھ کو ہے لیکن ترا سراغ ہوں میں ہوا کے سامنے جلتا ہوا چراغ ہوں میں

☆

مری نظر کو، مری فکر کی رسائی دے کہ مجھ کو چہرہ آئندہ بھی دکھائی دے
پچاس، ساٹھ سال کی خن آرائی کے بعد جناب مقبول نقش اپنا حمدیہ نعتیہ مجموعہ ”حرف ثبات“ پیش کر رہے ہیں۔ یہ تعارفی تحریر اس جگہ بھی ختم ہو سکتی ہے کہ میں نے اُن کی حمدیہ نعتیہ شاعری کے پس منظر اور ان کے اندازِ نظر سے متعلق کچھ اشارے آپ کی خدمت میں پیش کر دیے اور ان کی شاعری پر اختصار سے کچھ باتیں عرض کر دی ہیں، لیکن جی چاہتا ہے کہ اُن کی حقیقت نما شاعری کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے اور ذکرِ حبیبِ ربّ دو جہاں ﷺ کی سعادت حاصل کی جائے کہ روح کو منور اور معطر کرنے کی ایک قوی، مؤثر اور یقینی صورت یہی ہے۔

اس ہر آن بدلتی ہوئی دنیا میں صرف تغیر کو ثبات ہے اور اس میں اگر حرف ثبات، کسی لفظ، کلمہ اور کلام کو کہا جاسکتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسولِ آخر الزماں ﷺ کا ذکر ہے۔ جب ہر نقش مٹ جائے گا تو صرف اللہ کا وجود باقی رہ جائے گا اور روزِ قیامت تک ذکرِ محمد عربی ﷺ لیوں پر جاری رہے گا۔ اس مختصر سے مجموعے میں حرف ثبات کے ذریعے انسان اور اس کے کلام کو دوام کی ایک صورت عطا کی گئی ہے۔ مقبول نقش صاحب کے حمدیہ کلام میں اللہ صرف ”نقشِ خیالی“ نہیں بلکہ وہ روحِ حرف و کائنات کی طرح نظر آتا ہے۔ عہدِ حاضر میں نعت نے بے حد ترقی کی ہے لیکن اعلیٰ درجے کی حمدیہ شاعری کم ہی نظر آتی ہے۔ اس کے اسباب میں ایک سبب یہ ہے کہ اللہ کو ہم ایک وجود کے طور پر محسوس نہیں کر پاتے اور اس کے کلام کے ذریعے اس تک رسائی کی کوشش نہیں کرتے اور اس کے رسولِ اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر میں اللہ کی حیات افروزی اور قدرتِ کاملہ کو نہیں دیکھ پاتے۔ مقبول نقش خوش بخت ہیں کہ احساسِ وجودِ الہی کی وہ نعمت انھیں حاصل ہوئی ہے جو ”دید“ کی سرحدوں کو چھو لیتی ہے۔ وہ اپنے معبود سے سرگوشیاں

کرتے ہیں۔ ان کی دعاؤں میں اللہ سے ہم کلامی کی کیفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس لہجے میں ہمارے کتنے شاعر کلام کر سکتے ہیں؟

جو منزل مقصود بنا لیتے ہیں تجھ کو شاید کہ نصیب اُن کو تری ہم سفری ہے

☆

ترا ذکر اور تری گفتگو مری کشتِ جاں کے لیے نمو
مری زندگی بھی تری طلب مری موت بھی تری جستجو
رب ذوالجلال کو مقبول نقش نے اپنے شعور اور اپنے ایمان کی مدد سے اپنی زندگی کے ہر نفس کا حاصل، اپنی ہر نظر کی منزل بنا لیا ہے۔ وہ زندگی کی راہوں کا ایسا مسافر ہے جس کا زادِ راہ اس کا خالق ہے۔ وہ ذاتِ باری کے بارے میں سوچتا رہتا ہے اور اسی فکرِ مسلسل کے دریا میں نعت کے ایسے موتی ہیں جن کی آب و تاب دیدنی ہے۔ فکر کی گہرائی اور اسلوب کی عذرت و جدت اس شعر میں ملاحظہ فرمائیں:

فکر مری شکستہ پا، ذکر ترا کروں تو کیا

واقعہ بعد ازاں بھی ٹو، قصہءِ وحشت بھی ٹو

مقبول نقش کی حمد یہ شاعری میں بیستر مقامات ہمیں اللہ سے مخاطب کی صورت اور پرایہ نظر آتا ہے۔ نماز کو اللہ کے ساتھ مومن کی سرگوشی قرار دیا گیا اور نماز کا نتیجہ یہ مرتب ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کے روز و شب اللہ سے مخاطبہ اور مصائبہ بن جاتے ہیں۔ یہ قربت اور ادراک خالق، اس کے محبوب اور آخری نبی ﷺ سے محبت اور قرآن حکیم کے متعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ آج کا مسلمان دنیوی پیش و عشرت اور دولت کی فراوانی کے ہمنور میں پھنس گیا ہے اور عہدِ مصطفوی سے ہر دن دور تر ہوتا جا رہا ہے، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ سے وابستگی اس کی شناخت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ آج محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے بعد کم و بیش ۱۴۷۶ھ سال گزر چکے ہیں۔ اس حساب کو پھیلائیے تو معلوم ہوگا کہ آج ہم عہدِ ختم الرسل سے سترہ ہزار سات سو بارہ مہینوں کی مسافت پر ہیں اور اس عہدِ ہایرکت کے بعد پانچ لاکھ اڑتیس ہزار، سات سو چالیس دن گزر چکے ہیں اور ہر دن یہ اعداد و شمار بدل رہے ہیں لیکن ذکرِ خیر الانام ماہ و سال کی ان گردشوں پر غالب ہے۔ دنیا کے ہر گوشے، ہر خطے اور ہر ملک میں اُن کے ذکرِ پاک کا ترغیب جاری ہے۔ اللہم صل علی محمد و علیٰ آل محمد اور جناب مقبول نقش کا یہ مجموعہ حمد و

نعت اسی بلندی ذکر و اسم محمد کا ایک حصہ ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ وہ بھی دوسرے اہل ایمان کے ساتھ اس رفیع ذکر میں شامل ہیں۔

ہالائے ہر یقین و گماں، آپ کا خیال وجہ نمود کون و مکاں، آپ کا خیال
کیا غم اگر ہے تیز بہت زندگی کی دھوپ ہے سایہ روائے اماں آپ کا خیال
حرف ثبات، کا مطالعہ اس سایہ روائے اماں میں قیام کی طرح ہے۔ میں بھی اپنے
آپ کو اس منزل پر اُن کے خیال میں گم کرتا ہوں اور آپ بھی ان نعتوں کا مطالعہ کریں جو آپ کو
دیارِ محبت میں پہنچا دیں گی۔ میرا یہی جملہ ان نعتوں پر میرا حرفِ نقد ہے۔



تابش دہلوی (کراچی)

غم زندگی سے فراغت ملی ہے مدینہ میں کچھ ایسی راحت ملی ہے
 ہمیں دین و دنیا کی دولت ملی ہے یہ دولت انہی کی بدولت ملی ہے
 مدینہ میں اپنا قیام اللہ اللہ گناہ گار ہوں پھر بھی جنت ملی ہے
 رہے گرم بازار عشق محمد ﷺ مجھے آنسوؤں تک کی قیمت ملی ہے
 پس انداز اسے بھی کر اے عمر باقی سر کوئے طیبہ جو ساعت ملی ہے
 ہر ایک نقش طیبہ نہ کیوں دل نشیں ہو مری ہر حمہ کو صورت ملی ہے
 نہیں ہے مجھے خوف تردامنی کا کہ عشق نبی ﷺ کی حرارت ملی ہے
 دیار نبی ﷺ ہو کہ بیت الحرم ہو ہمیں حاضری کی سعادت ملی ہے
 کہیں دل فروزاں کہیں جاں فروزاں تجلی بقدر ضرورت ملی ہے

مبارک ہو سرکار طیبہ سے تابش
 تجھے نعت گوئی کی خدمت ملی ہے



منظر ایوبی (کراچی)

خواہشیں ہوں حرف کی صورت بیاں کیوں کر حضور ﷺ
ترجمانِ حال دل ہے جب یہ چشم تر حضور ﷺ

خاندانوں اور گروہوں میں غی جس روز سے
آپ کی اُمت کی حالت ہوگی، ابتر حضور ﷺ

مطمئن ہیں کس قدر یہ سوچ کر ہم ہجرتی
جہل کے ہاتھوں ہوئے تھے آپ بھی بے گھر حضور ﷺ

جس کے سائے میں ملی کتنے غلاموں کو اماں
کاش بخشش مجھ سے عاصی کو بھی وہ چادر حضور ﷺ

سرفروشی، حق پرستی کے تقاضے بھول کر
مصلحت کی اوڑھ لی اس قوم نے چادر حضور ﷺ

دل کو تڑپاتی ہے اکثر اس حسین منظر کی یاد
آپ ہیں، بابِ حرم ہے اور میرا سر حضور ﷺ



احمد صغیر صدیقی (کراچی)

کیا اُن کی طرف آئی یہ بھی ہوئی دنیا
قرب نفس پاک سے، اُجلی ہوئی دنیا

الفاظ تھے اُن کے کہ اُجالوں کے گھر تھے
پُر نور ہوئی دھند میں ڈوبی ہوئی دنیا

یہ ہال و پری اس کی، عنایت ہے انہی کی
اُن کی ہی نوازش ہے یہ اُڑتی ہوئی دنیا

یہ فکر انہی کی ہے کہ ہر فکر ہے ٹک رنگ
ہے اُن کے ہی اعجاز سے مہکی ہوئی دنیا

یہ اُن کے قدم تھے کہ بنے باعثِ رحمت
سمٹی ہوئی دنیا ہوئی پھیلی ہوئی دنیا

کیسی تھی نہیں آئے تھے جب تک شبِ والا
وہ آئے تو پھر دیکھیے کیسی ہوئی دنیا



رشید وارثی (کراچی)

مدحتِ سلطانِ زمن ﷺ المعروف (مدرس وارثی)

مدحِ شہِ لولاک کا اعزاز عطا ہو اللہ! سرِ عرش مری فکر رسا ہو
توصیفِ رسالت ﷺ میں وہی حرفِ ادا ہو جو دفترِ ایجاب میں پہلے سے لکھا ہو
ہر شعر میں تعظیمِ رسالت ﷺ کے گہر ہوں
لمحاتِ ثنائہ ﷺ کی حضوری میں بسر ہوں
یوں جلوۂ تاثیرِ تمنا نظر آئے موجِ ترے لطف کا دریا نظر آئے
سیراب ہر اک دیدۂ شیدا نظر آئے سرکارِ ﷺ دو عالم کا سراپا نظر آئے
واہب ہے تری ذات وہ معراجِ ہندوے
جو دامنِ الفاظ کو تاثیر سے بھر دے
اس طور سے مدحت ہو شہِ ارض و سما کی تصویر ہو جو سیرتِ محبوب ﷺ خدا کی
تعبیر ہو جو مژدۂ لولاک ﷺ لما کی تفسیر ہو جو آیۂ لا علم لنا کی
سرکارِ ﷺ کی توصیف کا مضمون ادق ہے
اے امیرِ کرم! نوکِ قلم، پیاس سے شق ہے
جوشِ آگیا رحمت کو مرے سوزِ دعا سے معمور مرا قلب ہوا شہِ ﷺ کی ولا سے
شافعِ جو ہوئے سرورِ ﷺ عالم کے نواسے اُمید لگی واہبِ مطلق کی عطا سے
دروازہ کھلا مدحتِ سلطانِ ﷺ زمن کا
اندازِ کرم ہے یہ خداوندِ سخن کا
کیا صلِ علیٰ عظمتِ ممدوحِ خدا ہے ہر آن درود اُن پہ خدا بھیج رہا ہے
منشا جو نبی ﷺ کا ہے وہی حق کی رضا ہے خود نامِ محمد ﷺ بھی تو خالق کی ثنا ہے
قرآن سے عیاں عظمتِ سلطانِ ﷺ رسل ہے
واللہ، وہی بعدِ خدا مولائی کُل ہے

ہیں دل پہ رقم شاہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کل تک جوشنیدہ تھا وہی اب ہے چشیدہ
ہے بارشِ رحمت سے گلِ نطقِ دمیدہ اور لب پہ ہے سرکار ﷺ دو عالم کا قصیدہ

وہ آیا تو، تو قیر گھٹی آبِ بھا کی

ہے خاکِ قدم گاہ میں تاثیرِ شفا کی

کونین کا وہ عقدہ کشا، سیدِ ابرار وہ پر تو اخلاقِ خدا، صاحبِ تلوار
ظالم کے لیے سر تا قدم برقِ شرر بار مظلوم و مساکین کا ہے مولس و غمِ خوار

جس خاک نے نعلینِ پیبر ﷺ کا چھوا ہے

تہذیب کا پودا اسی مٹی سے اگا ہے

وہ غربت و افلاس میں انساں کا بھرم ہے تپتے ہوئے صحراؤں پہ بارانِ کرم ہے
وہ بہرِ مباحاتِ عرب ہے نہ غم ہے وہ ہادیِ کل، فخرِ رسل، شاہِ ﷺ اُمم ہے

خلوقِ خدا کا ہے وہی حامی و یاور

اللہ کا احسان ہے وہ ساقیِ کوثر

ہے وسعتِ دارین میں وہ رحمتِ ﷺ عالم اللہ کی برہان ہے وہ نورِ مجسم
کل عالم امکان کے زخموں کا ہے مرہم ہے ذاتِ الہی کا وہی نائبِ اعظم

انبوہ رسل ﷺ کی ہے دعاؤں کا وہ حاصل

اُمت کی وہی کشتیِ اُمید کا ساحل

دیکھے تو کوئی جلوۂ خورشیدِ رسالت اُس مہر کے پرتو سے مٹی دہر کی ظلمت
زیبا اُسے اسمائے الہی کی ہے خلعت دارین پہ ہے بعدِ خدا جس کو حکومت

یہ آخری منزل ہے مرے حسنِ یقیں کی

سرکارِ ﷺ سے تزئینِ بڑی عرشِ بریں کی

اللہ کی یہ صبحِ ولادت تھی، نوازش چمڑکاؤ تھا زم زم کا، تو کوثر کی تھی بارش
نغموں پہ درودوں کے وہ سیار کی گردش تھی رحمتِ معبودِ سوا، مائلِ بخشش

تجسیم میں آمد جو ہوئی نورِ قدم کی

تعظیمِ بڑی اور بھی تقدیلِ حرم کی

سر نامہ ایجاد کا عنوان ہے محمد ﷺ بندہ ہے مگر سرورِ دوراں ہے محمد ﷺ
 انساں ہے مگر صاحبِ قرآن ہے محمد ﷺ مومن ہے مگر حاصلِ ایماں ہے محمد ﷺ
 طاعتِ شریعتِ خواہاں کی اطاعت ہے خدا کی
 وہ عرصہ جاوید میں رحمت ہے خدا کی
 اسریٰ کی حسیں رات بھی کیا نورِ فزا تھی افلاک پہ جب آمدِ محبوب ﷺ خدا تھی
 وہ خلوتِ قوسین تھی، یا بزمِ دلی تھی اللہ تھا اور ہستی لولاک لما تھی
 کس اوج پہ تھے سرورِ ﷺ ذی شاں شبِ معراج
 جبریل بھی تھے شش در و حیراں شبِ معراج
 اے ختمِ رسل! خواجہ کل، شافعِ محشر ہستی ہے تری لطف و عنایات کی خوگر
 رتبہ ہے ترا رحمتِ حق، مالکِ کوثر تابع ہیں ترے ارض و سموات کے لشکر
 ہے دم دم و کوثر تری تقدیس کا فیضان
 تو جلوۂ رحمن ہے، اے صاحبِ ﷺ قرآن
 تو قاسمِ نعمت ہے تو ہی قاسمِ جنت قدموں میں ترے ارض و سموات کی دولت
 حاصل جو مجھے تیری غلامی کی ہے نسبت ہر شے سے سوا دل ہے تیری ہی محبت
 نہ دل میں کوئی آرز ہے، نے لب پہ دعا ہے
 ورشہ مرے اجداد کا تیری ہی رضا ہے



قمر وارثی (کراچی)

صبح روشن تو شام آئینہ
 آئینہ ہے مدینہ تمام آئینہ
 چھو لیا جس نے پائے اقدس کو
 آئینہ ہو گیا وہ مقام آئینہ
 سیرت مصطفیٰ ﷺ سے ہوتا ہے
 آئینہ زندگی کا نظام آئینہ
 اللہ اللہ وہ گمراہ جسے کر دے
 آئینہ ذکر خیر الامام ﷺ آئینہ
 وقف ہو جائیں لب تو ہوتے ہیں
 آئینہ از درود و سلام آئینہ
 جس کو نسبت ہے خاک طیبہ سے
 آئینہ اس جبین کا ہے نام آئینہ
 راہ طیبہ نگاہ میں رکھے
 آئینہ ڈھالیے کام کام آئینہ
 کیا قمر ہے ثنائے آقا ﷺ بھی
 آئینہ حرف خوش بو کلام آئینہ



ظہیر غازی پوری (بھارت)

بساط بھر ترے لفظ و بیاں سمجھتا ہوں
مگر میں واقعی تجھ کو کہاں سمجھتا ہوں

نصیب جس کو ہوا لمس حیرے قدموں کا
اسے زمین نہیں میں آساں سمجھتا ہوں

خیال و فکر پہ میرے ہے سلطنت اس کی
جسے میں سرور کون و مکاں سمجھتا ہوں

ملی ہے راحت جاں مجھ کو تیری نسبت سے
میں دھوپ دھوپ تجھے سائباں سمجھتا ہوں

بقدر ظرف تجھے میں نے جانا پہچانا
کہ اپنی ذات کے سود و زیاں سمجھتا ہوں

تصورات میں تو منعکس ہوا جب سے
میں تجھ کو ذہن کا عکس رواں سمجھتا ہوں

جو لفظ لفظ ہیں وابستہ نعت و سیرت سے
انہیں میں فکر و نوا کا جہاں سمجھتا ہوں

ظہیر یاد سے اس کی جو کر دے بے پروا
ہر ایسے وقت کو میں رائیگاں سمجھتا ہوں



قیصر نجفی (کراچی)

عمر بخت کی کہانی لکھ رہا ہوں حدیثِ زندگانی لکھ رہا ہوں
 تصور میں جو تھا انساں خدا کے اس انساں کی کہانی لکھ رہا ہوں
 کسے معلوم میں لفظوں میں اپنے کتابِ آسمانی لکھ رہا ہوں
 یہ ہے گنتارِ شہرِ علم کا ذکر سمندر کی روانی لکھ رہا ہوں
 ہوئی تھی لامکانی کی طرف جو وہ اک نقلِ مکانی لکھ رہا ہوں
 تعجب کیا غلامی کو نبی بخت کی اگر میں حکمرانی لکھ رہا ہوں
 بشر نے نور کی معراج پا لی یہ قرآن کی زبانی لکھ رہا ہوں
 حوالے سے ترے اے سبکِ اسود میں عظمت کی کہانی لکھ رہا ہوں

بنا لو حرزِ جاں قیصرِ اسے تم
 میں نقشِ جاودانی لکھ رہا ہوں



ظہور الاسلام جاوید (ابوظہبی)

مدینہ دیکھ کر مجھ کو بڑی خوشی ہوگی
یہی خوشی میری معراج زندگی ہوگی

حبیبِ حق کے ذریعے سے حق سی ہوگی
بغیر عشقِ نبی ﷺ کیسے بندگی ہوگی

خوشادہِ فicus مبارک ہے اس کی مرگ و حیات
جسے محبتِ سرکار ﷺ مل گئی ہوگی

اسے سکون ملے گا فقط مدینے میں
جسے ضرورت امن و سلامتی ہوگی

کرو دلوں میں ذرا اہتمام ذکرِ رسول ﷺ
بجھے بجھے سے چراغوں میں روشنی ہوگی

تمام امتِ ماضی کو بخش دے گا خدا
جو بات آپ ﷺ نے فرمائی ہے وہی زندگی

نسیم کوئے شہِ دیں سے جس کا ہے نانا
وہیں وہیں پہ خرد ہوگی آگہی ہوگی

جو مسلک ہے غلامیِ شاہِ بطلانِ ﷺ سے
اسی کے حصے میں جاوید ہر خوشی ہوگی



محمد فیروز شاہ (میانوالی)

سامنے الہی محبت کے، مدینہ آیا
اور ہر آنکھ میں سادوں کا مہینہ آیا

روشنی ہے یہ نقطہ آپ ﷺ سے نسبت والی
ورنہ کب آنکھ کو ہے دیدِ قرینہ آیا

آپ ﷺ کے آنے سے یوں جگمگی دنیا ساری
جیسے انگٹھی میں آن مولِ گلینہ آیا

میں تھی دست جو مخلوق میں اشرف ٹھہرا
آپ ﷺ کے دم سے مرے ہاتھ خزینہ آیا

آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کا حرک لے کر
کامرانی کی طرف زینہ بہ زینہ آیا

دوڑ کر آئی مباہلت و خوش ہو لینے
میرے آقا ﷺ کو جو فیروزِ پسینہ آیا



عزیز احسن (اسلام آباد)

درکارے حضور ﷺ نہ دولت نہ عز و جاہ پڑ جائے مجھ پہ صرف عنایت کی اک نگاہ
 بے تابیوں کو سوئپ نہ دے وقت پھر مجھے درکار ہے حضور ﷺ مجھے آپ کی پناہ
 بے دین معاشرے کی فضاؤں میں لوٹ کر ہو جائے یہ غلام نہ آقا ﷺ کہیں جاہ
 بس جائے میری روح اسی شہر میں حضور ﷺ پیش نظر ہو گنبد اختر بہر نگاہ
 دل کا تو حال آپ پہ روشن ہے سب حضور ﷺ پھر بھی یہ اشک آج بنے ہیں مرے گواہ
 اعدا ہوئے ہیں در پہ آزاد یا نبی ﷺ اب اُن کے شر سے بچنے کی مل جائے مجھ کو راہ
 ویدار آپ کا ہو تو پا جائے کچھ سکوں ورنہ دل جاہ رکھے گا مجھے جاہ
 میں ہوں میان شر و فساد و ظلم حضور ﷺ رہ کر جہنم میں میرا مقدر ہیں اشک و آہ
 نوریں فضا جسے بھی ملی آپ ﷺ سے ملی مجھ پر بھی اب حضور ﷺ عنایت کی اک نگاہ

بیٹھا ہوا ہے آپ کے دربار میں عزیز
 اس کے لیے بھی حکم حضوری ہو اب تو شاہ



سعدیہ روشن (ابو ظہبی)

خوش بخت ہوں کہ مجھ کو حضوری کی عطا ہوئی
فرقت کے ہر عذاب سے دُوری عطا ہوئی

جاں تھی مری حصار میں اور خوں فشار میں
سب ناصبور یوں کو صبوری عطا ہوئی

شہرِ نبی ﷺ کی ٹھنڈی ہواؤں کے فیض سے
تسکینِ قلب و روح سروری عطا ہوئی

”خضر“ کے سائے میں کبھی ”جنت کے باغ“ میں
”صفہ“ پر اک نشست صبوری عطا ہوئی

میں خواب دیکھتی تھی حقیقت میں یہ ہوا
مجھ کو بھی ایک چادر نوری عطا ہوئی

اب سعدیہ کو ہوئی معراج یہ نصیب
آقا ﷺ کے در سے فوز شعوری عطا ہوئی



یعقوب تصور (ابوظہبی)

وحدانیت کی شان بھی، تائید لا الہ بھی کربوں سے ان کی مستند، تنویر مہر و ماہ بھی
 نور مجسم حسین، محبوب رب العالمین ان کے لیے ہی لفظ کن، خمین و واہ واہ بھی
 ان کی گلی کی رفعتیں اور یہ ادب کی عظمتیں چلتی ہے ایک شان سے، ہادسبک پگاہ بھی
 چڑیاں چہیے بلبلیں، نغمہ سرا ہیں دم بدم توصیف برزباں ہیں سب، برگ و گل و گیہا بھی
 ان ہی کی ممکنات کی ضو، انہی کے نور کا بھرم شان طلوع آفتاب، حسن کمال ماہ بھی
 تسبیح رب کے ساتھ ہی ذکر نبی ﷺ میں منہمک حلقہ بگوش اہل بیت، درویش خانقاہ بھی
 محکم یقین دے دیا، وحدانیت کے باب میں زائل دلوں سے کر دیے، تفکیک و اشتباہ بھی
 ان کے در عطا سے ہے عالم تمام فیض یاب جن و ملائکہ سبھی، بندے گدا و شاہ بھی
 مال و منال و سیم و زر، عز و وقار و فہم و درک انہی کے در کی ہے عطا حسن و جمال وہ جاہ بھی
 جرم و خطا کے باوجود، جو در سخا کی انتہا ہم عامیانہ دھر کی جانب کرم نگاہ بھی
 توبہ جو ان کے در پہ کی رو کر خلوص قلب سے مژدہ ملا بہشت کا، بخشے گئے گناہ بھی
 جالی سے لگ کے قلب تو، مینار نور بن گیا انہوں نے پاک کر دیا شیشہ گہ نگاہ بھی
 خاک در رسول پر، مجددوں کا ہے یہ معجزہ لہو میں جگمگا انہی، پیشانی سیاہ بھی

تسکین قلب و ذہن و روح پائی تصور آپ نے
 یعنی مثال غلہ ہے، مولا کی بارگاہ بھی



محمد علی صدیقی شیدا بستوی (بھارت)

نبی کا نور ہوا یوں جہاں میں جلوہ گر کہ اس کے روبرو ہر روشنی ہوئی کم تر
 تھا جبر و ظلم کے سائے میں نغم جان بشر حضور ایسے میں آئے حیات نو بن کر
 جو ان کے زیر تصرف رہے ہیں شمس و قمر ہے عقل دنگ تو حیرت میں ہے ہر ایک نظر
 وہ لوگ سمجھیں گے کیا رتبہ شہ کونین جو وار کرتے ہیں قدرت پہ ان کی رہ رہ کر
 زمیں سے تابہ فلک جو سفر میں گزرا تھا وہ ایک لمحہ تھا دراصل قرن سے بڑھ کر
 فلک کو گرچہ سعادت ہے میزبانی کی زمیں کو فخر کہ آقا کو ہے پسند یہ گھر
 خوشاکہ شاہ رسولاں جہان میں آئے وہ جن کا ذکر رہا ہر رسول کے لب پر
 بیان یوں کیا رب نے رسول کی عظمت انھیں خطاب دیا آخری ہیں پیغمبر
 نہ کیوں ہو نشہ توحید ہر طرف غالب پلانے والے ہیں یہ جام صاحب کوثر

وہی شفیع ہیں خیر البشر بھی وہ شیدا
 گناہ گاروں کا دارالامان ان کا در



مقصود احمد تبسم (متحدہ عرب امارات)

غار حرا

ہم الہی ولا جب بھی گئے غار حرا میں
لوٹے تیری خوش بو کے حرے غار حرا میں

انوار و تجلی کا یہ ہے آج بھی مرکز
اسرار یہ ہم پر بھی کھلے غار حرا میں

آتے تھے نظر سامنے مینار حرم بھی
اللہ کو سجدے بھی کیے غار حرا میں

اطلاق نبوت سے بھی پہلے تھے روابط
دونوں میں حجاب اُٹھتے رہے غار حرا میں

طالب ہی کو معلوم ہے کیا جانے کیا کیا
مطلوب سے انعام ملے غار حرا میں

خلوت کی عبادت نے عجب رنگ دکھایا
جلوت کے حسین پھول کھلے غار حرا میں

تنہائی کے اُن رازوں پہ ہے آج بھی پردہ
محبت و محبت ملتے رہے غار حرا میں

مظلوب تھی قلمت سے زمانے کی بھارت
روشن تھے بصیرت کے دیے غارِ حرا میں

قرآن کا آغازِ نزول اُن پہ ہوا جب
جبریل گلے لگ کے طے غارِ حرا میں

دیے تو بہاتا ہوں تری یاد میں آنسو
اُن مول تھے جو اشک گرے غارِ حرا میں

میں آپ کے قدموں کے نشاں ڈھونڈ رہا تھا
اُس فرش کے جب بوسے لیے غارِ حرا میں

حسان نے منبر پہ کھڑے ہو کے پڑھی نعت
مقصود نے اشعار پڑھے غارِ حرا میں



فراغِ روہوی (بھارت)

سر پہ ہے سایہ گلن گنبدِ خضرِ تیرا
کیوں کڑی دھوپ سے مرعوب ہو شیدا تیرا

چاندنی، پھول، شفق، ابر، دھنک، موجِ صبا
یہ جہاں کیا ہے، حقیقت میں ہے صدقہ تیرا

حسنِ یوسف بھی بہت خوب ہے تسلیم، مگر
قابلِ رشک ہے نبیوں میں سراپا تیرا

حیرے رعبے کی سند اس سے سوا کیا ہوگی
جا بہ جا درج ہے قرآن میں قصیدہ تیرا

ارض تو ارض ہے افلاک بھی تھے قدموں میں
یاد آتا ہے سرِ عرش پہنچنا تیرا

یاد رکھی ہے صحابہ کی گواہی ہم نے
گفتگو سب سے جدا تھی جدا لہجہ تیرا

حیرے اخلاق نے گرویدہ کیا ہے سب کو
”اک جہاں آج بھی بے دیکھے ہے شیدا تیرا“

نعت لکھ لکھ کے فراغِ اہلِ نظر میں بے شک
معتبر یوں ہے کہ ہے چاہنے والا تیرا



اقبال حیدر (کراچی)

نعتیہ ہائیکو

دھڑکن سینے میں
صرف حرم کا منظر ہے
دل آئینے میں

پاک مہینے میں
گنبدِ خضر روشن ہے
وقت گلینے میں

دھیان مدینے میں
دل میں میٹھا میٹھا درد
لطف ہے جینے میں

مرنے جینے میں
سب پورے ہو جاتے ہیں
خواب مدینے میں

سبز مہینے میں
گم ہے میری تشنہ روح
زم زم پینے میں

نور ہے سینے میں
دھڑکن دھڑکن کعبہ ہے
دل ہے مدینے میں

روح مدینے میں
ازل ابد کی آہٹ ہے
وقت کے زینے میں

خاک دھینے میں
میری مٹی مل جائے
کاش مدینے میں

ابد خزینے میں
اُن بچکے کی ذات میں ڈھلتا ہے
علم مدینے میں



طارق حسن عسکری (مدینہ منورہ)

میرے مولا کا فضل و کرم دیکھیے
میں بھی پہنچا ہوا ہوں حرم دیکھیے

مجھ گنہ گار کو بھی بلا ہی لیا
ہو گئے دور سب میرے غم دیکھیے

آگیا اپنے داتا کے گھر مانگنے
سانے ہے وہ باب کرم دیکھیے

میں ہوں نادم کھڑا سر جھکائے ہوئے
میرے آقاؐ مری چشم غم دیکھیے

ہیں دعاؤں میں مشغول طارق حسن
رو رہے ہیں کھڑے محترم دیکھیے



اطہر عباسی (جدہ)

یارب خیال اُن سے کا ہو، تحریرِ رفعتیں وہ سے بیکرِ جمال کے تصویرِ رفعتیں
 اک روشنی سی گہر میں ہو تغیرِ رفعتیں طیبہ کے راستے کروں تغیرِ رفعتیں
 لکھو تو نعت نعت میں تصویرِ رفعتیں سمجھو تو حرف حرف میں تاثیرِ رفعتیں
 ہر سو ہی دیکھتا ہوں مے نے کی رونقیں آنکھوں میں ہو گئیں ہیں وہ تحریرِ رفعتیں
 ہر ایک لفظ رشکِ قمر نعت کا بنا والشمس آئینہ ہوئیں تفسیرِ رفعتیں
 ذکرِ نبی سے روح کو بالیدگی ملی قلب و نظر کی ہو گئیں تقدیرِ رفعتیں
 افزائشِ خیال ہو، خوش بو مہک اٹھے کرلو درودِ پاک سے تغیرِ رفعتیں
 اک خواب ایسا جس میں زیارت ہو آپ کی اُس خواب اور خواب کی تعبیرِ رفعتیں

میرا وجود خاک ہو طیبہ کی خاک میں
 اطہر کچھ ایسے کر سکوں تغیرِ رفعتیں



مختار علی (جدہ)

مدح سرکار ﷺ

اک جی طرز کا معیارِ سخن جاگتا ہے
مدح سرکار ﷺ سے سویا ہوا من جاگتا ہے

نام لیتا ہوں تو ماحول ہلک اٹھتا ہے
میری آواز میں وہ مشکِ سخن جاگتا ہے

چشمِ حیرت پہ کھلے جب تری سیرت کا ظلم
دل کے صفات پہ قرآن کا سخن جاگتا ہے

جو بھی ہو جاتا ہے ناموسِ رسالت ﷺ پہ شہید
پھول بن کر وہ سرِ باغِ عدن جاگتا ہے

کیسے بے نور ہو اندوہِ زمانہ سے دماغ
دل کے صحرا میں کسی یاد کا بن جاگتا ہے

جب بھی کرتا ہوں رقمِ نعتِ رسالت ﷺ مختار
میرے اشعار میں بے ساختہ پن جاگتا ہے



ظفر مہدی (جدہ)

حرفِ سوال چھوڑیے، سوئے کمال دیکھیے
جن پہ خدا کو ناز ہے اُن کی جگہ کا جمال دیکھیے

میرا ہنر تو آپ کی جگہ کے در کے گدا کی دین ہے
اس پہ نہ آئے گا کبھی کوئی زوال دیکھیے

خاکِ شفا ہے آپ کی جگہ کے قدموں کی خاک بھی مجھے
میرے نصیب کو ملا اورج کمال دیکھیے

گنبدِ سبز دیکھ کر کائناتیں دُور ہو گئیں
گویا کہ دشتِ درد میں شاخِ نہال دیکھیے

صدے بڑے شدید تھے پھر بھی مجھے یقین تھا
اُن کا ہوں معتقد ظفر مجھ کو بحال دیکھیے



خمار قریشی (بھارت)

آفتاب رسالت

شرف سے اپنے زمانے کو تاب دار کیا
وہ آفتاب رسالت کہ جس کی ضو ہے مدام

ہے اس کے دین کا غشا خدا کی حمد و ثنا
ہے اس کے دین کا مقصد رضائے قرب الہ

ہے اس کے دین کا مطلب عروج سوز بشر
ہے اس کے دین کے معنی مدد غریبوں کی

ہے اس کے دین کے دامن میں صبح و شام قیام
ہے اس کے دین میں صبح گداز، گر یہ شب

وہ ماہتاب مدینہ وہ آفتاب عرب
وہ کائنات کا اڈل دو عالموں کا سبب

کہ فرش و عرش پہ قائم ہوا ہے جس کا حسب
وہ جس کا نام ہے احمد، قریشی جس کا لقب

شرف سے اپنے زمانے کو تاب دار کیا
وہ آفتاب رسالت کہ جس کی ضو ہے مدام



فیض رسول فیضان (گو جرانوالہ)

زندگی کی جان کی بنیاد نور آنحضور ﷺ
زندگی کے حسن کا مخزن ظہور آنحضور ﷺ

جب تلک ہر امتی کی ہو نہ جائے مغفرت
مطمئن کیسے ہو قلب نامبور آنحضور ﷺ

کہنے کو اُہی مگر دانائیاں محو طواف
دانش و حکمت کا گنجینہ شعور آنحضور ﷺ

سیّد کونین ہیں وہ خواجہ دارین ہیں
ہر بلندی سرخیدہ ہے حضور آنحضور ﷺ

لہلہا اُٹھتے ہیں لب اور جگہ اُٹھتے ہیں دل
کرتے سنتے وقت ذکر پُرسور آنحضور ﷺ

شاعری ویسے ہی اُن کی شان کے شایاں نہ تھی
ورنہ کیا مشکل تھا اس فن پر عبور آنحضور ﷺ

میری معصیت کا قد فیضان کم ہونے کا
دیکھ کر بے کس نوازی میں دفور آنحضور ﷺ



حافظ نور احمد قادری نور (اسلام آباد)

تقاضائے محبت ہے، انھی سے کی آرزو کرنا
انھی سے کی گفتگو کرنا، انھی سے کی جستجو کرنا

شہ لولاک سے کی مدحت سرائی اک عبادت ہے
مگر اس کے لیے لازم ہے انھوں سے وضو کرنا

خدا نے خود کہا ہے آپ سے کے بارے میں بندوں سے
ادب کے ساتھ کرنا، جب بھی اُن سے گفتگو کرنا

مسافر راہ طیبہ کے، تجھے منزل مبارک ہو
یہاں کچھ حال دل میرا بھی اُن سے کے روبرو کرنا

گریباں چاک لے کر پھر رہا ہوں میں زمانے میں
کرم سے آپ سے کے ممکن ہے اب اس کو رفو کرنا

مقام سید والا سے کسی کو کیا سمجھ آئے
کہ اُن سے کا ہے شرف، عرشِ علی پہ گفتگو کرنا

یہاں تو نور، اک اک گام پر محتاط رہنا ہے
کہ صنفِ نعت میں جائز نہیں ہرگز غلو کرنا



اردو نعت کے جدید رجحانات

(تعارف و تبصرہ)

پچھلے پچیس، تیس سال نعت گوئی کی بہار کے سال رہے ہیں۔ اس زمانے میں کثرت سے نعتیہ کلام سننے میں آیا ہے بے شمار نعتیہ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ نعتیہ کلام کو تنقید کی کسوٹی پر رکھنے کا رواج بھی عام ہوا۔ ان کے علاوہ اہل علم حضرات نے نعتیہ ادب کی تفہیم اور تحسین کے معیار اور اصول متعین کرنے اور اپنی تحریروں میں ان کو برتنے کی سعی کی جس کے خوش گوار اثرات اس صورت میں ظاہر ہوئے کہ نعت کو ادب و شاعری کا جزو لازم تسلیم کر لیا گیا اور لکھنے والوں کے ذہن اور قلم پر احتیاط کے پیرے بیٹھ گئے۔ ہم نے بھی اپنی تحریروں کے ذریعے تنقید اور تقریظ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ قارئین کے ذہن سے ہمارا وہ طویل مضمون محو نہ ہوا ہوگا جو ”نعت رنگ“ نمبر ۱ میں ”اردو نعت کا تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب کا تعارف و تجزیہ“ کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ ”اردو میں میلاد النبی ﷺ“ (تحقیق، تنقید تاریخ، ”نعت رنگ“ نمبر ۸) اور ”اردو حمد و نعت پر فارسی شاعری کے اثرات“ (”نعت رنگ“ نمبر ۱۵) اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔

ہماری پُر خلوص مساعی کا مقصد نعت کے حوالے سے تحریروں کا منصفانہ اور غیر جانب دارانہ جائزہ لینا ہے۔ تاحال جن ڈاکٹریٹ کے مقالوں اور دیگر کتابوں پر ہم نے جو اظہار خیال کیا ہے ان میں سے کسی بھی فاضل لکھنے والے سے ہمارا شخصی تعارف تک نہیں ہے۔ اس لیے ہماری تحریریں جانب داری یا مخالفانہ رویہ سے بری ہیں۔

ہم نعت کے بارے میں وجود میں آنے والی تحریروں کے تعارف و تجزیہ کے سلسلے کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ بیشتر مطبوعات کے جائزے کے بعد اب غیر مطبوعہ تحریروں کی تلاش ہے۔ ہمارے خیال میں یہ زیادہ ضروری ہے۔ مطبوعہ کتاب کو لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ بھی جاتی ہے

لیکن غیر مطبوعہ کی رسائی کم لوگوں تک ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی جانب خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ ایم۔ فل، اور پی ایچ۔ ڈی کے بے شمار مقالے ایسے ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے شائع نہ ہوئے انھیں گوشہ گم نامی میں سے نکالنے اور اعلیٰ علم سے متعارف کروانے کا فرض باقی ہے۔ اس سلسلے میں جامعات کے اساتذہ کرام سے درخواست ہے کہ انھیں اپنے اپنے شعبہ ہائے تدریس میں طلبہ اور طالبات سے نعت پر کسی قسم کا کام کردار کو محفوظ کر لیا ہے اسے تعارف اور تجزیے کے ذریعے پیش کریں۔ یہاں اس عمومی غلط فہمی کا ذکر بھی ضروری ہے کہ لوگوں کے خیال میں جو مقالے شائع نہیں ہوئے وہ سخی و سفارش کی بنا پر ڈگری کے مستحق تو قرار پاتے ہیں لیکن حقیقت میں معیار پر پورے نہیں اترتے اس لیے مقالہ نگار اور ان کے نگران ان کی اشاعت سے پرہیز کرتے ہیں۔ ممکن ہے بعض صورتوں میں یہ خیال درست ہو لیکن اس کا عمومیت سے اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔

پاکستان میں جامعہ سندھ (جامشورو) کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے شعبہ اردو میں ایم اے، ایم فل، اور پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر مقالے لکھوائے جاتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ اکثر طلبہ اور طالبات مقالہ لکھنے سے قبل اور لکھ کر ڈگری لینے کے بعد پھر لکھنے پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ پہلے سے تحریر کی مشق نہ ہونے کی وجہ سے ان کے مقالوں میں ناچنگی کی واضح چھاپ ہوتی ہے۔ ہمارے علم میں یہ بات نہیں کہ مقالہ لکھنے کی اجازت دینے سے قبل ان کی تحریری صلاحیتوں کو جانچا بھی جاتا ہے یا نہیں۔

ہمارے پیش نظر پی ایچ۔ ڈی کا غیر مطبوعہ مقالہ ہے جس کا موضوع ہے ”اردو نعت کے جدید رجحانات“ مقالہ نگار ہیں آنرہ شوکت چغتائی اور ان کے نگران شہ محبت مکرم ڈاکٹر نجم الاسلام مرحوم، مقالہ ۱۹۹۹ء میں مکمل ہوا اور جامعہ سندھ (جامشورو) میں پیش ہو کر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے موزوں سمجھا گیا۔

مقالہ کا موضوع بالکل نیا ہے۔ سابق میں شائع شدہ کتابوں میں اس پر معلومات برائے نام ہیں۔ مقالہ نگار کو جدید نعتیہ کلام میں خود ہی ”جدید رجحانات“ تلاش کرنے اور ان کا تجزیہ کرنا پڑا۔ اس معاملہ میں مقالہ نگار مایوس نہیں کیا۔ انھوں نے بے شمار حوالوں سے اپنی تحریر کو جان دار بنایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان میں مطالعہ اور اخذ معلومات کا ہنر موجود ہے۔ انھوں نے بیسویں صدی کے ان شعرا کا بالالتزام مطالعہ کیا ہے جو ”درجہ استاد“ پر فائز ہو کر مقبولیت عوام

سے زیادہ قبولیت عام کی سند حاصل کر چکے ہیں اور ان کے کلام سے کما حقہ استفادہ کیا ہے۔
مقالہ ۱۳ حصوں پر مشتمل ہے اور بحالت موجودہ قلم اسکیپ سائز کے ٹائپ شدہ ۴۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتدا میں ”جدید نعت میں موضوعات کا تنوع“ اور ”سیاسی و تمدنی زندگی سے ہم آہنگ نعتیں“ دو جداگانہ حصے ہیں اگرچہ موضوع کی یکسانیت اور ہم آہنگی کے لحاظ سے ان کو ایک حصہ ہی قرار دیا جاسکتا تھا۔

مقالہ نگار نے نعت میں جدید رجحانات کی تلاش مولانا الطاف حسین حالی سے شروع کی ہے جن کو وہ باضابطہ نعت گو نہیں مانتے لیکن ان کے کلام کے ایک بڑے حصے پر ذات رسول ﷺ کی عظمت اور ان کے اسوۂ حسنہ کا پر تو اس طرح چھایا ہوا ہے کہ اس کلام کو نعت سے الگ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ مسدس کے حوالہ سے لکھتی ہیں کہ:

مسدس کا نعتیہ بیان خلوص، محبت، درد، تڑپ اور جذب و شوق میں تو ڈوبا ہوا ہے ہی لیکن اس میں مختلف موضوعات بھی نظر آتے ہیں مثلاً مسلمانوں کی اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی زبوں حالی کے موضوعات کو اٹھایا گیا اور ان کا علاج تعلیمات محمدی کو عملی طور پر اختیار کرنے میں تلاش کیا گیا ہے۔ (ص ۱۲)

سر سید نعت گو شاعر تو نہ تھے ان کی ”طلی تحریک اور براعظم میں مسلمانوں کی بعض دوسری تحریکوں نے بھی اردو شعرا کو متاثر کیا۔ اس کے تحت جہاں دوسرے مذہبی موضوعات پر طبع آزمائی ہوئی خصوصاً نعت گوئی کی جانب بھی بڑے شعرا متوجہ ہوئے ہیں وہ رجحان تھا جس کی بنا پر روایتی انداز کی نعت گوئی سے بالکل ہٹ کر نعتیں کہی جانے لگیں۔ (ص ۱۳)

ان تمہیدی بیانات سے گزر کر مقالہ نگار نے عہد جدید کے شاعروں میں اقبال کا نام سب سے بڑا اور اہم قرار دیا ہے، ”وہ بھی مولانا حالی کی طرح رسمی معنوں میں نعت گو شاعر نہ تھے۔ (ص ۱۳) اقبال کے نعتیہ رجحان کے بارے میں مقالہ نگار کے مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ ”اسلامی فکر و فلسفہ کا مکمل خلاصہ ان کی نعتیہ شاعری میں پورے طور پر نمایاں ہے۔ اقبال کی شاعری کا خاص کمال یہ ہے کہ اس میں نعت کے موضوع میں حضور اقدس ﷺ کی زندگی اور پیغام

کو فلسفہ کی اساس کے طور پر استعمال کیا ہے۔“ (ص ۱۳) انھیں اقبال کی تعلیمات کا مرکز رسول اکرم ﷺ کی ذات میں نظر آتا ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان حضور ﷺ کے کردار کا نمونہ بن جائے۔

مولانا ظفر علی خان کا نام بھی نعت گو شاعروں میں ممتاز ہے۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے ان کے مذہبی جوش طبع کا اظہار ایک طرف خوب صورتی اور دل کشی لیے ہوئے ہے اور اسی جوش و جذبے کے تحت نعتیہ کلام کا حسن اور اثر دوہلا ہو گیا ہے۔

اسی طرح مقالہ نگار نے ماہر القادری، حفیظ جالندھری، محشر رسول پوری، عبدالعزیز خالد، احسان دانش، مظفر وارثی، حفیظ تائب، راجارشد محمود، خالد بڑی، راز کاشمیری، علیم ناصری، رابع عرفانی اور دیگر شعرا کے کلام کے نمونے پیش کر کے اس میں جدید رنگ کی نشان دہی کی ہے۔ ان تمام شعرا کے نام گنوا کر گزر جانے کے رویہ سے اجتناب کرتے ہوئے ان کی مطبوعات سے استفادہ کیا ہے اور اس کی شواہد پیش کی ہیں۔ مقالہ نگار نے نعتیہ مجموعوں کے علاوہ رسائل کی بھی سیر کی ہے۔ ہمارے زیادہ تر محققین کتابوں سے مواد نقل کرتے اور ”معلوم“ میں اضافہ کیے بغیر اسے تحقیق شمار کرتے ہیں۔ مقالہ نگار کی دیدہ ریزی کا انداز اس سے کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے پچاس سے زائد مجموعہ ہائے نعت کی خواندگی اور اخذ مطالب کی جہد کے ساتھ رسالوں سے بھی مواد حاصل کیا ہے جن میں ماہنامہ ”محفل“، ماہنامہ ”شام و سحر“ (۶ جلدیں) شامل ہیں۔ ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ دور جدید کے تمام شاعروں کے ذہن آئے دن کے سماجی، معاشرتی اور سیاسی واقعات سے متاثر ہوتے رہتے ہیں وہ اپنے تاثرات کو شاعری میں پیش کرتے ہیں۔ نعت کی صنف اس سے خالی نہیں۔ معاشرے کی بدائیاں، قوم کے نوجوانوں کی بے راہ روی، بے معنی مغرب پرستی، آشوب زمانہ، انسانی قتل و غارتگری، ہمسایہ ممالک سے جنگ اور ان پر رد عمل فرض کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جو ذات رسول ﷺ کو حوالہ بنا کر بیان نہ کیا گیا ہو۔ یہ ایک طرح پست و بلند کا موازنہ بن جاتا ہے۔

مقالہ نگار نے تیسرے باب میں ”نعت میں ہیئت کے تجزیوں“ سے بحث کی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اہل علم موضوع شاعری اور ہیئت کو ایسی جداگانہ چیزیں سمجھتے ہیں جن کو شاعر زبردستی قریب لاکر بیان کی زنجیروں میں کس دیتا ہے اور عملاً بھی صوت حال اس سے مختلف نہیں۔ فطری شاعر ان مہمبھوں میں نہیں پڑتا۔ اس کا کلام ترسیل اور اس کے ذریعے

ابلاغ! ذہن کی جو دو معنوں کو متعین کرتی ہے اس سے خود بخود ہیئت متعین ہو جاتی ہے۔ اردو کے جدید لکھنے والے غیر زبانوں کی شاعری کی ہیئت کو جذب نہیں کر سکے ہیں۔ ہیئت پر مشق ان کے تجربے کے ابتدائی درجہ پر ہے۔ جو مضمون سے میل کھائے بغیر ایک اضافی حصہ معلوم ہوتا ہے۔ فکر، لفظ اور ہیئت میں جو باہمی پیوست کاری ہونی چاہیے نہیں ملتی۔ اس سلسلہ کی دوسری بات ہیئت ماحول و روایت کی مطابقت ہوتی ہے جو ہمیشہ فطری ایچ سے مو پائی ہوئی ہیں وہ اس معاشرہ میں قبول کی جاتی ہیں۔ گویا آب و ہوا انہیں راس آتی ہے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ تجربہ کی خاطر اپنی ہر اچھی سے اچھی چیز کو ترک کرنے اور دوسروں کی خراب سے خراب تمام چیزیں جو یہاں کے ماحول اور مزاج سے مطابقت نہیں رکھتیں لے لینے کو جدت طرازی اور ہمیشگی تجزیے کہا جاتا ہے۔ ہیئت صرف ارکان کا مجموعہ نہیں، اس کا بھی مزاج ہوتا ہے۔ اس لیے پاکستانی شاعر جب جاپانی شاعری کی ہیئت کو اپنانا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مداخلت بے جا کا مرکب ہو رہا ہے اس لیے لائق مواخذہ ہے۔ مقالہ نگار نے اس بحث سے اجتناب کیا ہے اور مروجہ میٹکوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ انہوں نے جن ہیئتوں کا ذکر کیا ہے ان میں نظم، معرئی نظم، آزاد نظم میں نعت گوئی شامل ہیں۔ محنت کے باوجود مقالہ نگار تمام مروجہ میٹکوں کا احاطہ نہ کر سکیں اور یہ بھی واضح نہ کر سکیں کہ ہیئت ابلاغ اور تفہیم میں کس حد تک معاونت کرتی ہے۔ کیا ہیئت کے نت نئے تجربے روایتی میٹکوں سے زیادہ بہتر تاثر مرتب کرنے میں کامیاب ہیں؟

مقالہ کا چوتھا باب ”نعت اور تاریخ اسلام“ ہے۔ دکھانا یہ مقصود ہے کہ نعت گو شعرا تاریخ اسلام سے کما حقہ واقف بھی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو انہوں نے تاریخ کے حوالوں سے کلام کو پد اثر اور نتیجہ خیز بنایا ہے یا نہیں۔ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے مقالہ نگار نے احسان دانش کی نظم ”دارین“ اور عبدالعزیز خالد کی نظم ”قارقلیط“ کا ذکر کیا ہے۔ ”قارقلیط“ کے بارے میں مقالہ نگار کی رائے ہے:

یہ نظم حضور اقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ کی بھی عکاسی کرتی ہے اور اسلامی تاریخ کے ان پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتی ہے جس سے مسلمانوں کی تہذیبی و سیاسی اقدار کا تعلق ہے۔“ (ص ۷۵)

یہی حال عبدالعزیز خالد کی دیگر نظموں کا ہے۔

مقالہ نگار نے طویل نعتیہ نظموں کو نظم سے جدا کا نہ صنف قرار دے کر اس سے بحث کی

ہے۔ اچھا ہوتا ان کے لیے ”طویل نظم“ کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے قدیم اصطلاح کا احیا ہی کر دیا جاتا اور انھیں ”مثنوی“ کہا جاتا۔ مقالہ نگار نے قرہاٹی کی ”مرسل آخر“، مظفر وارثی کی ”باب حرم“، بے چین رجپوری کی ”نیر حرم“ کے علاوہ محشر بدایونی، صہبا اختر، جعفر طاہر، رحمن کیانی، ربیکس امروہوی، آثم مرزا کی نظموں میں جدید رجحانات تلاش کیے ہیں جو عصری شعور سے ہم آہنگ ہیں۔

پانچویں باب میں ایسی نعتوں کا ذکر ہے جو درود، مناجات اور سلام کی صورت میں ہیں۔ ان میں خصوصیت سے سلام ہمیشہ مقبول رہے ہیں۔ اکبر میرٹھی کا سلام:

یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک

کو شہرت دوام حاصل ہے۔ مگر گھر پڑھا جاتا ہے۔ مردوں میں بھی نہیں عورتوں میں بھی مقبول ہے۔

حفیظ جالندھری کا سلام ”سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی“ کو بھی مقبولیت حاصل رہی۔

عبدالعزیز خالد نے حمد کے انداز میں نعت کے رنگ کو اختیار کیا ہے اور ان کی اس نوعیت کی نعتیہ نظمیں زبان و بیان کی لطافت الفاظ کا اعلیٰ معیار تلمیحات اور تشبیہات کی ندرت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ (ص ۹۰)

مظفر وارثی کی نعتیہ شاعری بھی مختلف انداز اور فنی رخ رکھتی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر انھوں نے سلام کی شکل میں حمد یہ روش کو اپنایا ہے۔ (ص ۹۱) اسی قبیل میں انور فیروز کی نعت بھی نظر آتی ہے۔ جس میں درود شریف کے انداز میں نعتیہ روش کو اپنانے کی پیش رفت کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ہاں سلام کی صورت میں بھی نعت نظر آتی ہے۔ (۹۱)

غرض اس باب میں ایسی نعتوں کا جائزہ لیا گیا ہے جو تینوں اوصاف یعنی درود، مناجات اور سلام کی عکاس ہیں۔ یہ باب مختصر ہونے کے باوجود فکر انگیز ہے۔

ان چند ابواب کی تفصیل سے وہ نہج متعین ہو جاتی ہے جو مقالہ نگار نے اختیار کی ہے اور دیگر ابواب کے عنوانات درج کیے جاتے ہیں تاکہ مقالہ نگار کی وسعت معلومات اور نعت کے رجحانات کے بارے میں ان کی فکر و تحریر کا اندازہ کیا جاسکے۔

چھٹا باب ایسی نعت جس کا اصل محور حضور اقدس کی ذات پاک ہے، ساتواں باب فلسفیانہ انداز کی نعتیں، آٹھواں باب خطابِ انداز کی نعتیں، نواں باب نعت اور تغزل، دسواں باب قرآن اور حدیث کی روشنی میں سیرت نبوی ﷺ کے بیان کے تحت نعتیں، گیارہواں باب نئی نسل کے شاعروں کی نعت گوئی، بارہواں باب دورِ حاضر کے ممتاز نعت گو اور ان کے نعتیہ مجموعے، تیرہواں باب دورِ حاضر کے نعتیہ انتخابات۔

مقالہ نگار نے موضوع کو اتنا پھیلا دیا ہے کہ اسے سمیٹنا ان کے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ پھر بھی جن موضوعات پر خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں ان کی اپنی فکر شامل ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ عام مقالوں کی نچ سے ہٹ کر انھوں نے کام کیا ہے۔ ان پونے پانچ سو صفحات میں جہاں کہیں رائے ہے وہ مقالہ نگار کی اپنی ہے ہمہ شہ کے اقوال بے معنی کو اقتباس کر کے قاری کو مرعوب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

اور آخر میں جامعات کے شعبہ ہائے تحقیق کے مقتدر حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرتا چلوں کہ مقالہ تحریر کرنے کی اجازت دینے سے قبل یہ دیکھ لینا کافی نہیں کہ سابقہ انتخابات کا ریکارڈ کیا ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ مقالہ نگار کو ”لکھنے“ کا کتنا تجربہ ہے۔ انھوں نے کتنے مضامین لکھے؟ کیا ان کے مضامین ”معیاری رسائل“ میں شائع ہوئے؟ کیا ان کی تحریر میں وہ جاذبیت ہے جو تحقیقی اور تنقیدی مقالوں کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے؟ ہماری نظر سے متعدد مقالے جو ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے لکھے گئے تحریری اعتبار سے ”ناپختہ“ نظر آئے۔ زبردست مقالہ نگار کے بارے میں یہ لکھتے ہوئے حیرت اور افسوس کا اظہار لازم ہے کہ آنسو شکت چھٹائی کی دیگر تحریروں کے پڑھنے سے ہم محروم رہے۔ اس مقالہ سے انھوں نے ڈگری تو حاصل کر لی مگر اپنی صلاحیتوں کو بہتر سے بہتر بنانے کی تحریری مشق سے گریز کیا اور اپنی تحریر کی جادوگری سے قاری کو محروم رکھا۔ بہر حال مقالہ کی تحریر کو ہم ”ناپختہ“ نہیں کہہ سکتے تو اس میں قلم کاری کی جادوگری میں بھی نہیں ملتی۔



جدید اردو نعت گوئی اور ”کاروانِ حرم“ کا حوالہ جاتی نظام

اردو نعت کے دورِ جدید کا آغاز مولانا حالی سے ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد پھلتے ہوئے سائنسی و عمرانی علوم اور بدلتے ہوئے سیاسی و معاشرتی حالات کے تحت حضور اکرم ﷺ کے بارے میں اکتھار و بیان کے پیرائے اور اسلوب میں بھی نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ اب نعت میں حضور اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ شان کے ساتھ ساتھ ایک انسانِ کامل کے طور پر آپ ﷺ کی بشری خصوصیات اور معاشرت و تمدن میں آپ ﷺ کے انقلاب آفریں اقدامات وغیرہ کے تذکار کو فروغ ملا۔ مولانا حالی کی مسدس میں اس اسلوبِ نعت کے اولین نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ حالی کے بعد تخلیقی اوج رکھنے والے معیاری نعت گو شعرا کے ذریعے اس اسلوبِ نعت کو فروغ ملا۔

جدید اسلوبِ نعت میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت و سوانح کو مستند حوالوں اور صحت مند روایات کی روشنی میں قلم بند کیا گیا، نیز پیامِ رسالت، مقصدِ رسالت اور تمدن و معاشرت پر آپ کے احسانات اور بنی نوعِ انسان کے لیے آپ کی تعلیمات پر مبنی ضابطہٴ حیات کے تعارف و تذکار کی طرف توجہ دی گئی۔ جدید نعت گو شعرا کے ہاں محبتِ رسول ﷺ کی سرستی اور آپ ﷺ کی مدح و توصیف کے ساتھ آپ ﷺ کی رسالت و بشریت کا زیادہ گہرے شعور سے مطالعہ نظر آتا ہے۔

اس اسلوبِ بیان میں زبان و بیان کی شائستگی اور فنِ نعت کی پوری نزاکتیں ملتی ہیں۔ موضوعات میں اضافہ کے ساتھ جدید دور میں نعت نئی اصنافِ شعر (آزاد نظم، معرئی نظم وغیرہ) سے بھی روشناس ہوئی (اور بعض قدیم اصنافِ سخن خصوصاً مستط کی مختلف شکلوں کو بھی نعت گوئی

کے لیے استعمال کیا گیا۔ یوں نعت کے مہمّتی دائرے کو بھی وسعت ملی۔ طویل نظموں اور کیٹو (Canto) کو بھی نعت کے موضوع کے بیان و اظہار کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ مختصر یہ کہ نعت کے جدید دور میں حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کو عصری حوالوں سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ نعت میں فنی اور مہمّتی وسعت پیدا ہوئی۔

نوعی اعتبار سے ع س مسلم کی ”کاروانِ حرم“ اس جدید اسلوب نعت سے تعلق رکھتی ہے۔ فکری اعتبار سے کاروانِ حرم کے مندرجات حقیقی تاریخی شہادتوں اور مستند حوالہ جات کا درجہ رکھتے ہیں۔ سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا صحت مند روایات کی روشنی میں بیان جدید دور نعت ہی کی عطا ہے جو نعت کو قدیم میلادناموں کے اسلوب سے جدا کرتا ہے۔ عصر حاضر میں لکھی جانے والی طویل نعتیہ کتابوں میں ”کاروانِ حرم“ واحد کتاب ہے جس میں اسناد روایات اور حوالہ جات کا مبسوط انداز میں خیال رکھا گیا ہے۔

جدید دور نعت میں لکھی جانے والی کتابی نعتوں میں ”غزِ کونین“ (مختصر رسول مگری)، ”دارین“ (احسان دانش)، ”رحلِ نظر“ (مہدی نقوی)، ”سلسلۃ الجرس“ (میتق حقی)، ”فارقلیط“ اور ”منعمت“ (عبدالعزیز خالد) اور اس انداز کی لکھی گئی طویل نعتوں یا ایک کتابی نعتوں میں اسناد اور حوالہ جات کا وہ اہتمام نہیں جسے ”کاروانِ حرم“ میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ عبدالعزیز خالد کے ہاں حواشی کی موجودگی متوسط ذہن کے قاری کے لیے زیادہ کارآمد نہیں۔ وہ اپنی نعت کے ذیل میں بعض اہم اشارات و مندرجات کا حوالہ تو دیتے ہیں مگر اردو میں اُس کا ترجمہ نہیں کرتے۔ یوں بیرونی زبانوں کی عبارتیں اردو داں طبقے کو اصل ماخذات تک پہنچنے میں معاون نہیں ہوتیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعد کے ایڈیشنوں میں حوالہ جات کا اہتمام برقرار نہیں رکھا گیا۔ عبدالعزیز خالد کے علاوہ دوسری ایک کتابی نعتوں میں اول تو حوالہ جات کو ملحوظ ہی نہیں رکھا گیا اور اگر کسی شاعر نے اپنے مندرجات کے ضمن میں حوالہ جات کی نشان دہی کی بھی ہے تو اس میں اختصار سے کام لیا ہے۔ حفیظ جالندھری کے ”شاہنامہ اسلام“ کی طرح کہیں کہیں حاشیے میں قرآن کریم کی کسی آیت مہارکہ یا احادیث و کتبِ سیر کا کوئی اہم حوالہ نقل کر دیا ہے، پوری کتاب یا نعتیہ نظم کے حوالہ جات کا تفصیلی گوشوارہ مرتب نہیں کیا اور نہ ہی اردو میں ایسے حوالوں کا ترجمہ کیا ہے۔

”کاروانِ حرم“ کو یہ فوقیت اور تخصص حاصل ہے کہ اس میں اظہار پذیر مضامین و موضوعات کے حوالہ جات کو باقاعدہ ساختک انداز میں ایڈٹ کیا ہے۔ شاعر نے ایک ایک بند یا

مصرع کی نہیں بلکہ اکثر جگہوں پر ایک ایک لفظ کے ماخذ کی نشان دہی کی ہے۔ پھر صرف نشان دہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا حوالہ تلاش کیا ہے اور اسے نقل کرتے ہوئے اس کا ترجمہ بھی درج کیا ہے۔ شاعر کے مرتبہ گوشوارے کے مطابق ”کاروانِ حرم“ کے دس سو پانچ (۱۰۰۵) اشعار میں تقریباً سولہ سو (۱۶۰۰) بار حوالے استعمال ہوئے ہیں۔ جملہ حوالے مع ذیل شمار چھ سو اڑسٹھ (۶۶۸) کے قریب ہیں۔ جن میں قرآن حکیم سے پانچ سو (۵۰۰)، احادیث سے چھیالیس (۳۶)، تاریخ و سنہ سے پچاس (۳۲) اور دیگر کتب سے اسی (۸۰) حوالے دیے گئے ہیں۔[☆] شاعر نے نعت کے مندرجات کو اور حوالہ جات کی وضاحت کو الگ الگ حصوں میں رکھا ہے۔ اس تقسیم کا خوش گوار پہلو یہ ہے کہ اصل نعتیہ نظم حوالوں اور حواشی سے بوجھل نہیں ہوتی۔ قاری نظم کو اس کے فطری تخلیقی بہاؤ میں پڑھتا چلا جاتا ہے اور اُسے بار بار حواشی میں اسناد و حوالہ جات ڈھونڈنے کی دقت پیش نہیں آتی۔ مصنف نے تمام حوالہ جات اور اُن کے تراجم کو کتاب کے دوسرے اور آخری حصے میں جمع کر دیا ہے۔ اگر قاری کسی مزید وضاحت کے لیے اُن سے استفادہ کرنا چاہے تو اس حصے سے رجوع کر سکتا ہے۔ ماخذات کے لیے متعلقہ الفاظ اور مصرع و اشعار میں حوالہ شماری کا سلسلہ موجود ہے، جو کتاب کے دوسرے حصے تک رسائی میں قاری کی رہنمائی کرتا ہے۔

”کاروانِ حرم“ میں حوالہ جات کے منضبط نظام کے موجودگی کے ساتھ (جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے) استخراج کا اہتمام اس کتاب کی دوسری بڑی خوبی ہے۔ اس کی وضاحت ایک مثال سے کی جاتی ہے۔

”کاروانِ حرم“ میں ایک دعائیہ مقام پر مسلم کہتے ہیں:

الہی تو اُس دن مجھے بخش دے

بظاہر یہ ایک سیدھا سا دعائیہ اظہار ہے اور اس کے لیے کسی حوالہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مگر مسلم اس اظہار کو بھی مستند اور معتبر بنانے کے لیے قرآن کریم سے اس دعا کا ماخذ تلاش کرتے ہیں اور سورۃ ابراہیم (۱۴:۴۰) کی متعلقہ آیت ”رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ“ ترجمہ: ”اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین اور اہل ایمان کی مغفرت فرما اُس دن کہ جب حساب و کتاب قائم ہو۔“ کا حوالہ دیتے ہیں۔

آپ اس سادہ سی مثال دعا سے اس بات کا اندازہ لگائیں کہ اگر انھوں نے اس کے

ذیل میں قرآن کریم سے رجوع کیا ہے تو سیرت طیبہ کے واقعات اور اسمائے النبی اکرم ﷺ کی وضاحت اور دیگر تاریخی واقعات و مضامین کے ذیل میں کن کن مصادر سے رجوع کیا ہوگا۔ شاعر کے تخلیقی ذہن پر اگرچہ حوالہ جات کی بکثرت نشان دہی اور تخصص و تلاش سے ان کا اندراج بڑا جان لیوا کام ہوتا ہے اور اس کی تخلیقی ایج، تحقیقی گماٹیوں کی مسافت سے گریز رہتی ہے، مگر عس مسلم نے محنت، لگن، توجہ اور تحقیقی ذمہ داری کے ساتھ مابعد تخلیق کی فراغت میں ان حوالہ جات کو جمع کیا ہے اور پھر ایک ذمہ دار مرتب (editor) اور compiler کے طور پر انہیں سلیقے کے ساتھ ترتیب وار مربوط کیا ہے۔

یوں ”کاروانِ حرم“ کے تخلیق کار نے تحقیق و ترتیب کی ذمہ داری بھی بطریق احسن نبھائی ہے۔ ”کاروانِ حرم“ کے حوالوں کے ذیل میں اس امر کی نشان دہی ضروری ہے کہ یہ نہ تو قاری کو مرعوب کرنے کے لیے ہیں اور نہ ہی حوالہ شماری کا نظام، نظم کے فطری بہاؤ میں حارج ہوتا ہے۔ حوالہ جات کی موجودگی کا اہتمام جن دو بنیادی خطوط پر استوار ہے، اُن میں پہلی بات تو اسکا لرشپ اور اتھنٹیسٹی (Authenticity) کی کوشش ہے... سرسری نہیں بھرپور کامیاب کوشش... کہ جو بات بھی کہی جائے۔ مستند حوالہ سے کہی جائے اور واقعات و روایات، کوائف، تاریخ اور سیرت طیبہ کے احوال و فضائل کے ذیل میں قرآن و احادیث اور کتب تاریخ و سیر کے اصل ماخذات کی نشان دہی کی جائے اور دوسرے یہ کہ قاری کو اگر بعض مندرجات کے مطالعے میں تسکین کا احساس ہوتا ہے تو وہ متعلقہ لفظ یا موضوع کی مزید وضاحت اور تفہیم کے لیے اصل مصادر سے رجوع کر سکے۔

حوالہ جات کے لیے یہ دونوں بنیادی باتیں نہ صرف ”کاروانِ حرم“ کے لیے نیک فال اور مبارک ہیں بلکہ جدید اور نعت کے سفر میں بھی ایک اہم، معتبر اور تاریخ ساز موڑ کی نشان دہی کرتی ہیں۔

عصر حاضر میں لکھی جانے والی نعت بلاشبہ اپنے لکھنے والے سے حقیقت نگاری کے اسی بنیادی وصف کا تقاضا کرتی ہے جو وسیع مطالعہ، توجہ، لگن اور محنت کی عطا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نعتِ رسول اکرم ﷺ کے ذیل میں بے سرو پا روایات کے اظہار کے بجائے تخصص و تحقیق، روایات و درایت اور اسناد و حوالہ جات کے معیار کو پیش نظر رکھا جائے اور نعت نگاری کے اصل سوتوں یعنی قرآن و احادیثِ رسول اکرم ﷺ کو جذبات و احساسات اور واردات و کیفیات کے

اظہار میں بطور مصادر اور منابع کے استعمال کیا جائے۔

واضح ہو کہ فنِ نعت گوئی کے لیے جذبہ حبِ رسول اکرم ﷺ ایک بنیادی جوہر، داعیہ اور پیچ کے مانند ہوتا ہے۔ یہ پیچ قرآن کریم کے مضامین و ارشادات ہی کی زرخیزیوں میں پھونکا ہے۔ مستند احادیث اس کی آبیاری کرتی ہیں اور تاریخ و سیر کی معتبر کتابیں نعت گوئی کو ہوائے تازہ عطا کرتی ہیں۔ نعت گوئی کی تاریخ کے ہر دور میں حقیقی نعت نگاری انہی شعرائے کرام کی ہے جنہوں نے نعت کہتے ہوئے نعت گوئی کے ان حقیقی منابع اور ماخذات سے استفادہ کیا ہے۔

اس اعتبار سے ع س مسلم مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ نعت گوئی کے اصل منابع سے بھرپور استفادہ کیا ہے بلکہ انہیں ایک شائستگی اور خوش سلیقگی سے شامل کتاب کر کے اپنے اظہار و بیان کو مستند، وقیع اور معتبر بنایا ہے، مگر یہ سعادت اور محنت ہر شاعر کے بس کی بات نہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ محنت ہی سعادت ہے، مگر بقول شاعر:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ غنجد خدائے بخشندہ

حاشیہ

☆۔ ”کاروانِ حرم“ کے جدید ایڈیشن مطبوعہ ۲۰۰۱ء میں اشعار کی تعداد ۱۰۱۳۹ ہے۔ کل حوالے ۸۱۷ ہیں جن میں سے ۶۱۷ قرآن کریم سے اور بقیہ احادیث، تاریخ و سیر، قدیم صحائف اور دیگر کتب سے لیے گئے ہیں۔ کل حوالے تقریباً ۲۲۰۰ پار استعمال ہوئے ہیں۔



”نعت کی تخلیقی سچائیاں“... فکر و فن کا چراغاں

عزیز احسن کی کتاب ”نعت کی تخلیقی سچائیاں“ کو ہم نے فکر و فن کا چراغاں کہا ہے۔ یہ ہم نے بغیر سوچے سمجھے (Indelibrately) نہیں، بلکہ بڑے فکر کے بعد کہا ہے۔ بظاہر یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو مجلہ ”نعت رنگ“ اور روزنامہ ”جسارت“ کے صفحات اور کالموں میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں، مگر درحقیقت ایک ایسی ادبی کھکشاں ہے، جس میں علم و فن اور نقد و نظر کے چراغ اس خوش سلیقگی سے روشن کر دیے گئے ہیں کہ چراغاں کا سماں پیدا ہو گیا ہے۔ ہمارا عزیز احسن سے تعارف ان کی تحریروں کے ذریعے ہوا ہے۔ جب کہ ان سے بالمشافہ ملاقات اور گفتگو کا ہمیں صرف ایک بار موقع ملا ہے۔ اولین ملاقات پر ہی ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ آپ کے حرف میں روشنی ہے اور یہ بات ہم بالاعلان کہنے کو بھی تیار ہیں۔ بھرا اللہ! آج ہمیں موقع میسر آیا ہے کہ اپنے قول کی صداقت کا علم بلند کریں اور بالاعلان کہیں کہ عزیز احسن کے حرف میں روشنی ہے۔ روشنی کے لغوی، استعاراتی، اصطلاحی یا سائنسی معانی و مفاہیم جو بھی ہوں، یہ امر مسلمہ ہے کہ روشنی موجودات عالم کو اس طرح حیاں اور نمایاں کر دیتی ہے کہ ان کی حقیقت و ماہیت سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی۔ اس اصول کا اطلاق جب ہم عزیز احسن کے قلم کی روشنی پر کرتے ہیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے فی زمانہ نعت کے حوالے سے بے خبری، کم علمی، بد اعتقادی، کج فکری اور فن نا شناسی کے ظلمت آفرین ماحول میں نعت کی تخلیقی سچائیوں کو اس طرح اجاگر کیا ہے، جیسے گھٹاؤپ اندھیروں میں جگنو اپنے وجود کا اعلان کرتا ہے۔

نعتیہ شاعری کے حوالے سے اپنے نظریہ شعر کی وضاحت عزیز احسن نے ان الفاظ میں کی ہے، ”نعتیہ شاعری کے لیے میرا وجدان اور نظریہ شعر، شعریت اور شریعت کے توازن کا

مظہر ہے۔“ شاید نعتیہ شاعری کے لیے اپنے اسی نظریہ شعر کی بنا پر وہ آئے دن منظر عام پر آنے والی نعتیہ شاعری کے معیار سے غیر مطمئن اور نعت گو شعرا کے عمومی فکری رجحان سے شاکی ہیں، بلکہ وہ عام شاعری کو بھی فکری و نظری تصادم کے تناظر میں بے وقعت سمجھتے ہیں۔ وہ نعت کی صنفی، ادبی اور مذہبی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، ”میں نعت کو تنقید سے بالا صنفِ سخن تسلیم کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں ہوں۔ نعت انسانی کوششوں سے وجود میں آتی ہے اور شاعری میں قطعیت کا عنصر کبھی بھی غالب نہیں رہا ہے۔ شاعری تو خیر شاعری ہے، وحیِ ربانی سے گریزاں کسی بھی علم کی حیثیت گمان سے زیادہ نہیں ہے۔“ گویا کوئی بھی علم ہو، عزیز احسن کے نزدیک، اگر اس میں قرآنی فکر کی جوت نہیں جگائی گئی ہے تو اس کی حیثیت ظن و تخمین اور گمان و قیاس سے بڑھ کر نہیں ہے۔ وہ علم و فن میں جذباتی رویے کی بھی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، یہی وجہ کہ جذبات میں ڈوبی ہوئی نعتوں کی اثر پذیری کے تو قائل ہیں، مگر انھیں معیاری قرار دینے پر ہرگز تیار نہیں ہیں۔ انھوں نے بڑی دردمندی سے نعت گو شعرا سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ حیاتی، واقعاتی، لسانی، کیفیاتی اور وجدانی صداقتوں کو شعری قالب میں ڈھالنے کے عمل کو سہل نہ جائیں، کیوں کہ یہ عمل کوئی ایسا مشغلہ نہیں ہے، جسے من مانے طریقے پر اختیار کر کے جاری رکھا جائے۔

عزیز احسن کھلے ذہن، کشادہ دل اور وسیع ظرف کے قلم کار ہیں۔ علم پر کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ مشرق کی بھی اور نہ ہی وہ مشرقیت کا راگ الاپتے رہنے کا طرہ امتیاز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک حکمت خیر کثیر ہے، اسے کہیں سے بھی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ نقد شعر میں وہ بڑی عرق ریزی سے کام لیتے ہیں اور مشرق و مغرب دونوں مکاتب نقد و نظر سے استفادہ کرتے ہیں۔ ”نعت کی تخلیقی سچائیاں“ میں انھوں نے کئی مقامات پر مغربی مفکرین سے استشہاد کیا ہے اور تفہیم شعر کے چراغ روشن کیے ہیں۔

”نعت کی تخلیقی سچائیاں“ کی دیپ مالا کے پہلے دو چراغ ”معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود“ اور ”نعت کا مقصد تخلیق“ ہیں۔ ان چراغوں کے ہالے میں نعت کو اس کے ادبی، لسانی، موضوعاتی، تاریخی، شعری اور شرعی تقاضوں اور مطالعوں کے جلو میں رکھا گیا ہے اور خصوصاً ادب کے دو معروف نظریات ”ادب برائے ادب“ اور ”ادب برائے زندگی“ کے تناظر میں نعت گوئی کا محاکمہ کرنے کی کاوش کی گئی ہے بلکہ نعت کے مقصدِ تخلیق کو علمی و فنی پس منظر کے ساتھ پیش کر کے اصلاح احوال کے لیے راستہ ہموار کیا گیا ہے۔ عزیز احسن خالصتاً ادبی ذہن کے مالک ہیں، وہ

بامقصد شاعری کے خوگر ہونے کے باوصف مقصدیت کو شعری حسن کے لیے سم قاتل تسلیم کرتے ہیں تاہم نعت کے حوالے سے مقصدیت پر وہ کسی قسم کا compromise کرنے پر راضی نہیں ہیں۔ ان کے بقول ”عمومی شاعری کے مافیہ، موضوع، نفسِ مضمون کی باریکی پر دھیان دینا اتنا اہم اور ضروری نہیں ہوتا ہے، جتنا نعتیہ شاعری کے مافیہ (content) پر غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے، کیوں کہ یہ شریعت کا معاملہ ہے۔“ بتائیں ان کے ذہن میں نعت کے جو مقاصد ترتیب پاتے ہیں، ان میں تبلیغِ پیغام رسالت، تفہیم مقام رسالت، ترویج حب رسالت اور توسیع جذبہ اخوت بین المسلمین نمایاں ہیں۔ یہ وہ مقاصد جلیلہ ہیں، جن کے ترفع کا ہر ذی علم و صاحب ایمان قائل و معترف ہے۔

عزیز احسن کے فکر و فن کا تیسرا چراغ ”نعت کی تخلیقی سچائیاں“ کے سرنامہ سے ایک عنواناتی مضمون ہے، جو ہمارے خیال میں گزشتہ دو مضامین کی توسیع ہے۔ اس مضمون میں عزیز احسن نے بطور خاص نعت میں نظم کیے جانے والے تاریخی واقعات کے استناد پر زور دیا ہے۔ اس حوالے سے ان کا غلو صِیبت اپنی جگہ، لیکن سوال اٹھتا ہے کہ استناد کی کسوٹی کیا ہے۔ کیوں کہ ملتِ اسلامیہ نے اپنی منوں میں اندرونی طور پر جس نوع کی تفریق، نفاق اور تفرقہ کو در آنے کی اجازت دی ہے، اس کے پیشِ نظر الگ الگ کتبِ تواریخ مرتب و تحریر ہوئی ہیں۔ نتیجتاً ایک تاریخ میں کسی واقعہ کی تفصیل و جزئیات کچھ اور ہیں اور دوسری تاریخ میں اُسی واقعہ کا احوال و بیان کچھ اور ہے۔ البتہ عزیز احسن کے اس موقف کی ہم بھرپور تائید کرتے ہیں کہ بیش تر نعت گو شعرا کو تاریخی واقعات کا ان کے حقیقی پس منظر کے تحت ادراک کم ہے یا سرے سے ہے ہی نہیں۔ دراصل وہ شعرا حضور اکرم ﷺ سے متعلق تاریخی واقعات کو ویسے نہیں دیکھتے، جیسے وہ ہیں، بلکہ ایسے دیکھتے ہیں، جیسے وہ دیکھنا چاہتے ہیں یا پھر اپنے اپنے عقائد کی صیقل لگا کر تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ایسے نعت گو تاریخی واقعات کے استناد کی اہمیت سے نااہل و بے بہرہ ہوتے ہیں۔

”نعت کی تخلیقی سچائیاں“ کا چوتھا چراغ ”غالب کی اردو شاعری میں مضامین نعت کا نقد“ کے عنوان سے جگمگا رہا ہے۔ یہ مضمون پڑھنے کے بعد اس حقیقت کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ عزیز احسن کی تاریخ ادب اردو پر گہری نظر ہے۔ کہیں کہیں تو اردو زبان و ادب کے حوالے سے ان کی آگہی متعیر کن ہے۔ ہمارے خیال میں اگر وہ شعبہ تعلیم سے وابستہ ہوتے تو اردو

کے بے بدل استاد ثابت ہوتے۔ ہمیں ان کے تجربہ علمی پر رنگ آتا ہے۔ انھوں نے غالب کی اردو شاعری میں مضامین نعت کے فقدان کا جو نعرہ بلند کیا ہے وہ قرین حقیقت ہے۔ غالب کی غزلوں میں حمد خدا، نعت رسول ﷺ اللہ منقبت علی مرتضیٰ کا جو ایک آدھ شعر ملتا ہے یا جناب امیر علیہ السلام کی شان میں جو قصائد انھوں نے کہے ہیں، ان کی اساس خالصتاً عقیدت مندی پر رکھی ہے۔ ورنہ غالب مذہبی شاعری کے مرد میدان نہیں تھے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ احباب کے اصرار و فرمائش پر انھوں نے مرچے میں بھی طبع آزمائی کی تھی، مگر دو چار بند لکھنے کے بعد انھوں نے مرثیہ نگاری کے بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیا تھا۔ البتہ عزیز احسن کے اس قول پر ہم صاد نہیں کر سکتے کہ ”خالص اردو شاعری کے معاملے میں ذوق، غالب سے بہت آگے تھا۔ دونوں سہروں کو پڑھ کر اس بات کی صداقت پر یقین ہو ہی جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غالب کے لیے خالص اردو میں (ترسیل خیال اور اپنی فکر کے بھرپور ابلاغ کے شعور کے ساتھ) شاعری کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ شاید اس کم زوری کو چھپانے کے لیے اس نے یہ کہا تھا:

قاری میں تا بہ بنی نقش ہائے رنگارنگ

مگر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

مزید برآں ان کے اس خیال کی بھی ہم تائید نہیں کر سکتے، جس کا اظہار انھوں نے حواشی میں کہا تھا، ”اس سہرے میں وارد ہونے والی تعلق کے جواب میں ذوق نے سہرا کہا تھا اور غالب نے وہ مشہور معذرت نامہ لکھا تھا، جس میں یہ شعر تھا:

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سہ گری

کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

عزیز احسن نے غالب کے معذرت نامے کا حوالہ مولانا محمد حسین آزاد کی ”آب حیات“ سے دیا ہے۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ مولانا آزاد اپنی تمام تر ذرخیزی ذہن، رفعتِ تخیل اور اعلیٰ پایہ کی انشا پردازی کے باوصف ایک ثقہ و معبر تاریخ نویس یا تنقید نگار تسلیم نہیں کیے گئے ہیں۔ کیوں کہ انھوں نے ”آب حیات“ میں بیش تر واقعات کسی حقیقی کاوش و استاد کے بغیر درج کیے ہیں اور سنی سنائی باتوں پر زیادہ اکتفا کیا ہے، بلکہ اکثر مقامات پر صریحاً جانب داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ خصوصاً غالب اور ذوق کے معاملے میں انھوں نے نا انصافی سے کام لیا ہے اور اپنے استاد اور والد کے دوست ذوق کو غالب سے بہتر شاعر ثابت کرنے کی سعی موہوم کی ہے۔

انہوں نے غالب کی جس غزل کو معذرت نامہ قرار دیا ہے وہ درحقیقت اس شکایت کا جواب ہے، جو ذوق نے بہادر شاہ ظفر کے حضور کی تھی اور الزام لگایا تھا کہ سہرے کے مقطع میں غالب نے ان پر چوٹ کی ہے۔ غالب چوں کہ ذوق کی طرح شاعری ہی کو باعثِ اعزاز و افتخار نہیں سمجھتے تھے، لہذا اس الزام کو پہلے تو یہ کہہ کر رد کیا کہ:

سو پشت سے ہے پیٹہ آبا پہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

پھر یہ شعر لکھ کر واضح کر دیا کہ مقطع میں محض ایک سخن گسترانہ بات ہے اور روئے سخن کسی کی طرف نہیں ہے:

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

ہمارے خیال میں غالب کی یہ غزل نہ تو معذرت نامہ ہے اور نہ ہی اس کے کسی شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے سہرے کے مقابلے میں ذوق کے سہرے کو بہتر تسلیم کیا ہے۔ یاد رہے کہ ذوق معاصرانہ چشمک کا اس حد تک برا مناتے تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر غالب کی بہادر شاہ ظفر سے شکایت کر دیتے تھے۔

منا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا

والے واقعے سے بھی اہل علم واقف ہوں گے۔

عزیز احسن نے مولانا آزاد کے اجماع میں غالب کو صرف ذوق سے کم تر اردو شاعر قرار نہیں دیا ہے بلکہ اردو شاعری کو ان کی بساط سے باہر کہا ہے۔ جہاں تک غالب بحیثیت ایک اردو شاعر اور غالب بحیثیت ایک فارسی شاعر کی بحث کا تعلق ہے تو یہ ایک طویل مدت سے اہل علم کے درمیان جاری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ غالب اپنی فارسی شاعری کو مقابلہ بہتر تصور کرتے تھے:

فارسی میں تا بہ جہی نقش ہائے رنگارنگ
بگور از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

اس بات کی ہم بھی تائید کرتے ہیں، اس شعر میں غالب بمقابلہ غالب ہے۔ لیکن جہاں تک دوسرے شعرا کا تعلق ہے تو انہوں نے صرف میر تقی میر کو، وہ بھی اپنے برابر کا استاد تسلیم کیا:

رہنمہ کے قصص استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا

البتہ دیگر شعرا بالخصوص اپنے معاصرین کے مقابلے میں غالب خود کو نہ صرف بہتر بلکہ منفرد شاعر قرار دیتے ہیں:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

اہل علم یہ بھی جانتے ہیں کہ زبان کے شاعر کی نسبت فکر کے شاعر کی ہمیشہ زیادہ پذیرائی ہوئی ہے۔ علامہ اقبال، زبان کے ایک بڑے شاعر مرزا داغ دہلوی کے شاگرد تھے، مگر جو شہرت و عظمت اقبال کو نصیب ہوئی ہے اس کا عشرِ عشر بھی داغ کے حصے میں نہیں آیا ہے۔ جب کہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ اقبال کی شعری زبان کو اہل زبان اردو تسلیم کرنے میں متاثر ہیں۔ بلاشبہ غالب کی مفرس اردو نے ابتدا میں ان کے کلام کو مبہم اور دور از کار بنا دیا تھا، مگر بعد کے کلام میں انھوں نے آسان زبان استعمال کر کے ابلاغ و ترسیل افکار کو اس قدر سہل کر دیا کہ وہ اپنی مثال آپ ٹھہرا۔

عزیز احسن کے فکری و فنی چراغاں کا پانچواں چراغ ”ردیفوں کے مثبت استعمال کی تحریک“ کے عنوان سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ اس مضمون کا آغاز ردیف کے حوالے سے معنی آفرین بحث سے کیا گیا ہے۔ یہ بحث اپنے دائرے میں تحقیقی و تنقیدی ہر دو مزاجوں سے ہم آہنگ ہے اور ردیف سے متعلق فنی معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ زیر تبصرہ مضمون میں دبستانِ وارثہ ”ندرت ردیف“ کی روایت کے احیا کی تحریک کو بجا طور پر سراہا گیا ہے، جسے معروف نعت گو شاعر قر و ارثی گزشتہ تقریباً ایک دہائی سے فروغِ نعت کے سلسلے میں بڑی کامیابی سے چلا رہے ہیں۔

چھٹا چراغ ڈاکٹر سید ابوالخیر کشتی کے نعتیہ مجموعے ”نسبت“ کے رنگ و نور سے معمور ہے۔ ”نسبت“ کو عزیز احسن نے لطیف جذبات و احساسات کا مرقع قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک ”نسبت“ کشتی صاحب کے جذبات و احساسات کا ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے ایمان و ایقان کی بھی تفسیر و تعبیر کرتا ہے۔ جناب کشتی رسول مقبول ﷺ کے عاشق صادق ہیں، مگر ان کا عشق اپنی انتہاؤں پر بھی عشق ہی رہتا ہے، کسی قسم کی جنوں خیزی پر منتج نہیں ہوتا۔ وہ بہ قائمی ہوش و حواس جذب و کیف کے مراحل طے کرتے ہیں اور فنا فی الرسول ﷺ ہونے کے بعد صدق و صفا، اندازِ حیا، حرفِ دعا، انوار و ضیا، فکر و رسا اور نور خدا کے اسرار و رموز کھولتے چلے جاتے

ہیں۔ ان کا کلام ”بامحمد ﷺ ہوشیار“ کی مکمل اور جامع تفسیر ہے۔ ”نعت“ کے حوالے سے شاعر کے بارے میں ہم عزیز احسن کی اس رائے پر صاد کرتے ہیں۔ ”نعت کی شاعری پڑھ کر ایک تمنا جنم پاتی ہے کہ کاش! شاعر بالقصد شعر کہنے کی طرف مائل ہوتا! ایسا کرنے سے وہ شاعری کی دنیا میں اس سے کہیں زیادہ معروف ہوتا جتنا معروف وہ اپنی مختلف الجہات خدمات کے حوالے سے آج ہے۔“

ساتواں چراغ ”ثنائے محمد ﷺ“ اور آٹھواں چراغ ”ارمغانِ حافظ... ایک جائزہ“ کے عنوانات سے روشن ہیں۔ ”ثنائے محمد ﷺ“ ایاز صدیقی کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ جس میں شامل سب کی سب نعیں غالب کی منتخب غزلوں کی زمینوں میں ہیں۔ تمہیدی کلمات کے بعد عزیز احسن نے نعت کے تخلیقی سرمائے پر بڑا صائب تبصرہ رقم کیا ہے اور بجا طور پر یہ کہا ہے کہ ”بیشتر شعرا عام شاعری میں جو اسلوب (style) اپنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ حمد و نعت میں اپنے اس تخلیقی رویے کو برقرار نہیں رکھ پاتے۔“ عزیز احسن کا یہ کہنا کہ نعت کے حوالے سے تخلیقی کم مانگی کا احساس غالب کو بھی تھا، بے حد قرین قیاس ہے۔ بے شک بقول عزیز احسن ایاز صدیقی کو غالب کی شعری کائنات کا عرفان ہے اور انھوں نے نعت کے لوازم کو پیش نظر رکھتے ہوئے موضوع و معروض کی ہم آہنگی سے فن اور عقیدت کی ایک ساتھ جوت جگائی ہے۔

کلاسیک روایت کے امین حافظ عبدالغفار حافظ کے نعتیہ کلام پر عزیز احسن نے ایک سیر حاصل مگر نہایت پُر مغز مضمون پر دقلم کیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے حافظ کی نعت گوئی کی تمام تر جہات کا فنی بصیرت کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔ حافظ کی اساتذہ کی زمینوں پر نعیں، سہل منتفع میں اشعار اور تصنیفیں قابلِ تعریف ہیں، جن کا عزیز احسن نے دقت نظر سے جائزہ لیا ہے۔

عزیز احسن کا نواں چراغ ہمہ رخ روشن و مستعیر ہے اور اپنے موضوع ”نعتِ نبی ﷺ“ میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں کے گرد روشنی کے ہالے کی طرح محیط ہے۔ ہر چند یہ موضوع ہر دور اور ہر زمانے میں اہم تصور ہوا ہے۔ مگر سچ پوچھیے تو گزشتہ دہائی کے دوران میں اسے درخور اعتنا سمجھا گیا ہے۔ خصوصاً ”نعت رنگ“ نے اس موضوع کی اہمیت کا احساس پوری قوت سے اجاگر کیا ہے، بلکہ نعت پر باقاعدہ تنقید کا شعور بیدار کیا ہے۔ ”نعت رنگ“ کی تحریک پر نقدِ نعت کی طرف جو اہل قلم متوجہ ہوئے، عزیز احسن ان قلم کاروں کے ہراول دستے میں شامل ہیں۔ عزیز احسن کی نعتِ نبی قابلِ رشک ہے۔ انھوں نے نعت کے تخلیقی تقاضوں، فنی مطالبوں اور لسانی

ضرورتوں پر جس فکری گہرائی اور علمی وسعت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اس کی مثالیں خال خال ملتی ہیں۔ عزیز احسن خالصتاً علمی و ادبی انسان ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں اعتقادی اختلافات و تفرقات کو دور آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک نعت جزو ایمان ہونے کے باوصف ایک منصفِ سخن ہے اور جس کی جانچ اور پرکھ ادبی کسوٹی پر کی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ البتہ تاریخی حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنے کے وہ سخت مخالف ہیں۔ انھوں نے زیرِ نظر مضمون میں عالمانہ انداز میں محلِ نظر نعتیہ اشعار کی گرفت کی ہے اور ایک ماہر لسانیات کی طرح الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معانی و مفہیم سے بحث کی ہے اور درست طور پر تسامحات کی نشان دہی کی ہے۔ ان کا یہ مضمون وقت کی ایک اہم ضرورت کے طور پر سامنے آیا ہے۔

عزیز احسن کا دسواں اور آخری چراغ دراصل ایک مقالہ ہے، جس میں پاکستان میں اردو نعت کے نصف صدی کا سفر اپنے تمام تر پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ نظر نواز ہوا ہے۔ یہ ایک مختصر لیکن جامع تذکرہ ہے، جو گزشتہ نصف صدی کے دوران میں ادبی افق پر ابھرنے والے نعت گو شعرا کا فنی تعارف پیش کرتا ہے۔ اس مقالے میں عزیز احسن کی تحقیقی استعداد و صلاحیت اور تنقیدی درک و قابلیت عروج پر ہے۔ تذکرہ نگاری کا ایسا بے لاگ انداز بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

”نعت کی تخلیقی سچائیاں“ کا حاصل مطالعہ اجمالی طور پر ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ عزیز احسن کو نعت اور نعتیہ ادب سے فطری مناسبت ہے، تنقید ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے، تحقیق ان کی طبعی افتاد اور مطالعہ ان کی فطرت ثانی ہے۔ زیرِ نظر کتاب نعت کے میدان میں ان کی تحقیقی، تنقیدی اور علمی استعداد کا نقشِ ثانی ہے، جو نقشِ اول کی طرح ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔



”نعت اور آدابِ نعت“ پر ایک نظر

”نعتِ رنگ“ نعتیہ ادب کا ایک ایسا کتابی سلسلہ ہے، جسے اہل علم و دانش کے لیے ہم ایک نعت غیر مترقبہ تصور کرتے ہیں۔ خصوصاً نعت پر اعلیٰ سطح کے تحقیقی و تنقیدی کام کا باقاعدہ آغاز کر کے اس کتابی سلسلے نے ایک ایسا انقلاب آفرین کارنامہ سرانجام دیا ہے، جس کی جتنی تحسین کی جائے کم ہے۔ بھلا اللہ! اس امر کا اب قوی امکان ہے کہ ”نعتِ رنگ“ جس وافر کیفیت و اعلیٰ کیفیت کا نعتیہ ادب پیش کر رہا ہے، اس کی بدولت جلد نعت کے سر پر ایک باقاعدہ صنفِ سخن کا تاج رکھ دیا جائے گا۔ ہم ”نعتِ رنگ“ کو اس کامیابی و سرخ روئی پر پیشگی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

”نعتِ رنگ“ کے تاحال ۱۵ شمارے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں، جو اپنی علمی و ادبی، مذہبی و تاریخی اور تحقیقی و تنقیدی اہمیت و افادیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں اور جنابِ صبیح رحمانی مرحوم ”نعتِ رنگ“ کی نعتِ رسول مقبول ﷺ سے والہانہ عقیدت اور دیوانہ وار وابستگی کے کاشف ہیں۔ ”نعتِ رنگ“ کے مستقل لکھاری عقائد و نظریات میں بعد کے باوجود ایک ہی خاندان کے افراد کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ وہ سب کے سب اپنے اپنے مقام پر نہ صرف ”نعتِ رنگ“ سے ایک خصوصی نوعیت کا تعلق و رشتہ رکھتے ہیں، بلکہ ”نعتِ رنگ“ کے صفحات کے ذریعے ایک دوسرے سے بھی ربط قائم کیے ہوئے ہیں۔ اس ربط و انسلاک کی بہترین مثال وہ مکتوبات ہیں، جو ہر شمارے میں شامل اشاعت ہوتے ہیں اور جن میں مکتوب نگار شماروں کے مشمولات پر نہایت ذوق و شوق سے تبصرہ آرائی کرتے ہیں۔ ان مکتوب نگاروں میں سرفہرست علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی ہیں۔ علامہ موصوف ایک عالم بے بدل اور فاضلِ اجل ہیں۔ ان کے

تبحر علمی کا اندازہ لگانے کے لیے ذہن و نگاہ میں بحر کی سی وسعت اور گہرائی درکار ہے۔ وہ ایک بے نظیر صاحبِ قلم اور بے عدیل خطیب ہیں۔ جب لکھتے ہیں تو موتی جڑتے ہیں، بولتے ہیں تو پھول جھڑتے ہیں۔ فی زمانہ تحریر و تقریر میں ان جیسا یکنائے روزگار خال خال دیکھنے کو ملتا ہے۔ بلاشبہ ان کے مکتوبات نے ”نعت رنگ“ کے معیار و وقار میں معتد بہ اضافہ کیا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے مکتوبات ”نعت رنگ“ کے Salient Features میں سے ایک ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کسی خالص مذہبی شخصیت سے دین سے متعلق افکار و اذکار کی کماحقہ تفہیم و بصیرت کی توقع تو کی جاسکتی ہے، لیکن دیگر دنیوی علوم و فنون پر مکمل دسترس کی اس سے اُمید کم ہوتی ہے۔ مگر علامہ کوکب لورانی اس حوالے سے ایک استثنا کی صورت میں سامنے آئے ہیں۔ ان کا دینی علم متحیر کن ہے اور دیگر علوم خصوصاً تحقیق، نقد و نظر، تاریخ، لسانیات، منطق، شعر و ادب وغیرہ پر ان کا عبور قابلِ رشک ہے۔ ان کے مکتوبات علم و آگہی کے ایسے سوتے ہیں، جو جب پھوٹتے ہیں تو ذہنوں کو تروتازہ اور روحوں کو شاداب کر دیتے ہیں۔ ان کے قلم میں سیلِ رواں کی روانی اور فکر میں اسپر اکیل کی جولانی ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات والا صفات سے ان کی محبت و عقیدت مثالی ہے۔ ایسا شیدائے رسول ﷺ آج تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا ہے۔ ان کا تمام تر علم و عمل سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ کی معرفت سے عبارت ہے۔ انھوں نے اپنے قلب و ذہن و روح کی عشقِ نبوی ﷺ سے تہذیب کی ہے۔ یہ عشق ایسی جنوں خیزی کا مظہر ہے، جس پر تعقل و خردمندی بھد عجز و نیاز ثار ہونے کو مضطرب و بے تاب رہتی ہے۔ حضرت علامہ کے ہاتھ میں قلم کی صورت میں چراغِ مصطفوی ﷺ ہے اور چراغِ مصطفوی ﷺ ازل سے تا امروز شرارِ یوہی سے ستیزہ کار رہا ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ مولانا سنِ شعور سے لہرِ موجود تک تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ میں ہم تن و ہمہ وقت معروفِ عمل ہیں۔ گستاخانِ رسول ﷺ سے پیکار ان کا نصب العینِ حیات ہے۔ شاتمِ رسول ﷺ کو ہر روپ اور ہر بہروپ میں پہچان لینا ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ ہمیں اطمینان ہے کہ جب تک قبلہ لورانی اوکاڑوی جیسے عاشقانِ محمدِ عربی ﷺ موجود ہیں، کوئی تسلیمہ یا سمنِ رشدی اپنی سانسیں بحال نہیں رکھ سکتا۔

علامہ کوکب لورانی کی ”نعت رنگ“ سے وابستگی تقریباً اتنے ہی سن و سال سے ہے، جتنے سن و سال کا ”نعت رنگ“ ہے۔ ان کا پہلا مکتوب ۱۹۹۵ء میں ”نعت رنگ“ کے دوسرے شمارے کی زینت بنا۔ جو صبیحِ رحمانی صاحب مرتب ”نعت رنگ“ کی گزارشات کا ایک کرمِ گسترانہ

جواب تھا۔ تب سے اب تک کرم عسکری کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ جاری و ساری رہے گا۔ ”نعت اور آداب نعت“ میں ان مکتوبات کو یک جا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ یہ مکتوبات ”نعت رنگ“ کے غالباً تیرہ شماروں کے مشمولات کے حوالے سے یکے بعد دیگرے رقم کیے گئے ہیں۔ ان مکتوبات میں علامہ صاحب نے علمی موشگافیوں، ادبی نکتہ بندیوں، فقہی دقیقہ رسیوں، اعتقادی نزاکتوں بالخصوص قرآن مجید اور حدیث آگاہی کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا ہے کہ حق شناس قاری عیش عیش کر اٹھتا ہے۔ بظاہر حضرت مولانا کا ہر مکتوب نعت اور آداب نعت کے حوالے سے مباحث پر مبنی ہے، مگر درحقیقت ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ کی نورانیت و بشریت، شانِ بعثت، مقام رسالت، ان کی حیات بعد الموت، اقسام حدیث و اصول حدیث، علم القرآن، صرف و نحو، الفاظ کے مخرج و معانی (خاص کر لفظ خدا کے بارے میں کافی و شافی تحقیق)، حمد، نعت، منقبت کے آداب اور نقدِ نعت کے حوالے سے موادِ براہین و شواہد کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔ اوکاڑوی صاحب کے طرزِ نگارش اور اندازِ بیان کی نمایاں خوبی فلسفیانہ تجزیہ اور منطقی استدلال ہے۔ بھول ان کے ”اختلاف برائے اختلاف سے مجھے بھرا اللہ کوئی علاقہ نہیں۔“ ہم ان کے اس قول پر صاد کرتے ہیں اور بطور مثال مکتوب ہفتم سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

ظہیر غازی پوری نے ص ۱۲۵، ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۱ میں جو شعر اس حوالے سے نقل کیا ہے، اس بارے میں انھوں نے علمائے دین کے جوابات شاید ملاحظہ نہیں فرمائے۔ علامہ اقبال کے شعر پر انھوں نے ڈاکٹر محمد حسن کے تحریر کردہ اعتراض کو نقل کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں،
علامہ اقبال کا یہ شعر:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

اُن کے بدعقیدہ ہونے کی کھلی علامت ہے۔ کیوں کہ انھوں نے حسین

ابن علی کا نام پیغمبر ﷺ کے ساتھ لیا اور دونوں کو برابر مقام دیا ہے۔

(بحوالہ ماہنامہ ”شاعر“ اقبال نمبر، ص ۱۰۱)

ڈاکٹر محمد حسن صاحب کو خود اپنا نام یاد نہیں رہا، ان کے والد نے بھی لفظ ”حسن“ معنای

نہیں نسبتاً ہی رکھا گیا۔ یوں ان کے اپنے نام میں بھی پیغمبر ﷺ کے نام کے ساتھ ہی حضرت سیدنا حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا نام موجود ہے۔ اس بارے میں وہ کیا فرمائیں گے۔

علامہ اقبال نے تو یہ بھی فرمایا ہے:

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید

ایں دو قوت از حیات آید پدید

اس بارے میں ڈاکٹر محمد حسن صاحب کیا فرمائیں گے؟ علم و فہم میں نقص یا عدم توازن ہو تو اعتراض ہوتا ہے۔ برابر مقام محض ڈاکٹر صاحب کی ذہنی اختراع ہے۔ ورنہ برابری واضح فرمائیں۔ مکتوب خیم میں افراد و اعمال سے استعانت و استمداد کے حوالے سے پروفیسر اقبال صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مولانا نے علم و آگہی و دلائل و براہین کے جو دریا بہائے ہیں، ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ موضوع کی مناسبت سے قرآن و حدیث کے حوالہ جات کے بعد انھوں نے حضرت شیخ سفیان ثوریؒ اور دیگر علما کی جن آرا کا ذکر کیا ہے، وہ قابل توجہ ہیں۔

مولانا نورانی صاحب کے مکتوبات کے مطالعے کے دوران میں ہم پر اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا ہے کہ وہ یہ مکتوبات قلم برداشتہ لکھتے رہے ہیں۔ شاید ایک تو عدیم الفرستی دوسرے کوئی ٹھوس نوعیت کام کرنے کا خیال ہمیشہ ان کی مکتوب نگاری کے آڑے آیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنے ایک حبیب کرم پیرزادہ علامہ اقبال احمد صاحب کے مشورے کا ذکر بھی کیا ہے۔ ”وہ مجھے فرماتے ہیں کہ ان تحریروں کی اہمیت اپنی جگہ، تم نے مستقل کتابیں جو شروع کر رکھی ہیں، ان پر زیادہ توجہ دیا کرو۔“

ہمارے خیال میں اوکاڑوی صاحب ”نعت رنگ“ کو لکھے گئے مکتوبات کے ذریعے جو علمی، ادبی اور دینی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ کسی مستقل کتاب کی اہمیت و افادیت سے کسی طرح کم درجے کی نہیں ہے۔ خدا نخواستہ اگر انھوں نے کسی وجہ سے یہ در فیض بند کر دیا تو قارئین ”نعت رنگ“ کی انتہائی بد قسمتی ہوگی۔

ہمارے علم کے مطابق ”نعت رنگ“ کا اجرا کسی مخصوص مسلک کی تبلیغ و اشاعت کے لیے نہیں ہوا ہے۔ لہذا کسی قلم کار کا بالا اعلان اپنے مسلک کی حقانیت پر اصرار کرنا ”نعت رنگ“

کے اساسی اصولوں کے خلاف ہے۔ بلکہ مرتب کی غیر جانب داری کو متنازع فیہ بنانے کے مترادف ہے۔ حضرت مولانا کوکب نورانی کے بعض ایسے جملے بھی ہمارے مطالعے میں آئے ہیں، جو ”نعت رنگ“ اور اس کے مرتب کی Neutrality کو مجروح کرتے ہیں۔ ان کی اپنے مسلک کے حوالے سے خوش اعتقادی سرانگھوں پر، لیکن غیر ارادی طور پر بھی اسے مسلط کرنے کی کاوش قابلِ رشک نہیں ہے۔ بلاشبہ مولانا صاحب کو اپنا موقف بیان کرنے کا سلیقہ ہے۔ مگر موقف کی اصابت و ملاءت کا ایک طرفہ اعلان ہمارے نزدیک محلِ نظر ہے۔



”سفیرِ نعت“ کا محسن کا کوروی نمبر

نعتیہ شعری تخلیقات تو اردو کی پیدائش کے وقت سے ہی اس زبان کے ادب کا حصہ بنتی رہی ہیں لیکن نعتیہ شاعری کا تنقیدی، تحقیقی اور تاریخی جائزہ لینے کا خیال اہل علم و تحقیق اور صاحبانِ نقد و نظر کو چودھویں صدی ہجری کے آخری عشرے میں یعنی بیسویں صدی عیسوی کی تین چوتھائیاں گزرنے کے بعد آیا۔

نعتیہ ادب کے افق پر تنقید کا ستارہ طلوع ہوئے تو ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔ تاہم یہ بات قابلِ اطمینان ہے کہ ”نعت رنگ“ کے اجرا سے نقد و نظر کے دروازے کھلے تو اس موضوع پر کتابیں بھی منصفہ شہود پر آنے لگیں اور نعتِ رسول مقبول ﷺ کی ترویج و اشاعت کے لیے کتابی سلسلے بھی جاری ہونے لگے۔

”سفیرِ نعت“ بھی ایک ایسا ہی کتابی سلسلہ ہے جو نعتیہ موضوعات پر قابلِ قدر مضامین کی اشاعت کا ذریعہ بن رہا ہے۔ ”سفیرِ نعت“ کا یہ چوتھا شمارہ ہے جسے کتابی سلسلے کی مناسبت سے چوتھی کتاب کہا گیا ہے۔ اس کتاب کے مرتب ”آنکھ بنی سکھول“ کے شاعر اور ”منہاج العقائد“ کے مصنف جناب آفتاب کریمی ہیں۔ آنکھ بنی سکھول چوں کہ کریمی صاحب کا نعتیہ مجموعہء کلام ہے اس لیے نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت کی سعادت ”سفیرِ نعت“ کی اشاعت کی صورت میں بھی انھیں کے حصے میں آئی ہے۔

”سفیرِ نعت“ کی یہ چوتھی کتاب نعت کے پہلے فن شناس اور ادب آگاہ شاعر محسن کا کوروی کے شاعرانہ مرتبے کے قصین اور ان کی نعتیہ تخلیقات کے تحقیقی اور تنقیدی جائزے پر مبنی مضامین پر مشتمل ہے۔

”سفیرِ نعت“ کے محسن کا کوروی نمبر میں اکیس مضامین ہیں جن میں اکثر مختلف کتب یا رسائل سے منتخب کر کے اور چند لکھوا کر یک جا کر دیے گئے ہیں۔ ان مضامین میں محسن کا کوروی کے فن، شعری اسلوب، طرزِ ادا، نعت کے موضوعات کا استنادی درجہ اور محسن کی والہانہ عقیدت اور جذبے کی صداقت پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

لکھنے والوں میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، محمد حسن عسکری، صلاح الدین، مولانا عبداللہ عباس ندوی، کالی داس گپتا رضا، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر سید خلی احمد ہاشمی، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر نور الحسن، ڈاکٹر سید محمد عقیل، معین الدین حسن کا کوروی، محمد عبدالمقیت شاہر علی، حکیم عبدالقوی دریا آبادی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر ریاض مجید، پروفیسر خالد بزمی، راجا رشید محمود، اقبال صدیقی، اخلاق حسین عارف اور سردار اختر ہانو کے نام شامل ہیں۔

مضامین چوں کہ بیش تر محسن کے فن اور نکاتِ سخن سے متعلق موضوعات پر ہیں اس لیے بعض جگہ تکرار اور توارد کا تو احساس ہوتا ہے لیکن لکھنے والوں کی نکتہ آفرینیوں کے باعث ان مطالعات کی گہرائی اور گیرائی دل موہ لیتی ہے اور تکرار معنوی ایک حسنِ معنوی سے مملو نظر آتی ہے۔ تقریباً تمام مضمون نگار اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ لکھنوی دبستانِ شاعری کی ٹھسول بازی کو معنوی حسن اور دینی تقدس دے کر محسن نے رعایتِ لفظی، صنعتِ نگاری اور انبساطِ آمیز طرزِ شاعری کو بھی ایک اعلیٰ سنجیدگی سے ہم کنار کر دیا ہے اور اس طرح ان کا اسلوب خود انھوں نے اتنے بلند مقام پر پہنچا دیا ہے کہ اس سے بلند سطح پر جانا کسی اور شاعر کے لیے ممکن نہیں رہا۔

”سفیرِ نعت“ میں شامل تمام ہی مضامین بڑے اہم ہیں۔ تاہم حوالوں کی کمی بڑی کھٹکتی ہے۔ کاش ان مضامین کے ساتھ مآخذ بھی درج کر دیے جاتے!

محسن کا کوروی کی نعتیہ شاعری، ان کے عہد، ان کے زمانے کی لکھنوی شاعری کے اسلوب اور اس اسلوب اور طرزِ ادا کی مصنوعیت کے پس منظر میں ان کی انفرادیت جاننے کے لیے اس کتابی سلسلے کا مطالعہ از بس ناگزیر ہے۔



میثاق... عقیدت و حب رسول ﷺ کا نیا عہد نامہ

مشرق زبانوں میں نعت رسول ﷺ اس روایت کا سلسلہ ہے جس کا آغاز صبح اسلام میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول ﷺ کے کلام کے ذریعے ہوئے۔ عربی، فارسی اور ترکی جیسی ممتاز اور توانا زبانوں میں یہ روایت پروان چڑھی، ان زبانوں میں، زمانی اعتبار سے، سب سے کم سن ہونے کے باوجود، اردو نے اس روشن روایت کو اپنے جسم و جان کا غیر ہن بنایا۔ چنانچہ اردو میں بھی اس روایت کی روشنی اور تابانی ان دوسری زبانوں سے کی طرح کم نہیں بلکہ اردو میں نعتیہ شاعری کی تاریخ خود اردو کی تاریخ سے کسی طرح کم نہیں کہ اردو شاعری کے بیشتر اوّلین نمونوں میں حمد و نعت کے نمونے بھی مل جاتے ہیں۔ غالباً ایک مختصر سے دور کے استثنا کے ساتھ، جو اردو میں ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے سے وابستہ ہے، اردو شعر کی تاریخ میں کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جب اپنے زمانے کے نہایت مشہور، ممتاز اور مستند شعرا اس تاریخی روایت سے وابستہ نہ رہے ہوں اور انھوں نے حمد، نعت اور منقبت کو اپنی عقیدتوں کے اظہار کا وسیلہ نہ بنایا ہو۔

سرشار صدیقی کا مجموعہ شعر عقیدت میثاق (سن اشاعت ۲۰۰۲ء) اسی زندہ و تابندہ روایت کی توسیع ہے۔ یہاں لفظ ”توسیع“ کا استعمال جان بوجھ کر کیا گیا ہے اور اس سے میری مراد یہ ہے کہ سرشار صدیقی نہ صرف اس روایت کے مقلد اور امین رہے ہیں بلکہ انھوں نے اس میں صوری اور معنوی دونوں پہلوؤں سے نئے ابعاد کا اضافہ کیا ہے۔

غالباً یہ امر تو متفق علیہ ہو کہ نعت اپنی جگہ کوئی مستقل صنفِ سخن نہیں ہے۔ نعت کی تعریف و تخصیص اس کے موضوع کی بنیاد پر کی جاتی ہے جب کہ صنفِ سخن کی نوعیت کا تعین اس

کی ہیئت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حمد اور منقبت بھی اپنے اپنے موضوعات کے باعث ہی ممتاز ہیں۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ حمد، نعت اور منقبت موضوعاتی شاعری کے اقسام ہیں جن کے پیرایہ اظہار کے لیے کسی بھی صنفِ سخن کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ روایتی طور پر نعت کے لیے غزل کا اسلوب اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ حالاں کہ نعتیں قطعات، ترکیب بند، رباعی، مخمس اور مسدس وغیرہ کے اسالیب میں بھی لکھی جاتی رہی ہیں، مثلاً حالی کے مسدس ”مدو جزر اسلام“ کے وہ بند جن میں آفتاب رسالت ﷺ کے طلوع ہونے اور مدحتِ رسول ﷺ کا ذکر ہے:

ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت کہ طالع ہوا مادِ برج سعادت
نہ چٹکی مگر چاندنی ایک مدت کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت
یہ چالیسویں سال لعلِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت قارِ حرا سے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا
فقیروں کا بڑا ضعیفوں کا ماوی
قیہوں کا والی غلاموں کا موٹی

حالی کی نظم عرض حال بجناب سرور کائنات افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات ﷺ جس کا مطلع زباں زد خاص و عام ہے:

اے خاصہ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے

امت پہ تری وقتِ عجب آ کے پڑا ہے

پابندِ نظم کے طور پر لکھی گئی۔ اقبال نے اپنا ”شکوہ“ اور ”جوابِ شکوہ“ مسدس کی شکل میں لکھا کہ انیس کے زیرِ اثر مسدس کا بیانیہ اسلوب مذہبی اور نعتیہ شاعری کے لیے مناسب ترین خیال کیا جاتا تھا۔ اسلوب کی حد تک حالی اور اقبال دونوں نے انیس کی ہی پیروی کی ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں محسنِ کاکوروی نے البتہ اپنا مشہور نعتیہ لامیہ قصیدہ (سمت کاشی سے چلا جانبِ قمرِ ابادل) مثنوی کی شکل میں لکھا لیکن بیسویں صدی کے وسط تک آتے آتے مثنوی کا چلن جاتا رہا اور انگریزی ادب کے زیرِ اثر پابندِ نظمیں لکھی جانے لگیں۔

چنانچہ اقبال کے یہاں جنھوں نے باقاعدہ جدید تعلیم حاصل کی تھی، پابند نظموں کا تناسب کسی دوسری صنف کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے۔ تاہم شاعروں کی ایک بڑی تعداد نے نعتیہ شاعری کے لیے غزل کا اسلوب ہی اختیار کیا۔ پابند نظم کی پابندیاں اسی وقت گوارا کی گئیں جب کسی ایک مرکزی خیال کا اظہار مقصود رہا ہو۔

سرشار صدیقی کا ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے نعتیہ شاعری کے لیے جدید اصناف سخن کا انتخاب کیا ہے۔ ان اصناف میں بھی آزاد نظم کو بالخصوص بڑے حسن اور سلیقے سے برتا گیا ہے گو کہ انھوں نے ہائیکو تک میں حمد و نعت لکھی ہے۔ یہاں یہ کہنا مقصود نہیں ہے کہ سرشار حمد و نعت کے روایتی اسالیب سے گریزاں ہیں۔ اس کے برعکس ایک اچھے غزل گو ہونے کی حیثیت سے انھوں نے غزل کے اسلوب میں بھی حمد و نعت کے مضامین نبھائے ہیں اور ایمان کی بات یہ ہے کہ خوب نبھائے ہیں:

نعتوں میں برتنے ہیں آداب عبادت کے
ہر چند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے

☆

یہ اُسی ذات گرامی کا کرم ہے سرشار
جنگ کا اٹھا مری نعت سے ایوان غزل

غالب نے اپنے ایک خط میں شاعری کی روح ”معنی آفرینی“ کو قرار دیا ہے۔ بیاتق کے حوالے سے سرشار صدیقی کی نعتیہ شاعری میں معنی آفرینی کے پرتو دیکھیے:

اُن کی یادوں سے نہیں ہے کوئی ساعت محروم
ہم تو ہر لمحہ مدینے میں بسر کرتے ہیں

☆

حمد حرم میں بیٹھ کے لکھی، نعت حضور کے قدموں میں
روح وہاں سیراب ہوئی تھی، قلب یہاں معمور ہوا
دُور سے گنبدِ خضرئی دیکھ کے دل اس طور سے دھڑکا تھا
روح کے گہرے سنائے میں جیسے شورِ نشور ہوا
میں نے بھی آج اپنے رب سے اپنے دل کی باتیں کیں
دامنِ کوہِ صفا، ٹوٹ مجھ کو وادیِ کوہِ طور ہوا

مجھ پر ترے عشق کی آیتیں نازل ہوئیں
معن حرم بھی مجھے غارِ حرا ہو گیا

☆

ہجوم کر مرے رستے میں اپنے جلوؤں کا
کہ میں اکیلے چلوں اور قافلہ ہو جاؤں

یہ معنی آفرینی ہی ہے جسے لوگ عام طور پر تعزل اور کیفیت وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ سرشار صدیقی کی نعتیہ غزلیں روایتی رنگ میں ہوتے ہوئے بھی عشقِ رسول ﷺ سے شرابور ہیں۔ ان کے حلقے کی رعایت سے سرشاری کی ایک کیفیت بھی ان میں موجود ہے۔ اب رہی معنی آفرینی، تو وہ صرف نعتیہ غزلوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کی نعتیہ شاعری کے دوسرے اسالیب، بالخصوص نظموں اور ہائیکو میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ نظموں کے حوالے سے اس تجزیہ کو ذرا تفصیل درکار ہوگی اس لیے ہم پہلے ہائیکو کی طرف آتے ہیں۔

ہائیکو کا آرٹ مختصر نویسی کا آرٹ ہے جہاں سوئے قلم کی چند جنبشوں سے ہی تصویر مکمل ہو جائے اور چند لفظوں کے استعمال سے ہی ایک جہانِ معنی آباد ہو جائے۔ یہ چاول پر قلِ حوالہ لکھنے کے مماثل ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ مختصر ترین الفاظ میں کثیر مطالب کی ادائیگی کے آرٹ سے ہمارا فن شعر خالی رہا ہو۔ غزل کے دو مصرعے اور زُہا جی کے چار مصرعے بھی مطالب کی ادائیگی کے لیے فن کار کا امتحان ہی ہیں جن سے نکل آکر غالب جیسے بڑے فن کار نے بھی نکل نائے غزل میں وسعت کی آرزو کر دی تھی۔ تاہم ہائیکو کے رواج نے اردو شاعروں کے لیے ایک نئے جہانِ معنی کے دروازے کھول دیے ہیں۔

سرشار صدیقی نے حمدیہ اور نعتیہ دونوں طرح کے ہائیکو لکھے ہیں۔ گو کہ تعداد میں یہ کم ہیں لیکن کیمت کی کمی کو کیفیت کی زیادتی نے پورا کر دیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اے مرے معبود

حرفِ ثنا محدود مرا

تو ہے لامحدود

شب کا سفر تنہا

میں نے اپنے سینے پر

بس ”یا اللہ“ لکھا

شعر لکھ یا نثر
لیکن اپنے سامنے رکھ
آیات والہ صرا!

دیکھا فکر کا ظرف
نعت کی نیت ہی کی تھی
چھوٹے پڑ گئے حرف!

سبحان اللہ! جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محمد و!
یہ سب کچھ اپنی جگہ درست، لیکن ذاتی طور پر میں سرشار صدیقی کا بڑا کارنامہ ان کی
آزاد نظموں کو مانتا ہوں جن سے ان کی عقیدتوں کا بیاق مزین ہے۔ ان نظموں میں جذبہ عقیدت
کی گہرائی نے وہ خاصیت پیدا کر دی ہے کہ شاعرانہ حسن کاری زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہو گئی
ہے۔ چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ:

بیاق کئی اجزا پر مشتمل ہے۔ باب تجید جس میں حمد و ثنا کی نظمیں ہیں۔ نسخہ کیا جس
میں قرآن پاک سے متعلق نظمیں ہیں۔ ”ان کا ذکر و عقیقہ میرا“ میں نعتیہ کلام ہے۔ ”چراغ و مسجد و
محراب و منبر“ میں خلفائے راشدین پر لکھی گئی نظمیں ہیں۔

دائرہ (محور فکر) اور پس خبار (آئینہ ذات) کے عنوان سے آخری دو اجزا میں ایسی
نظمیں شامل کی گئی ہیں جو یا تو شاعر کے فکری کمالات کی آئینہ دار ہیں یا ان میں اس کے ذاتی
تجربات کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔ ان تمام نظموں کا تجزیہ تو یہاں ممکن نہیں لیکن بعض اہم نظموں کا
تذکرہ ضروری معلوم پڑتا ہے۔

بیاق کے پہلے جزو میں ایک نظم ہے ”وعیفہ گردش لہو“ جس میں عبادت کے مروجہ اور
ظاہر ہیں ابعاد کو ایسی وسعت عطا کی گئی ہے کہ مومن کی ساری زندگی مناجات کا ایک ترانہ بن
گیا ہے:

خاموشی خود ایک زباں ہے
جس میں آوازوں کی کوئی گونج نہیں ہے

جس میں لفظوں کی کوئی تشکیل نہیں ہے
اپنے رب کی حمد و ثنا میں
دعوت کن کا مدغم آہنگ ہو
یا سانسوں کے زیر و بم کا
اک بے نام تسلسل

کیا ہے
گر یہ تسبیح و تہلیل نہیں ہے؟
عرش انا سے واپس آ کر
ذات کی خاک بسرِ رفعت پر
اپنے یقیں کی محرابوں میں
آنکھوں کی پیشانی بن کر
فرش زمیں کو بوسہ دینا
کیا ہے

گر روح کے سجدہ کرنے کی تمثیل نہیں ہے؟

اسی طرح یثاق میں ایک اور لقمہ ہے ”فانی۔ لافانی“ جو تہ در تہ مختلف ابعاد کی حامل ہے۔ انسان کا جسم فانی ہے لیکن اس کا جذبہ عشق رسول ﷺ لافانی ہے کہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے:

صبح ازل

میرے معبود نے میرے خمیر میں
جب تخلیق کا جوہر رکھا
اک چمکی بھر خاکِ مدینہ بھی رکھ دی تھی
وہی تو میری شریالوں میں
لہو کی صورت

کہیا بننے کی حسرت میں دوڑ رہی ہے

اسی زندگی کی تشکیل متضاد اور مخالف عناصر سے مل کر ہوئی ہے۔ اس میں مکانی اور لامکانی، فانی اور غیر فانی، مقامی اور غیر مقامی، مادی اور غیر مادی، انفرادی اور اجتماعی سب ہی طرح کے اجزا کی

کارفرمائی نظر آتی ہے جو کچھ مکانی، مقامی، مادی اور انفرادی ہے وہ بالآخر فنا ہو جانے والا ہے اور جو کچھ غیر مادی اور لامکانی ہے وہ باقی رہے گا۔

یہ مٹی بھر مٹی
خاک میں مل جائے گی
لیکن وہ چٹل بھر خاک
جو صبح ازل میرے معبود نے
میرے خیر میں شامل کی تھی
شام ابد تک
شہرِ نبی ﷺ کا طواف کرے گی۔

بیٹاق میں خلفائے راشدین کے بارے میں ”جہراغ و مسجد و محراب و منبر“ نامی جزو میں جو نظمیں شامل ہیں ان میں ”قتل بے قصاص“ (حضرت عثمانؓ)، ”بندۂ مومن کا ہاتھ“ (حضرت علیؓ) اور ”حرف جلی“ (حضرت علیؓ) بڑی کامیاب نظمیں ہیں۔ ”وابستگان رسول میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حلیمہ صدیقہؓ، حضرت ابوالیوب انصاریؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ وغیرہم پر سرشار صدیقی نے جو نظمیں لکھی ہیں ان کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اردو کی موضوعاتی شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے بلکہ عشقِ رسول ﷺ کے نئے پہلو بھی اُجاگر ہوئے ہیں جس کا اظہار اس سے قبل اردو شاعری میں کم ہوا ہے۔



”رب آشنا“ ایک تجزیہ ایک تاثر

نعت نگاری اردو شاعری کی ایک مقبول اور اہم صنف بن چکی ہے۔ وادی شعر و سخن کے ہر مسافر کی یہ قلبی آرزو ہوتی ہے کہ محسنِ انسانیت ﷺ سے عقیدت و ارادت کے اظہار کے لیے نعت لکھنے کی سعادت حاصل کرے لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک دل میں حضور ﷺ سے محبت کا سمندر موجزن نہ ہو دل آویز اور روح پرور نعت تخلیق نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ پڑھنے والوں میں حاضری اور حضوری کی کیفیت پیدا کر سکتی ہے۔ غزل کے مستند شاعر قیصر مجنی جنہیں نظم گوئی اور نقدِ سخن پر کامل دسترس حاصل ہے نعت کے بھی بہت عمدہ شاعر ہیں۔ یہ بات اُن کے لیے باعثِ اعزاز و استخصاص ہے کہ نعتیہ ادب میں اُن کی لکھی نعت ایک وسیع اور گراں قدر اضافہ ہے۔ اُن کے نعتیہ مجموعہ ”رب آشنا“ میں غزل اور آزاد نظم کی ہیئت میں لکھی نعتوں کے علاوہ چار حمدیں شامل ہیں۔

نعت کی تاریخ، ارتقا اور اس حساس صنفِ سخن میں رواج پانے والی غیر مصدقہ روایات کا جائزہ لیتے ہوئے قیصر مجنی نے کتاب کے حرف آغاز میں اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ہمارے خیال میں سرکارِ رسالت ﷺ کی ذات اقدس اور منصبِ رسالت کا حقیقی عرفان ہی وہ کلید ہے جو در نعت گوئی کا قفل بھی وا کرتی ہے اور فکری گم رہی اور شعری بے راہ روی کے دروازوں کو متغفل بھی کرتی ہے۔

”رب آشنا“ کا مطالعہ کرتے ہیں ہر قاری کے اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ شاعر نے صنفِ نعت کے حوالے سے اپنے وضع کردہ اصول سے سربموانحراف نہیں کیا ہے۔ ممدوح

کائنات ﷺ کی مدح کرتے ہوئے انھوں نے کسی مقام پر بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ انھوں نے ہر قدم پر عقیدے اور عقیدت کے درمیان توازن برقرار کیا ہے۔ یوں ہر نعت میں انھوں نے سیرت نبوی ﷺ اور مقام رسالت کے ذکر میں ادب و احترام اور اتباع رسول کی اساسی اہمیت کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ وہ ایسی عقیدت و محبت کو بد نصیبی اور کج فہمی تصور کرتے ہیں جو آقائے دو جہاں ﷺ کی مکمل اطاعت اور قلیل احکام سے قبی دامن ہو۔ قیصر نجفی کی نعت در حقیقت انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ جمیل ہے۔ جب وہ نعت کہتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے مدینہ اپنی آنکھوں کے سامنے سجا رکھا ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

مری آنکھوں میں روح و جان و دل میں

مدینہ ہی مدینہ جاگزیں ہے

☆

یاد میں سرکار کی مت پوچھ دل کیا ہو گیا

گا ہے بٹھا ہو گیا گا ہے مدینہ ہو گیا

کیا کہوں میلا تھا کتنا میرا ملبوس حیات

مس ہوا خاک مدینہ سے تو اُجھلا ہو گیا

حضور اکرم ﷺ کا اسم گرامی اپنے اندر مدح و ثنا کے تمام آفاق اور موضوعات سیٹھے ہوئے ہے۔ مدوح کائنات کی ذات سے لے کر صفات تک کردار سے لے کر افکار تک صنفِ نعت کا موضوع بنتے رہے ہیں۔ قیصر نجفی کی لکھی نعت ان تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ انھوں نے حضور ختمی مرتبت ﷺ کی شخصیت کے ہر پہلو کو حسبِ توفیق نعت کا موضوع بنانے کی کوشش کی ہے۔ اُن کی لکھی نعتیں محض مصرع تراشی یا ترکیب سازی نہیں، اُن کی نوکِ قلم پر آنے والے الفاظ شبنم، چاندنی اور نکبتِ گل کی قبا پہن کر آتے ہیں اور یقیناً:

یہ حرفِ نعت ہے مدوحِ سخن ہے

یہی فن ہے یہی معراجِ فن ہے

انھوں نے نعت میں حضور ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کے نقوشِ اخلاص، عقیدت اور دردمندی سے اُتارے ہیں۔ ہر نعت میں شاعر کی کوشش اور آرزو یہ معلوم ہوتی ہے کہ محبت کا ہر جذبہ مدح و وصف کا ہر طریقہ اظہار اور ہر میرا یہ سخن سرور کائنات کے قدموں میں ڈال دیا جائے۔ وصف کے

ہزار رنگ پھول آپ ﷺ پر نچھاور کر دیے جائیں۔ انکھار عقیدت کا یہ انداز ملاحظہ فرمائیے:

مری کشتِ تمنا کیوں کسی برسات کو تر سے
گھٹا جب حیرتی رحمت کی سدا چھائے سدا بر سے
عقیدت کی جبین کیوں کراٹھائے وہ ترے در سے
پتا جس کو ملا ہے لامکاں کا بھی ترے گھر سے

ملتِ اسلامیہ جب جذباتی کرب میں مبتلا ہوتی ہے اُسے کربلا کی یاد آتی ہے۔ جب تہذیبی زوال کا شکار ہوتی ہے اُسے اندلس کی یاد سلاتی ہے اور جب اُسے روحانی آشوب درپیش ہوتا ہے اُسے مدینہ کی یاد دلاتی ہے۔ قیصرِ مہنجی کی نعت میں استکاٹے اور التماس کا رنگ عصرِ حاضر کی روحانی آشوب اور عصری کرب کا آئینہ دار ہے۔

یہ کیسی قیامت ہے نمازی سرِ مسجد
ہیں خون میں غلطان خبر لیجے آقا ﷺ
جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے اب گھر میں خدا کے
مسجد ہوئی ویران خبر لیجے آقا ﷺ

اپنی آزاد نظموں ”فریاد“ ”یہ کیا غضب ہے“ اور ”اعتراف“ میں بھی انھوں نے ملتِ اسلامیہ کے افتراق و انتشار کا نقشہ نہایت عمدگی سے کھینچا ہے۔ نظم ”اعتراف“ کی ان لائنوں کے آئینے میں مسلم معاشرے کی موجودہ دیگرگوں صورت حال کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔

خدا کے گھر کو بھی ہم نے مقتل بنا دیا ہے

حسین کے خانہِ عزاء میں

بھی خون کا دریا بہا دیا ہے

نمازیوں کی صفوں پہ بوجھاؤ گولیوں کی

بھی ہم نے کی ہے

حسین کے سوگواروں کی جاں

بھی ہم نے لی ہے

ہماری وحشت کی سب کی سب ہیں

یہ داستانیں

پولیس کے پہرے میں لوگ پڑتے ہیں اب نمازیں
پولیس کے پہرے میں لوگ دیتے ہیں اب اذانیں
یہ کھیل اندھے شعور کے ہیں
یہ قصے جرم و قصور کے ہیں
خدا ہے شاہد خدا سے زیادہ
ہم آج مجرم حضور ﷺ کے ہیں

دور حاضر کی نعتیہ شاعری کی اہمیت اور معنویت ہی یہی احساسِ کرب ہے۔ جس کا اظہار اوپر کی لائنوں میں کیا گیا ہے۔

”رب آشنا“ نعتیہ ادب کا ایسا قیمتی اثاثہ ہے جس کے مطالعہ سے ایمان اور آگہی کو نئی زندگی ہی نہیں ملتی فکر و عمل کی تیرگیاں بھی کافور ہونے لگتی ہیں۔ روحِ عمر سے ہم آہنگ اس مجموعے کی ہر نعت تغزل، غنائیت اور تخلیقی و فوری سے معمور ہے۔

مشقِ سخن اور صنفِ سخن میں عمریں بتانے والے بہت سے سخن وروں کے قلم نعت لکھنے کی آرزو کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ توفیقات پر ہر قلم کار کے نصیب میں کہاں۔ یہ عطائے ربی جن خوش نصیبوں کو میسر آتی ہے انھیں لوح و قلم کے مالک سامنے پھر سرِ نیاز نے جھکا دینا چاہیے۔ قیصرِ نجفی کے بجا طور پر اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ:

کرم ہے یہ مجھ پر رسولِ خدا کا
کہ عرفان ہے مجھ کو حرفِ ثنا کا

☆

حرفِ مدحت میں نے لکھا مستتر ٹوٹنے کیا
دل کو میں نے صاف رکھا اور گھر ٹوٹنے کیا

☆

کھلا یہ قلم نعتِ محمد ﷺ میں فنا ہو کر
کہ ملتا ہے کسی قطرے کو کیا کچھ اس سمندر سے

بلاشبہ نعت نہ تو صرف قدرتِ سخن ہے اور نہ ہی محض طبع آزمائی بلکہ یہ ایک روح پرور تخلیقی مرحلہ ہے۔ جو قلب و نظر کو روشن اور مشامِ جاں کو معطر کر دیتا ہے۔ قیصرِ نجفی نے اس مجموعے کی صورت

نہ صرف فنِ نعت کو نئی جہت اور نئی خوش بو سے روشناس کرایا ہے بلکہ اُن کی نعت اپنے رنگ، آہنگ اور فرہنگ کے اعتبار سے بھی جدید ہے۔ شیریں لفظیات، والہانہ ہدایہ اظہار اور مضمون آفرینی کے حوالے سے ”رب آشنا“ یقیناً نعتیہ ادب میں شان دار اضافہ تصور ہوگی۔ کتاب کے پبلشر نے اس مجموعے کے حوالے سے نہایت مناسب اور بر محل رائے کا اظہار کیا ہے کہ:

ان شاء اللہ مجموعہ نعت ”رب آشنا“ نعتیہ ادب میں ایک سنگِ میل ثابت ہوگا۔ اس مجموعہ نعت میں علییت بھی ہے، تفکر بھی، تنوع بھی اور تازہ کاری بھی۔

ہماری قلبی آرزو اور دلی تمنا یہ ہے کہ نعت لکھنے کا یہ موسم قیصرِ منجلی کے لیے ہمیشہ سازگار اور برقرار رہے۔

قلم ام محمد عیسیٰ لکھ رہا ہے
لب قرطاس پہ صلِ علی ہے
نہ ہو مدح نبی ﷺ کا ختم موسم
کہ یہ موسم مجھے راس آگیا ہے



حاصلِ مطالعہ

تبرہ نگار: پروفیسر قیصر نجفی

انتخابِ مناجات / طاہر سلطانی

حمد و نعت ہماری تاریخی، مذہبی اور تہذیبی اقدار ہیں۔ دونوں کا اولین نمونہ وہ کتاب آگئی ہے، جسے اللہ کا کلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ گویا کلام الہی حمد و نعت دونوں اصنافِ سخن کا نقطہ آغاز ہے۔ اگر اس حقیقت کے تناظر میں سوچا جائے تو حمد نگاری و نعت گوئی بہ یک وقت افعال و اقوالِ ربی کے اجتماع کی دو صورتیں قرار دی جاسکتی ہیں۔ جو بندگانِ رب حمد و نعت کے فروغ و اشاعت کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔ وہ بلاشبہ اُس کارِ احسن و مستحسن کو رواج دینے میں کوشاں ہیں، جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس حوالے سے ”جہانِ حمد“، ”نعت رنگ“ اور ”سفیرِ نعت“ کے کتابی سلسلوں کے مدیرانِ حضرات خصوصی داد کے مستحق ہیں، جو اپنے اپنے میدانِ عمل میں نہ صرف اپنی اور قارئین کی روحانی تہذیب کا سامان کرتے ہیں، بلکہ بعض تاریخی نوعیت کے کارنامے بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

”انتخابِ مناجات“ کتابی سلسلہ ”جہانِ حمد“ کا ایک یادگار تحقیقی کام ہے جو حال ہی میں منظرِ عام پر آیا ہے۔ ”جہانِ حمد“ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس کتابی سلسلے نے نہایت قلیلِ عرصے میں کم مائیگی اور بے بضاعتی کے باوجود حمد کے حوالے سے ایسے ہمالے سر کیے ہیں، جن کے تصور سے ہی روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر ان کا ذکر بے محل نہ ہوگا:

☆ ”خزینہ حمد“ (۴۰۴ شعرائے کرام کا حمدیہ انتخاب)

☆ ”اذانِ دیر“ (غیر مسلم شعرا کا حمدیہ انتخاب)

☆ ”حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر“ (۹۹ حمد گو شاعرات کا اولین تذکرہ و انتخاب)

☆ ”اردو میں حمد گوئی“ (نثری کتاب)

مناجات کے لغوی معنی دعا، التجا، عرض یا سرگوشی کے ہیں۔ مناجات اس نظم کو کہتے ہیں، جس میں خدا کی حمد بیان کر کے دعا مانگی جائے۔ دعا کا تعلق انسان کی نفسیات سے ہے۔ چوں کہ انسان ایک مجبور محض مخلوق ہے، اس لیے نفسیاتی طور پر وہ کسی مافوق الفطرت طاقت یا ماورائی قوت کی نصرت و استمداد کا ہمیشہ سے متغنی رہا ہے، چوں کہ اسلام میں فطرت انسانی کے مطابق ضابطہ حیات پیش کرتا ہے۔ لہذا اللہ نے انسان کی اس نفسیاتی احتیاج کے پیش نظر کئی مقامات پر اپنے کلام میں دعا کی تاکید فرمائی ہے۔

”ادعوا ربکم تضرعاً و خفياً“ (الاعراف، آیت ۵۵)

ترجمہ: اپنے رب کو پکارو گڑ گڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔

ایک دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا ہے:

”ادعونی استجب لکم“ (المومن، آیت ۶۰)

ترجمہ: مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

دعا کی اہمیت و افادیت احادیث نبوی سے بھی عیاں ہے۔ ترمذی، مسند احمد میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”ان الدعاء یبلغ مما نزل و مما لم یزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء“

ترجمہ: یعنی دعا ہر حال نافع ہے ان بلاؤں کے معاملے میں جو نازل

ہو چکی ہیں اور ان کے معاملے میں بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ پس اے

بندگان خدا تم ضرور دعا مانگا کرو۔

رسول اکرم ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ ”دعا میں عبادت ہے“ آپ ﷺ کی ساری عبادات مناجات سے عبارت ہیں۔ حضرت علیؓ کی ”نسخ البلاغہ“ میں اور حضرت زین العابدینؓ کی ”صحیفہ کاملہ“ میں مناجات قابل ذکر ہیں۔

پیش نظر ”انتخاب مناجات“ بلاشبہ ایک قابل صد تحسین و آفرین کاوش ہے۔ اس میں

کم و بیش ۳۰۰ قدیم و جدید اور معروف و غیر معروف شعرا و شاعرات کی مناجاتی

شاعری کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ ہر چند اس انتخاب میں بہت سے نام و شعرا خصوصاً

خدائے سخن میر انیس اور ناخدائے سخن مرزا دتیر کا مناجاتی کلام شامل اشاعت نہیں ہے، تاہم اس کی افادیت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے خیال میں اردو حمد و مناجات پر پہلا باقاعدہ تحقیقی و تنقیدی کام ڈاکٹر سید یحییٰ تھیل نے کیا ہے۔ اس کے بعد منظر عام پر آنے والا ہر کام (مناجات کے حوالے سے) قابل قدر ہی، لیکن ”انتخاب مناجات“ کی صورت میں طاہر سلطانی صاحب کی مساعی جلیلہ لائق داد و تحسین کے علاوہ تاریخی اہمیت کی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

کتاب کے صفحات ۳۹۹ ہیں، قیمت ۲۰۰ روپے ہے اور اسے جہان حمد پبلی کیشنز کراچی نے شائع کیا ہے۔

الصلوة والسلام (نعتیہ مجموعہ) / محمد علی صدیقی شیدا

حمد، نعت، مرثیہ اور سلام نے انسانی جذبات و احساسات کے ساتھ ساتھ شعرا کی سوچ اور فکر کی جس طرح تہذیب کی ہے، کسی دوسری صنفِ سخن نے شاید ہی اس طرح کی ہو۔ آج اظہار و بیاں میں سنجیدگی کا جو رجحان فروغ پانے لگا ہے، وہ انہی اصنافِ شعر کی دین ہے۔ بھرا اللہ! ماذیت پرستی کے اس روح فرسا دور میں بھی آج کا شاعر جویات، ہزلیات اور خرافات سے توبہ کی حد تک کنارہ کش ہے۔ گمان غالب ہے کہ نعت گوئی نے ہر طرح کی لغو نویسی اور بیہودہ گوئی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ گزشتہ تین دہائیوں سے جس مقدار اور رفتار سے نعتیہ مجموعے منظر عام پر آرہے ہیں۔ اس کی بنا پر ہم یہ پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اردو شعرا نے اپنا قبلہ درست کر لیا ہے۔ چند استثنائی مثالوں سے قطع نظر اب فزل اور نظم میں بھی حمدیہ، نعتیہ اور رثائی مضامین راہ پانے لگے ہیں۔ ہم تصور کی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ جلد ہی نعت سے مذہبی شاعری کی چھاپ ہٹ جائے گی اور عالم انسانیت، معلم انسانیت کے آفاق گیر کردار و عمل کا ادراک کر لے گا اور ہر انسان کا سرکار دو عالم ﷺ سے محبت اور اپنائیت کا ایک اٹوٹ رشتہ استوار ہو جائے گا:

قیصر وہ دن اب دور نہیں جب یہ کہے گا

ہر دور کا انسان ہمارے ہیں محمد ﷺ

لاکھوں درود و سلام ہوں اس انسانِ کامل پر، جس پر خود خالق اکبر درود و سلام بھیجتا ہے۔ نعتیہ مجموعہ

”الصلوة والسلام“ اسی ذات مقدس و اعلیٰ مدح و ثنا کا پرچم اٹھائے ۲۰۰۲ء میں منظرِ عام پر آیا ہے۔ محمد علی صدیقی شیدا کا حضور پر نور ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں یہ نذرانہ عقیدت و محبت سادگی و برجستگی زبان و بیان کی ایک خوب صورت مثال ہے۔ ابلاغِ فکر کے حوالے سے اس لائقِ تحسین مجموعے کے بعض اشعار اور مصرعے اس قدر سہل، رواں اور مترنم ہیں کہ پڑھتے ہوئے روح و دل جھوم اٹھتے ہیں:

تقریف اس کی لفظوں میں کرنا محال ہے	حسنِ رسول ﷺ آپ ہی اپنی مثال ہے
جھک جاتے ہیں سر از خود سجدہ نہ کہو اس کو	قابو میں نہیں رہتے جذبات مدینے میں
کیوں کر نہ ہو جاں پرور ہر بات مدینے میں	انوار کی بارش ہے دن رات مدینے میں
نظر آئے سبز گنبد تو بلائیں لوں میں اس کی	کبھی آنکھ کو اٹھا کر، کبھی آنکھ کو جھکا کر
یارب دل شیدا کو اس نور سے چمکا دے	جس نور کے صدقے میں عالم کو سجایا ہے
سب سے بڑا یہ وصف ہے میرے نصیب کا	میں اُمتی ہوں رب جہاں کے حبیب کا

محمد علی صدیقی شیدا کو نعت کہنے کا سلیقہ ہے۔ ان کے ہاں مدح و ثنائے رسول ﷺ میں نہ کہیں افراط و تفریط کا عنصر در آیا ہے اور نہ کہیں سرکارِ ﷺ کے مقام و مرتبہ کے حوالے سے تنقیص کا پہلو پیدا ہوا ہے۔ فکر خیال میں توازن اور اظہار و بیان میں اعتدال کی بنیاد پر شیدا صاحب کو ایک کامیاب نعت گو قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ انھوں نے مضامین میں تنوع پیدا کرنے کی کاوش نہیں کی ہے اور بعض مقامات پر زبان و بیان کی بے احتیاطیاں بھی ان سے سرزد ہوئی ہیں۔

تیری بندگی کریں فرشتے، شجر، حجر، انسان

تری بڑائی، تیری عظمت کرتے سبھی بیان

”بندگی“ کی ”ذ“ بالفتح ہے۔ جسے ساکن باندھا گیا ہے۔ شعر بے وزن ہو گیا ہے۔

جو زبانی دعوۂ عشق ہو تو نہ معتبر نہ ہی مستجب

تو حبیبِ رب ہے تو فرض ہے کہ بتائیں ہم تجھے جانِ جاں

”دعوۂ“ کی اِلا غلط ہے۔ درست اِلا ”دعویٰ“ ہے۔ ”مستجب“ کوئی لفظ نہیں ہے۔ ممکن

ہے شاعر نے ”مستجب“ لکھا ہے۔ شاید یہ لفظ کمپوزنگ کے تیر کا نشانہ بنا ہے۔

نور احمد سے ہیں معمور جو سینے والے

دنوں عالم میں ہیں توقیر سے جینے والے

”آنکھوں والے“ سننے میں آیا ہے۔ ”سینے والے“ مرکب لفظی نہ سننے میں آیا ہے،

پڑھنے میں...

رموز ہستی بتائے جس نے، بتایا درس قرآن کے لائق
اسی کی طاعت سے بن سکے ہم شہود رب جہاں کے لائق
”قرآن“ بروزن ”نازاں“ ہے۔ جب کہ اس شعر میں ”گمان“ کے وزن پر باندھا
گیا ہے۔ شعر خارج از بحر ہے۔

الہی عرفان کے واسطے تو مشعل
الہی عالم کا تُو ہی تو ہے ماحصل
”مشعل“ بروزن ”بے کل“ ہے۔ جب کہ یہاں بروزن ”کل“ استعمال ہوا ہے۔
جس سے شعر وزن سے باہر ہو گیا ہے۔

دیکھا جنہوں نے ایک جھلک بھی حضور ﷺ کی
وہ لوگ زہد و تقویٰ کے سانچے میں ڈھل گئے
لفظ ”دیکھا“ کے بجائے لفظ ”دیکھی“ استعمال ہونا چاہیے تھا۔
ذکر رسول ﷺ کرتے ہیں اصحاب اس طرح
قرآن ہی قرآن ہے خیرالورثی کا رنگ
دوسری بار ”قرآن“ بروزن ”گمان“ استعمال ہوا ہے۔ جو غلط ہے۔ شعر خارج از
بحر ہے۔

یہ ایک معلوم بات ہے کہ حضور ﷺ کے نام کے ساتھ تحریر و تقریر دونوں میں صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم لکھنا اور بولنا محبت و احترام کا تقاضا ہے۔ شیدا صاحب نے اپنے نعتیہ مجموعے میں
اس امر کا کہیں بھی اہتمام نہیں کیا ہے۔ اگر عمومی روش اختیار کرتے ہوئے وہ رسول کریم ﷺ کے
نام پر صرف ”ؐ“ لکھ دیتے تو شاید ہم اتنے آزرده نہ ہوتے، جتنے اب ہوئے ہیں۔
کتاب کے صفحات ۱۲۲، قیمت ۱۰۰ روپے ہے اور اس خوب صورت کتاب کو مکتبہ
دین و ادب لکھنؤ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ریاض مدحت (نعتیہ مجموعہ) / سید ریاض حسین زیدی

”ریاض مدحت“ سید ریاض حسین زیدی کا اولین نعتیہ مجموعہ ہے، جو ۲۰۰۰ء میں شائع
ہوا ہے۔ اردو ادب کے مایہ ناز تنقید نگار ڈاکٹر وزیر آغا کے فلیپ، صاحب طرز نعت گو

سید نصیر الدین نصیر (گولڑہ شریف) کے پیش لفظ، حمد و نعت کے ممتاز محقق و نقاد ڈاکٹر عاصی کرناٹی کی رائے کے ساتھ منظر عام پر آنے والے اس نعتیہ مجموعے میں کم و بیش دس دیگر صاحبانِ فکر و نظر کی آرا بھی شامل اشاعت ہیں، جو تقریباً پچاس صفحات پر محیط ہیں۔ ”ریاضِ مدحت“ میں شاعر نے سرکارِ رسالت ﷺ سے اپنی قلبی، روحانی اور لسانی نسبت و تعلق کا بے حد والہانہ انداز میں اظہار کیا ہے اور ان کیفیات کو زبان دینے کی کاوش ہے، جو حبیب ﷺ رب سے دُوری و مہجوری یا ان کی حضوری کے دوران میں ان کے دل و دماغ پر وارد ہوئی ہیں۔ ہمارے یہاں نعت گوئی کا عمومی اسلوب بھی یہی ہے۔ دراصل حضور سرور کائنات ﷺ سے محبت ہمارا سرمایہٴ حیات ہے، یہی وہ نقدِ زندگی ہے، جو ہر دو جہاں میں ذہنی آسودگی اور روحانی بالیدگی کا ضامن ہے۔ سید ریاض حسین زیدی حیات و کائنات کے اس رمز سے بخوبی آگاہ ہیں۔ بتائیں انھوں نے اپنی نعت گوئی کی بنیاد جذبہٴ حبِ رسول مقبول ﷺ پر رکھی ہے۔ تاکہ وہ اس جہاں میں بھی کامیاب رہیں اور دوسرے جہاں میں بھی سرخ رُو ٹھہریں۔ ان کی شاعری کا محرک سرکارِ ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اس امر کا انھوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے:

میں خوشہ چمن ازل سے حضورا ﷺ آپ کا ہوں

ریاض! نعت مرا وصفِ اکتسابی ہے

بعض دیگر شعرا کے لیے نعت کے علاوہ اصنافِ سخن بھی باعثِ حظ و انبساط ہو سکتی ہے۔ مگر ریاض کو نعت گوئی ہی میں لطفِ اظہار و بیان نصیب ہوا ہے:

زباں کو لذتِ اظہار کا حرا آئے

جب اس سے وصف، نبی ﷺ کا بیان ہو جائے

البتہ ممدوحِ خدا، انسانِ کامل، فوق البشر، معلمِ انسانیت، ہادیِ برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے شکل و شمائل کی نقشِ گری میں دیگر انسانوں کی طرح زیدی صاحب بھی اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں:

آپ ﷺ کے حسنِ مجسم کو کہاں تک سوچے

نقشِ گر اس کے خدو خال بنائے کیسے

”ریاضِ مدحت“ نعتیہ شاعری میں فکری اخلاص، جذباتی صداقت اور جذبِ دروں کا ایک عمدہ نمونہ ہونے کے باوصف زبان و بیان کی غلطیوں اور عروضی و فنی بے احتیاطیوں سے خالی نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں ریاض صاحب نے کسی استاد فن کے آگے زانوئے تلمذ نہ نہیں کیا

ہے اور موزونی طبع ہی پر اکتفا کیا ہے:

ظلمتوں کی یورش پیہم پہ سکتے آگیا

”سکتے آنا“ محاورہ نہیں ہے۔ درست محاورہ ”سکتے میں آنا“ ہے۔

مردہ دلوں کی داد رسائی ہے آپ سے

”داد رسائی“ کی ترکیب محل نظر ہے۔ درست ترکیب ”داد رسی“ یا ”داد بخشی“ ہے۔

پھر سے ہوائے شہر مدینہ دکھائی دے

”ہوائے“ کے بجائے ”فضائے“ ہونا چاہیے تھا۔

تو جد ہے مری تو بھی نہ دیکھے تو غضب ہے

”جد“ عربی زبان کا لفظ ہے اور مذکر ہے۔ شاعر نے مونث ہاندھا ہے۔

رسم اپنائیت چلی ہے آپ سے

”اپنائیت“ کی املا غلط ہے۔ دست املا ”اپنائیت“ ہے۔ یہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔

مصرع خارج از بحر ہے۔ نیز ”رسم“ عربی کا لفظ ہے۔ عربی اور ہندی کے لفظ میں اضافت کا استعمال جائز نہیں ہے۔

منظر ہیں وہی روح میں آئینہ نصب سے

مصرع خارج از بحر ہے۔ لب، سب، غضب، عرب وغیرہ کے ساتھ ”نصب“ کو بطور

قافیہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ ”نصب“ ص بالجزم ہے، بالفتح نہیں ہے۔

یہ کائنات مطیع اک عرب کے شاہ کی ہے

مصرع وزن سے باہر ہے ”مطیع“ کی ع گر رہی ہے۔

گر آنکھ سے تو دیکھ لے شہرہ حضور ﷺ کا

شہرہ سنا جاتا ہے، دیکھا نہیں جاتا۔

صدق صفا سے آئینہ دل ہوا جلا

دل جلا نہیں ہوتا بلکہ مجلا ہوتا ہے۔ زبان و محاورہ کی غلطی ہے۔

سرِ مژگاں ستارہ کھل رہا ہے

ستارہ چمکتا ہے۔ کھلتا نہیں ہے۔

ریاضِ نعت کا ہر پھول پاکیزہ، نوبلا ہے

جیلہ، جلیلہ، حیلہ وغیرہ کے ساتھ ”نویلا“ کا قافیہ درست نہیں ہے۔

روزِ ازل سے جنت ہے دل پر حرمت مسجدِ نبوی کی

”نبوی“ کی ”ب“ بالفتح ہے۔ مصرع میں ساکن باندھی گئی ہے۔

طوالت کے خوف سے چند دیگر تسامحات کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ اُمید کی جاسکتی

ہے کہ ریاضِ زیدی صاحب ایسی فروگزاشتوں (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) سے احتراز کریں گے۔

کتاب کے صفحات ۲۵۶، قیمت ۱۵۰ روپے ہے اور اس کو ادبِ سرائے ساہیوال نے

شائع کیا ہے۔

آبرو (نعتیہ مجموعہ) / محمد حنیف نازش

اگر بیسویں صدی کے ربحِ آخر کو بقول حافظ لدھیانوی ”نعت کا زمانہ“ اور بقول حفیظ

تائب ”بہارِ نعت“ سے تعبیر کیا جائے تو اکیسویں صدی کے اوائل کے زمانے کو ”پرچم کشائے

نعت“ کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ گزشتہ تین برسوں میں عوام و خواص میں نعت کی مقبولیت

کا گراف جس تیزی سے اوپر گیا ہے، اس کے تاثر میں ہم پورے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ

اکیسویں صدی نعت کا پرچم اٹھائے آگے بڑھ رہی ہے۔ آج شعرا جس وارفتگی، والہانہ پن اور فرط

شوق سے نعت گوئی کر رہے ہیں، اس کی پہلے مثال نہیں ملتی۔ اس پر مستزاد میلاد کی محافل، مولود کی

محال اور نعت خوانی کے جلسے جس عاشقانہ سرشاری و سرمستی کے ساتھ کثرت سے منعقد ہو رہے

ہیں۔ اس کی بنا پر بہ آسانی پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ شعر و ادب کے حوالے سے اکیسویں صدی

نعت کی صدی ہے۔ ہمارے خیال میں ناقدینِ فن بھی اب نعت سے بحیثیت ایک صنفِ سخن صرف

نظر نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ گزشتہ دہائی سے نعتیہ ادب میں تخلیق، تنقید اور تحقیق کا جو سیل رواں

دیکھنے میں آیا ہے، اس کے آگے بند باندھنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس امر کی محض

روحانی ہی نہیں، عقلی اور منطقی تاویل بھی یہ ہے کہ ذکر کا پرچم اللہ نے بلند کیا ہو، وہ کبھی سرنگوں

نہیں ہو سکتا۔

آج ہمارے سامنے اس رفیع الشان ذکر کی بھری کاوش کا ایک عمدہ نمونہ ”آبرو“ کے

نام سے موجود ہے۔ جسے حفیظ تائب، ریاض مجید، ڈاکٹر عاصی کرنالی اور افتخار عارف جیسے اہلِ فکر و

فن نے تحسین کی نظروں سے دیکھا ہے۔ محمد حنیف نازش کی نعت ان کے دل پینا کا استعارہ، جذب دروں کی علامت اور حسنِ مشترک کی طہارت کی ترجمان بن کر سامنے آئی ہے۔ ان کا سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے جو رشتہ ہے، اس کی بنا ان کی جبلت و فطرت سے اٹھائی گئی ہے۔ وہ بہ یک وقت نعت خواں بھی ہیں اور نعت گو بھی۔ گویا نعت خوانی ان کا وظیفہ جاں اور نعت گوئی حرز جاں ہے۔

”آبرو“ نازش صاحب کا دوسرا نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے ”نخن نخن خوشبو“ کے نام سے ان کا ایک نعتیہ مجموعہ منظرِ عام پر آچکا ہے۔ ان دونوں مجموعوں میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں کے لب و لہجہ میں عوامیت بھی ہے اور ادبیت بھی۔ ”آبرو“ میں نازش صاحب نے قرآن فہمی اور حدیث شناسی کے شواہد بھی پیش کیے ہیں۔ ان کے بعض اشعار قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیثِ نبوی کی تعبیر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے نعت کے مانوس مضامین پر بھی اپنے انداز سے طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی مضمون آفرینی اور زبان و بیان کی چاشنی اور اثر پذیر ی کا یہ عالم ہے کہ ان کی دو نعتیں مختلف اوقات میں ملکی سطح کے مقابلوں میں ایوارڈ حاصل کر چکی ہیں۔ محمد حنیف نازش کے نعتیہ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

جیسے جی چاہے، جہاں میں گھوم پھر	یہ مدینہ ہے، یہاں آہستہ چل
در پہ آیا ہوں بڑی مدت کے بعد	اے مری عمر رواں آہستہ چل
آج بھی دیکھیے جا کر جو قبا کا ماحول	طلع الہدٰی علیہا کی صدا آتی ہے
سینہ پاک ہے صدائقِ الم تشریح کا	اور والفجر ہے آئینہ رخسار کی بات
دروازہ یوزابؑ ہیں، آقا ﷺ ہیں شہرِ علم	وہ مرتضیٰؑ کی شان ہے، یہ مصطفیٰؐ کی شان
کر گئی دل میں مرے گمراہ کی یہ بات	مر پہ مکہ کے بھی ہے خوب دستارِ حرا
دشمن جاں بھی اعتراف کرے	اس قدر خوش خصال ہیں سرکارِ ﷺ
نوع بشر پہ حق کی عنایت کی حد نہیں	نوع بشر کو خیر بشر دے دیا گیا

کتاب کے صفحات ۱۶۰، قیمت ۱۸۰ روپے ہے اور اسے قادری پلازہ منڈی ایریا کاموکی ضلع گوجرانوالہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

باریابی (نعتیہ مجموعہ) / صدیق شاہد

صدیق شاہد ایک غزل گو کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے اب تک غزلوں

کے تین مجموعے ”صحرا میں سمندر“، ”رنج سفر“ اور ”اک سفر“ کے ناموں سے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ”باریابی“ صدیق شاہد کا نعتیہ مجموعہ ہے، جو ۲۰۰۱ء کو شائع ہوا ہے۔ فی زمانہ منصف شہود پر آنے والے نعتیہ مجموعوں میں یہ ایک قدر مشترک ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر مجموعوں کی نعتیں غزل کی ہیئت (form) میں کہی گئی ہیں۔ ”باریابی“ کو یہ تخصیص حاصل ہے کہ اس میں شامل اشاعت نعتوں میں تغزل کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ غزل میں تغزل کی جوت جگانا ایک ایسا دشوار عمل ہے کہ دانتوں پسینہ آجاتا ہے، چہ جائے کہ نعت میں اس کا التزام کرنا... لیکن صدیق شاہد کار دشوار بڑی کام گاری سے کر گزرے ہیں۔ درحقیقت صدیق شاہد کی شاعری کی تہذیب غزل کی ہے۔ بنا بریں انھوں نے نعت گوئی میں بھی غزل کا قرینہ اپنایا ہے۔ حتیٰ کہ مضمون آفرینی، خیال آرائی اور اظہار و بیان میں بھی غزل کے کلاسیکی رنگ و آہنگ کو ملحوظ رکھا ہے۔ ان کی لفظیات غزل کے لغت سے مستعار ہیں۔ انھوں نے ہماری نعت میں زیادہ تر مستعمل الفاظ اور تراکیب و مرکبات لفظی کے استعمال سے اجتناب برتتے کی شاید شعوری کاوش کی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی نعت میں شعری جمالیات کی جلوہ گری ہے:

کئی نہیں ہے مری نارسائی کی زنجیر حرم کو قافلے اب کے برس بھی جانے لگے
دل شکستہ دیار حبیب ﷺ کی جانب گمراہ میں اٹک ندامت لیے روانہ ہوا
بدلے بدلے سے نظر آتے ہیں احساس و خیال میں نہ ایسا تھا مری کس نے یہ حالت کر دی
ہماری کوئی ادا تو انھیں پسند آئے تمام عمر یہ سودا ہمارے سر میں رہا
وہ جاں نواز تبسم، وہ مہرباں لہجہ جدھر بھی جائیں دلوں کو لبھائے پھرتے ہیں
نعت کے آئینے میں ایک ایسی عظیم الشان ہستی کی سیرت و شخصیت کے خط و خال کا
عکس اجاگر ہوتا ہے، جو سر تا پا اللہ کی شناخت ہے۔ اس ذات محمود کو حق نما کہا گیا ہے۔ ان
کے قول و فعل کو اللہ نے اپنا قول و فعل قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ اس ذات باری نے اپنے کئی ایک
صفائی نام ان کے نام کر دیے ہیں۔ صدیق شاہد ان تمام امور کی رمز سے واقف و آگاہ ہیں۔ اس
حوالے سے انھوں نے ایک عجب شعر کہا ہے، جو ہمارے خیال میں اس بحث کا باب بند کرنے
کے لیے کافی ہے۔ جو حضور ﷺ کی ذات و صفات کی تفسیر و تعبیر اور ان کے خصائص و فضائل
اظہار و بیان کے تاثر میں چھڑے ہوئے ہیں:

قرآن نے رؤف و رحیم آپ ﷺ کو کہا
ہم کون ہیں جو شان نبی ﷺ اس سے کم کریں

صدیق شاہد نے نعت کے مخصوص اور عمومی ہر نوع کے موضوعات و مضامین پر اشعار کہے ہیں۔ ان کے یہاں سیرت و شخصیت نگاری بھی ہے اور مدح و ثنا بھی۔ فریاد و استغاثہ بھی ہے اور ندامت و شرمندگی کا اظہار بھی۔ دوری و مجبوری کا درد بھی ہے اور حضوری کی حسرت و آرزو بھی۔ گناہوں کا تاسف بھی ہے اور عجز بیانی کا اعتراف بھی۔ البتہ ہر جگہ انھوں نے اپنا لب و لہجہ برقرار رکھا ہے:

کمال و فضل کے ہر نقطہ نہایت پر وہ تاج دار نبوت زمانے بھر میں رہا
کشادہ دست کرم اس قدر کہ یوم وصال دیا جلانے کو شاہد نہ تیل گھر میں رہا
یہ دور ہم پہ بہت شاق ہے مرے آقا ﷺ گو ابتلا کے کئی دور ہم پہ گزرے ہیں
رنگ آقا ﷺ کی اک جھلک بھی نہیں جی تو ہم بھی رہے ہیں جینے کو
شاہد اب صل علی کہہ کے خن ختم کرو دم لکھا ہے یہاں قوت گویائی کا
ہم صدیق شاہد سے گزارش کریں گے کہ وہ اس شعر پر نظر ثانی کریں۔ ہمارے خیال میں لذت گناہ میں ڈوبا ہوا شخص آقا ﷺ کی پناہ میں نہیں ہوتا۔ البتہ وہ پناہ کی تمنا کر سکتا ہے:

اگرچہ ڈوبا ہوا لذت گناہ میں ہوں

طمأنیت ہے کہ آقا ﷺ کی میں پناہ میں ہوں

اگر یہ شعریں ہوتا تو مناسب تھا:

اگرچہ صبح و ما دیدہ گناہ میں ہوں

طمأنیت ہے کہ آقا ﷺ کی میں پناہ میں ہوں

کتاب کے صفحات ۱۶۰ اور قیمت ۱۲۰ روپے ہے اور اس کو خزینہ علم و ادب اردو

بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔

اُجالوں کا سفر (نعتیہ مجموعہ) / سید شاہ نصیر الدین بسمل ابوالعلائی

سید شاہ نصیر الدین بسمل ابوالعلائی کا شمار حیدرآباد (انڈیا) کے معروف شعرا میں ہوتا

ہے۔ شاعری میں انھیں سرمد کن حضرت امجد حیدر آبادی، سیف الکلام حضرت سیف حموی البیلانی

اور رئیس الشعرا حضرت علامہ قدر عریضی سے شرف تلمذ نصیب رہا ہے۔ قبل ازیں ان کے چار

مجموعہ ہائے کلام ”پلکوں کی دستک“ (نعتیہ)، ”آواز کے پوسے“ (مستحقی)، ”کھکھول میں سورج“

(غزلیں) اور ”یومہ یومہ سمندر“ (رباعیات، قطعات، توارخ) کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ”اُجالوں کا سفر“ ان کا پانچواں شعری مجموعہ ہے، جسے انھوں نے دیوان قرار دیا ہے۔ یہ ایک نہایت ضخیم دیوان ہے، جو کم و بیش ۵۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں حمد، نعت، منقبت، سلام، رباعیات، قطعات توارخ وغیرہ جیسی اصنافِ سخن کی جلوہ گری ہے۔ اس دیوان کی اساس سادہ بیانی پر رکھی گئی ہے۔ سلاست بیان و بیان نے جہاں ابلاغ و ترسیل فکر کو آسان بنا دیا ہے، وہاں کلام میں ”از دل خیزد و بر دل ریزد“ والی کیفیت بھی پیدا کر دی ہے۔ ہر مصرع اور ہر شعر شاعری کے جذبہ صادق کا ترجمان ہے۔ اور حضور ﷺ کی ذات و صفات سے ان کی عشق کی حد تک جذباتی وابستگی کی تفسیر بیان کرتا ہے:

تمام عمر کے سجدوں کا لطف آیا ہے جب آستانِ محمد ﷺ پہ سر جھکایا ہے
سرکار ﷺ کو اس آنکھ سے دیکھا نہ کسی نے جس آنکھ سے دیکھا ہے اولیں قرنیٰ نے
بے قراری ہی بنی وجہ قرارِ دل و جاں یہ ہے وہ درد کے نام اس کا دوا رکھا ہے
محویت ایسی ہے جلوں میں شہِ خواہاں کی میں نے خود کو نہیں عالم کو بھلا رکھا ہے
کعبہ کی تو بنیادِ ظلیل آپ نے رکھی اور کعبہ دل کے مرے سرکار ﷺ ہیں معمار
”اُجالوں کا سفر“ کی جس خوبی نے ہمیں سب سے زیادہ متاثر کیا ہے، وہ ہے سرکار ﷺ کی سیرت نگاری... جس پر بہت صاحب نے بطور خاص توجہ دی ہے۔ ہمیں بعد افسوس اس تلخ حقیقت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے کہ فی زمانہ شائع ہونے والے اکثر نعتیہ مجموعے اس انسانِ کامل و اکمل کے کردار و عمل کے بیان سے عاری و خالی ہوتے ہیں، جن کی نعت کا مطلب و مفہوم اور بنیادی تقاضا ہی سیرت نگاری ہے۔ ”اُجالوں کا سفر“ میں بہت صاحب نے کئی مقامات پر حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا ذکر جمیل کیا ہے اور اس کے اتباع کی تلقین کی ہے:

عجب ان کا اندازِ لطف و کرم ہے عدو کو بھی ہیں وہ دعا دینے والے
انسان پہ احسان کیا یوں نہ کسی نے انسان کو انسان بنایا ہے نبی ﷺ نے
کارہائے دنیوی ہوں یا ظاہرِ اخروی ان کے نقشِ پا کی حاجت ہم کو ہر منزل پہ ہے
سیرت کو جو سمجھا تو سمجھ میں بھی آیا قرآن ہی قرآن ہیں سرکارِ دو عالم ﷺ
جو تھے ناآشنائے حق انھیں حق آگئی بخشی سراپا حق نما بن کر رسول ﷺ دوسرا آئے
نعت غیر متوازن اظہارِ بیان کی متحمل نہیں ہے۔ اس نہایت اہم فی سکتے کی معرفت کتنے نعت گو

شعرا کو حاصل ہے۔ یہ بھی ایک لمحہ فکریہ ہے۔ بحوالہ نعتیہ صاحب نے اپنے کلام میں توازن و اعتدال کا دامن تھامے رکھا ہے اور کہیں بھی سرکار رسالت ﷺ کے مقام و مرتبہ یا شخصیت و کردار نگاری میں افراط و تفریط یا تنقیص کا پہلو پیدا نہیں ہونے دیا ہے:

ان صفات پر تم کو کیا سے کیا سمجھ لیتا روکتیں نہ زنجیریں گر مجھے شریعت کی ہر انساں نے بقدر ظرف سمجھا ہے محمد ﷺ کو حقیقت میں خدا کو علم ہے ان کی حقیقت کا اور اس کے سوا کیا ہیں خدا ہی کو خبر ہے ہم جانتے ہیں محرم اسرار ہیں سرکار ﷺ حق سے واصل بھی ہیں مخلوق میں شامل بھی ہیں حق کے عرفان سے ہے آپ ﷺ کا عرفان مشکل بے نکتہ صاحب نے بھی زیادہ تر نعت کے انہی مضامین و موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ جو عمومی طور پر نعت گو شعرا کے ہاں ملتے ہیں۔ ”اجالوں کا سفر“ میں مضمون آفرینی کے حوالے سے انہوں نے کوئی فکری اُچھٹا نہیں دکھائی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے کئی ایک مضامین و موضوعات کا بار بار اعادہ کر کے اپنے کلام میں ایک نوع کی یکسانیت پیدا کر دی ہے۔ لہذا مضمون و موضوع اور فکر و خیال کے تنوع سے کلام میں جو جاذبیت پیدا ہوتی ہے ”اجالوں کا سفر“ اس سے محروم رہ گیا ہے۔ بے نکتہ صاحب نے اپنی بعض تخلیقات کو ”ملی جلی نعت پاک و منقبت شریف“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اردو شاعری میں اس نام کی کوئی صنفِ سخن نہیں ہے۔ ایسی تخلیقات نہ تو نعت کے زمرے میں آتی ہیں اور نہ ہی انہیں منقبت قرار دیا جاسکتا ہے۔ بنا بریں نعت گو شعرا سے ہم استدعا کرتے ہیں کہ نعت کو نعت اور منقبت کو منقبت رہنے دیا جائے۔ ورنہ اس روش سے دونوں کے ایک باقاعدہ صنفِ سخن بننے کے استحقاق کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہے۔ مزید برآں زود و بسیار گوئی سے تسامحات کے سرزد ہونے کا جو امکان ہوتا ہے، اس کی ایک آدھ مثال ”اجالوں کا سفر“ میں بھی موجود ہے۔

کتاب کے صفحات ۵۲۹ ہیں، قیمت ۱۵۰ روپے اور محارف اسلامیہ ٹرسٹ، حیدرآباد

دکن سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سرمایہ نجات (حمید و نعتیہ مجموعہ) / ڈاکٹر محبوب رائے

ڈاکٹر محبوب رائے ایک ہمہ جہت قلم کار ہیں۔ نظم و نثر دونوں اصنافِ ادب میں انہوں نے تخلیقی کاوشیں کی ہیں۔ بنیادی طور پر وہ ایک غزل گو ہیں۔ تاہم ایک کام کار نظم نگار کی

حیثیت سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ خصوصاً بچوں کے لیے لکھی گئی ان کی نظموں کو بہت پسند کیا گیا ہے۔ نقد و نظر سے بھی شغف رکھتے ہیں اور گفتگو نگاری کی طرف بھی مائل ہیں۔ ان کی مزاحیہ تحریریں ادبی رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر محبوب رائے کی شعری و نثری تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ ثبات

۲۔ تردید

۳۔ بازیافت

(چاروں مجموعہ ہائے غزلیات)

۴۔ پیش رفت

۵۔ رنگارنگ

(دونوں بچوں کی نظمیں)

۶۔ گل بوئے

۷۔ مظہر حنفی حیات، شخصیت اور کارنامے (تحقیقی مقالہ)

۸۔ تری آواز کے اور مدینے (پابند نظمیں)

۹۔ غزل رنگ (دیوانگري رسم الخط میں)

”سرمایہ نجات“ ڈاکٹر محبوب رائے کی دسویں تصنیف ہے۔ یہ ان کی مذہبی شاعری کا نقش ثانی ہے۔ اس سے پیش تر وہ ”تری آواز کے اور مدینے“ میں اخلاقی، اصلاحی اور نعتیہ رنگ کی شاعری پیش کر چکے ہیں۔ ”سرمایہ نجات“ میں حمد و مناجات اور نعت و منقبت کے حوالے سے کلام ملتا ہے۔ علاوہ ازیں چند دوہے اور رباعیات بھی شامل اشاعت ہیں۔ البتہ وہ بھی حمدیہ و نعتیہ مضامین سے مملو ہیں۔ ڈاکٹر محبوب رائے کی تمام تخلیقی کاوشیں مذہبیات و اخلاقیات کے افکار و خیالات سے عبارت ہیں۔ وہ روایات کے پاسدار، ملت اسلامیہ کی اصلاح کے خواہر اور اتحاد بین المسلمین کے نقیب ہیں۔ درج ذیل اشعار سے ان کی تعمیری سوچ، مذہبی رجحان اور مقصدیت پسندی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

یہ لوگ کس لب و لہجہ میں بات کرتے ہیں
یہ کس طرح کا ہے انداز گفتگو اللہ
کارواں سے جو تعلق تھا کبھی رائے کا
مدتیں گزریں کہ وہ ٹوٹ چکا ہے یارب
دست مسلم سے عزائم کی نہ چھوٹے چوار
جب بھی گرداب میں ملت کا سفینہ آئے
سفاوت، شجاعت، صداقت، عدالت
یہ ہیں دین حق کی بلندی کے زینے

رباعیات:

یہ فرق عقائد کا یہ مسلک کے تضاد
سوچو کہ اک عالم ہے تمہارا دشمن
ہیں کچھ بھی باتیں سبب بغض و عناد
اور تم، کہ ہو آپس میں ہی مائل بہ فساد

ہر قوت باطل کو کچل سکتے ہیں ادبار کے بچوں سے نکل سکتے ہیں
اسلام پہ گر متحد ہو جائیں تو ہم آج بھی دنیا کو بدل سکتے ہیں
ڈاکٹر محبوب کی حمد ہو یا نعت، ان کے دلی جذبات کی عکاس ہے۔ ان کے لہجے میں
صداقت اور انداز بیان میں سوز و درد مندی ہے۔ انھوں نے سیدھے سادے الفاظ میں اپنی درونی
واردات و کیفیات کو زبان دینے کی لائق حمین سعی کی ہے اور کہیں بھی تکلف یا قصع کو در آنے کی
اجازت نہیں دی ہے۔

ترے جب بلاوے کا پیغام آئے کہ جب زیست کی آخری شام آئے
خدایا لبوں پر ترا نام آئے بھی نام اس دم مرے کام آئے
نہیں میں کچھ اس کے سوا چاہتا ہوں
خدایا ترا آسرا چاہتا ہوں

☆

تمنا ہے در اقدس پہ لکے میرا دم شاہد
نہ کچھ اس سے زیادہ ہو نہ ہو کچھ اس سے کم شاہد

☆

لوں نہ اک ذرہ خاک در احمدؑ کے عوض
لے کے قارون بھی جو اپنا خزینہ آئے

ہر چند ڈاکٹر محبوب راہی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں، مگر انھوں نے ”سرمایہ حیات“ میں
زبان و بیان کے حوالے سے خاصی بے احتیاطیاں کی ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کی
نشان دہی پر اکتفا کرتے ہیں:

بصیرت تو ہی بے بصیروں کی ہے
ہر اک بے دباں کے اشاروں میں تو

تواعد زبان کی رو سے ”بے بصیروں“ کی ترکیب لفظی غلط ہے۔
 یلغار ہول ناک بلاؤں کی ہے پیہم
 ہے خوف کی شدت سے بدن مثل مرے اللہ
 ”ہول ناک“ کی ”و“ بفتح استعمال ہوئی ہے، جو غلط ہے۔ ”و“ ساکن پڑھنے سے شعر
 بے وزن ہو جاتا ہے۔

کچھ نہ کر پایا میں اپنے دین و ملت کے لیے
 تھی مری جدوجہد بس مال و دولت کے لیے
 شعر خارج از بحر ہے۔ ”جدوجہد“ باندھنا چاہیے تھا۔ مگر بحر کو قائم رکھتے ہوئے۔
 جانتا ہوں میں مبادت تری مجھ پہ فرض ہے
 کچھ نہیں بس اک مجھے ناکارہ پن کا مرض ہے
 ”مرض“ کی ”ز“ بفتح استعمال ہوتی ہے۔

ہر گھڑی دیہ تسلط میں رہا شیطان کے
 پرچے میں نے اڑائے اپنے ہی ایمان کے
 ”پرچے“ کی ”پ“ اور ”ز“ دونوں بفتح استعمال ہوتے ہیں۔
 تو رحیم ہے تو کریم ہے مجھے اپنے کرم سے نواز دے
 مرے ذہن کو کرب شعور دے مرے دل کو سوز و گداز دے
 شعر خارج از بحر ہے۔

دقار مجسم محمد ﷺ، محترم معظم محمد ﷺ
 ہے بعد از خدا اک وہی ذات اقدس، معزز محترم محمد ﷺ
 دونوں اشعار بے وزن ہیں۔

کتاب کے صفحات ۲۵۲، قیمت ۱۲۵ روپے اور اسے مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی سے حاصل
 کیا جاسکتا ہے۔

خلق مجسم (مجموعہ حمد و نعت و منقبت) / سید محمد حنیف اختر ملیح آبادی

گزشتہ ربع صدی میں مشرق وسطیٰ، یورپ، امریکا اور کینیڈا میں آباد اردو کی نئی بستیوں

سے شعر و ادب کے حوالے سے تخلیقی کام جس مقدار و معیار سے سامنے آیا ہے، وہ ایک نیا دبستان تشکیل دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس دبستان کی تخلیقی کاوشوں پر تحقیقی و تنقیدی کام کے ساتھ ساتھ ان افراد کی پذیرائی بھی از بس ضروری ہے، جنہوں نے اردو زبان و ادب کے فروغ کو اپنے فرائض منصبی کی طرح اہمیت دی ہے اور جسے مقبول عام بنانے میں وہ آج بھی دامے درمے سخن کو شاں نظر آتے ہیں۔ سید محمد حنیف انگریز طبع آبادی کا شمار ایسے محسنین اردو میں ہوتا ہے۔ وہ اردو کے قلم کار کی حیثیت سے زیادہ اہم ہیں یا پرستار کی حیثیت سے، ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ تاہم قلم کار و پرستار دونوں حیثیتوں میں ہم انہیں تحسین کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

انگریز صاحب اعلیٰ خانہ غانی روایات کے حامل ہیں۔ ان کی ذہنی و فکری تربیت گھر پر اور شعری تہذیب طبع آباد اور لکھنؤ جیسے ادب نواز خطوں میں ہوئی ہے۔ شعر و سخن سے ان کی وابستگی فطری ہے۔ البتہ درد ہجرت کی کک نے ان کے شعری ورک و شعور کو صیقل کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ شاعری کا آغاز انہوں نے غزل گوئی سے کیا ہے۔ گو انگریز صاحب نے کسی کے آگے زانوئے تلمذ نہ نہیں کیا، تاہم مختلف اساتذہ فن کے کلام سے کسب فیض کا اعتراف وہ بعد افتخار کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ان کی غزلوں کے دو مجموعے ”چراغاں“ اور ”خیاباں“ کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ”خلق مجسم“ ان کا مجموعہ حمد و نعت و منقبت ہے، جو حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے۔ اس مجموعے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر ابوالخیر کشنی، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، پروفیسر محسن احسان، ڈاکٹر میرزادہ قاسم اور ڈاکٹر عروج اختر زیدی جیسے اہم و معتبر قلم کاروں کی توصیفی آرا شامل اشاعت ہیں۔

سید صاحب ایک خوش الحان شاعر ہیں۔ وہ نعت خواں بھی ہیں اور نعت گو بھی۔ بنابرین ان کی غزل ہو یا حمد، نعت ہو یا منقبت، اس میں غنائیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ ان کی خوش الحانی خالصتاً شاعرانہ ہے، جو مسکوک کن حد تک اثر انگیز ہے۔ وہ مشاعرے کے ایک کامیاب ترین شاعر تصور ہوتے ہیں۔ بلاشبہ انہیں شعر کہنے کا بھی سلیقہ ہے۔ غزل کے ساتھ ساتھ وہ حمد و نعت و منقبت کے آداب سے بھی کما حقہ واقف و آگاہ ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خوبی جذبہ و خیال کی یک جائی ہے۔ جس کا انہوں نے ”خلق مجسم“ میں بھرپور مظاہر کیا ہے۔ ہمیں نعت و منقبت میں ان کے توازن و اعتدال فکر نے بطور خاص متاثر کیا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

بلا کے عرش پہ پردا اٹھا دیا تو نے خود اپنے جلوے کو جلوہ دکھا دیا تو نے

تمام عمر میں نعت و سلام لکھتا رہوں تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے
ہر گھڑی چشم تصور سے مدینہ دیکھوں کاش! آجائے مجھے یوں بھی نظار کرنا

میں تو چند سجدے گزار آیا ہوں سر زمین حجاز میں

ابھی بے حساب تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

سنتا ہوں جب روایتِ شق القمر کہیں پاتا ہوں اپنے سینے میں رشکِ قمر کو میں

پتا خدا کا خدا کے نبی ﷺ سے ملتا ہے کہ روشنی کا پتا روشنی سے ملتا ہے

لو اٹھ گیا حائل تھا جو پردہ مرے آگے ہر وقت ہے اب منظرِ طیبہ مرے آگے

وہ جس کے حکم سے صلی ہوئے تھے بے پردہ پیدا ابوطالبؑ کا کعبے میں ہوا نورِ نظر پیدا

ہوئے نامِ خدا پیدا خدا کے گھر میں تو گویا ”خدا کی جگہ کا اٹھی ہوا ایسا قمر پیدا“

کتاب کے صفحات ۲۲۳ ہیں، قیمت ۲۵۰ روپے ہیں اور اسے دبستانِ دارشہ کراچی

نے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

ارمغانِ حافظ (نعتیہ مجموعہ) / حافظ عبدالغفار حافظ

فی زمانہ نعت گوئی کے رجحان میں جو ارزانی ہے، وہ بہرِ زاویہ نگاہ باعثِ طمانیت

ہے۔ ریحِ صدی سے پہلے تک شعرا کے دوا دین میں ایک آدھ نعت بطورِ حیرک شاملِ اشاعت ہوتی

تھی۔ آج شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو، جس کا نعتیہ مجموعہ شائع نہ ہوا ہو یا وہ شائع کرنے کا متمنی نہ

ہو۔ بعض شعرا نے خود کو نعت گوئی کے لیے وقف کر دیا ہے، بلکہ وہ غزل گوئی اور نظم نگاری سے

تائب ہو گئے ہیں۔ نعت کے حوالے سے اس خوش گوار و خوش آئند صورتِ حال پر جس قدر مسرت

کا اظہار کیا جائے، وہ کم ہے۔ بایں ہمہ اربابِ علم و دانش اور اہلِ نقد و نظر کے لیے یہ امر ذہنی

ظلمان کا باعث ہے کہ آئے دن شائع ہونے والے نعتیہ مجموعوں میں سے اکثر سیرت و سرکارِ ختمی

مرتبہ ﷺ کے اظہار و بیان سے عاری ہیں۔ حالاں کہ نعت کا بنیادی تقاضا ہی حضورِ اکرم ﷺ کی

سیرت نگاری ہے۔ نعت کے لغوی معنی مدح و ثنا یا تعریف و توصیف کے ہیں۔ جب تک مدح و ثنا

یا تعریف و توصیف کا کوئی منطقی جواز پیش نہ کیا جائے، وہ قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ ایک ایسی ذات

والا صفات جو نوعِ انسانی کے لیے کردار و عمل کا ایک بہترین نمونہ ہو، ان کے اسوۂ حسنہ

کے ذکر سے پہلو تہی کرنا قابلِ رشک عمل نہیں ہے۔ نعت کہتے ہوئے محبوبِ خدا کی ذات و

شخصیت سے صرف جذباتی لگاؤ کا اظہار ہزار مستحسن سہی لیکن نعت کی تعریف پر کماحقہ پورا نہیں اُترتا... بہر طور ہم یہ اعتراف کرنے میں بھی حائل نہیں ہیں کہ کبھی کبھی ایسے نعتیہ مجموعے بھی نظر نواز ہوتے ہیں، جو نعت کے حقیقی معانی و مطالب کی تفہیم کراتے ہیں۔ حافظ عبدالغفار حافظ کا نعتیہ مجموعہ ”ارمغانِ حافظ“ ایسے ہی نعتیہ مجموعوں میں سے ایک ہے۔

”ارمغانِ حافظ“ پہلی بار ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ ہمارے پیش نظر ترمیم و اضافہ شدہ نسخہ ہے، جس کی اشاعت ۲۰۰۲ء میں ہوئی ہے۔ حافظ عبدالغفار حافظ ایک فطری شاعر ہیں، مگر ان کا شعری وجدان نعتیہ فکر سے عبارت ہے۔ انھوں نے اپنے ممدوح کو ان کی سیرت و کردار کے آئینے میں دیکھا ہے، صرف دیکھا ہی نہیں ہے، بلکہ جانا، پہچانا اور سمجھا بھی ہے۔ حافظ صاحب محمد ﷺ شناسی کی قابل رشک منزل پر ہیں۔ ان کا ذہن روشن، قلب مصفا اور روح دنیوی لوٹ سے پاک ہے۔ ایسے ذہن، قلب اور روح کے مزہ آئینوں میں کسی تقدس مآب منصبِ سخن کا نور ہی منعکس ہو سکتا تھا:

حافظ مری حیات کا اصل اصول ہے نعتِ رسول ﷺ، حمدِ خدائے غفور کی
کہتا کس طرح میں غزلِ حافظ نعت گوئی مرا مقدر تھا

فی زمانہ جدت نگاری کو روایتی اسلوب بیان پر اہمیت و فوقیت دی جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں جدت نگاری بجائے خود ایک قابلِ تحسین عمل ہے۔ لیکن اس کی آڑ میں دور ازکار خیالات و افکار پیش کرنا اور ابہام انگیز اسلوب بیان اپنانا شعری خودکشی کے مترادف ہے۔ ہماری نظروں سے بزمِ خویش جدید رنگ و آہنگ کی کئی ایسی نعتیں گزری ہیں، جن کے کسی لفظ، ترکیب، مصرع یا شعر سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ نعتیہ فکر کی مظہر ہیں۔ اس مظرنامے میں ان نعت گو شعرا کی اہمیت اور ان کے کلام کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ جو روایت کے پاس دار ثابت ہوئے ہیں۔ حافظ عبدالغفار حافظ ایک روایت پسند نعت گو ہیں اور نعت کے حوالے سے وضع کردار روایتی اصول و قواعد کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ البتہ مضمون آفرینی میں انھوں نے اپنی فکری ایچ کا مظاہرہ کیا ہے اور لکیر کا فقیر ہونے کے الزام سے خود کو بچا لیا ہے۔ نعت کے چند مروج مضامین میں انھوں نے کسی مہارت سے نئے نئے فکری و فنی زاویے پیدا کیے ہیں، ملاحظہ ہوں:

کوئی کہیں سے چھیڑے افسانہ زندگی کا ہے اسوۂ محمد ﷺ جیانہ زندگی کا
اسوۂ احمد مختار ﷺ پہ چلے ورنہ ٹوٹ کر شیشہ کردار بکھر جائے گا

دل مدح پیبر ﷺ میں ہے معروف ازل سے پر نطق ابھی حرف ثنا ڈھونڈ رہا ہے
مدینہ ایسی بہتی ہے نگاہ عشق و مستی میں اگر پہنچیں تو جی اٹھیں، اگر لوٹیں تو دم نکلے
گلشنِ کائنات میں سب سے بڑے وہی تو ہیں بعد خدا حضور ﷺ کو دل جو کہے قرار دو
کلاسیکی روایت اپنی ایک مخصوص لسانی تہذیب رکھتی ہے۔ اس تہذیب کو اپنا کر اظہار
و بیان قدامت پسندی کا جامہ بھی نہیں سکتا ہے۔ اور اعلا شعری روایات کی امانت داری و تحفظ کی
دستار فضیلت بھی باندھ سکتا ہے۔ کیوں کہ یہی وہ تہذیب ہے جو ہمارے شعری تشخص کی اساس
ہی نہیں، پہچان بھی ہے۔ حافظ عبدالغفار کی نعتیہ شاعری کی قد و قامت پر اس اساسی تہذیب کے
لوازم کا ملبوس چست بیٹھتا ہے۔ جسے انھوں نے اساتذہ کی زمینوں میں طبع آزمائی کے رنگ سے
مزید دل کش بنا دیا ہے۔ ان کی ولی دکن کی زمین میں کہی ہوئی نعت کلاسیکی روایت کی لسانی
تہذیب کی نہایت عمدگی سے نمائندگی کرتی ہے۔

دعویٰ عشقِ محمد ﷺ اس کا باطل جاپے شرع کے احکام میں جو شخص من مانی کرے
رفعتِ محبوب رب کی جب کوئی حد ہی نہیں کس طرح اس کا احاطہ عقل انسانی کرے
ہے سوائے مصطفیٰ ﷺ ایسا کوئی فرماں روا بیٹھ کر جو فرشِ خاکی پر جہاں بانی کرے
بے شک ”ارمغانِ جاز“ نعت کے حوالے سے ایک تحفہ ہے۔

کتاب کے صفحات ۱۳۴ ہیں اور قیمت ۱۰۰ روپے اس کتاب کو اعلیٰ نعت کراچی نے
شائع کیا ہے۔

روشنی ہی روشنی / ماجد خلیل

ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تاثر نہیں ہے کہ نعتیہ مجموعہ ”روشنی ہی روشنی“ فکر و فن
اور عقیدت و ارادت مندی کا ایک ایسا شہکار ہے جو کم از کم ہمیں ایک زمانے کے بعد دیکھنے کو
ملا ہے۔ نئی زمانہ جس سرعت و کثرت سے شاعری ہو رہی ہے، اُسی نسبت سے شعری معیار بھی رو
بہ زوال ہے۔ خصوصاً غیر معیاری نعتیہ مجموعوں کی یلغار نے ایک لمحہ فکریہ کی صورت پیدا کر دی
ہے۔ ہمارے خیال میں غزل و نظم کے مقابلے میں نعت کے آئینے زیادہ نازک اور حساس ہیں۔
طرفہ ستم یہ ہے کہ ہر تک بند اور قافیہ پیا شاعر اسی صنفِ سخن پر مشق بیداد کرنے پر تلا ہوا ہے۔
ہماری نظروں سے متعدد ایسے نعتیہ مجموعے گزرے ہیں، جو نہ صرف فکر و فن کے اعتبار سے فلاح

ہوتے ہیں، بلکہ جنہیں پڑھ کر ایمان غارت اور ایمان کا فور ہو جاتا ہے۔ ہمارے بس میں ہوتا تو ہم شاعری خاص کر نعت گوئی کے لیے Eligibility Certificate کے حصول کو ناگزیر ٹھہراتے۔

”روشنی ہی روشنی“ معروف نعت گو ماجد ظلیل کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے، جو ۲۰۰۱ء میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ اس مجموعے کی ہر نعت اظہار و بیان کا ایک عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ بالخصوص درج ذیل دو نعتیں، جن میں سے ایک ایوارڈ یافتہ ہے، نعت گوئی کا ایک نیا معیار قائم کرتی ہیں۔ ان نعتوں میں آداب نعت کا جس مہارت سے خیال رکھا گیا ہے، اس کی مثالیں خال خال ملتی ہیں۔ بلاشبہ ماجد ظلیل مقام رسالت اور ذات و صفات سرکار رسالت ﷺ کے نور عرفان سے سرشار و مستفیر ہیں۔ جذبہ خیال اور لفظیات کی نیرنگی و جدت سے متصف یہ نعتیں ادب میں گراں قدر اضافہ ہیں:

مکن حرم سے دیکھ رہا ہوں، حدِ نظر سے آگے بھی
دست دعا ہے باب اثر تک، باب اثر سے آگے بھی
سوچو تو معراجِ نبی ﷺ نے، یہ بھی اک احسان کیا
فہم بشر کو وسعت دے دی، فہم بشر سے آگے بھی
اہل ہنر نے نعتِ نبی ﷺ سے، کیا کیا فیض اٹھائے ہیں
کس ہنر سے عرض ہنر تک، عرض ہنر سے آگے بھی
لازم تھا قوسین کا پردہ، ورنہ تکلف کیا معنی
آئینہ کیا جاسکتا تھا، آئینہ گر سے آگے بھی
قسمت ماجدِ اول و آخر، آپ ﷺ کی چوکٹ آپ ﷺ کا در
آپ ﷺ کی چوکٹ سے پہلے بھی، آپ ﷺ کے در سے آگے بھی

☆

میں بہک سکوں یہ مجال کیا مرا رہنما کوئی اور ہے
مجھے خوب جان لیں منزلیں یہ شکستہ پا کوئی اور ہے
مری التجا ہے یہ دوستو کبھی تم جو سوئے حرم چلو
تو بنا کے سر کو قدم چلو کہ یہ راستہ کوئی اور ہے

بہ جز ان کے رحمت دو جہاں بہ جز ان کے عرش کا میہماں
یہ ملا جواب کوئی نہیں، یہ سوال تھا کوئی اور ہے؟
جو تمہاری جالی سے متصل ہے ستوں کے پیچھے نجل نجل
نہیں میں نہیں وہ مریض دل نہ مرے سوا کوئی اور ہے

ماجد غلیل نعت گوئی کی جس مسندِ جلیلہ پر متمکن ہیں، اس کے اوج کا اندازہ لگانے کے لیے دستارِ تمامنا پڑتی ہے۔ آغاز سے حمت تک شعری حسن کا ایک سا معیار رکھنا بازیچہٴ اطفال نہیں ہے۔ خدا جانے یہ دودھ کی نہر نکالنے کے لیے ماجد غلیل کو ریاضت و مجاہدے کے کتنے بے ستون کاٹنے پڑتے ہیں۔ ہر چند ماجد غلیل نے روایت کی زنجیر پائے خن میں رکھی ہے اور نعت کے مانوس مضامین پر طبع آزمائی کرنے میں عار محسوس نہیں کی ہے، تاہم یہ کہے بنا چارہ نہیں ہے کہ انھوں نے منفرد اور اثر انگیز انداز بیان اور سلیقہ شعر سے پامال مضامین میں بھی نئی معنویت اور نیا لطف پیدا کر دیا ہے:

مسئلہ بھی حل کیا، درجِ اخوت بھی دیا
سنگ کی تنصیب حسبِ شان پیغمبر ﷺ ہوئی
پیغمبروں میں صاحبِ اسرئی کوئی نہیں
اچھے سبھی ہیں آپ ﷺ سے اچھا کوئی نہیں
دیے تو بے شمار ہیں ماجد مرے گناہ
آقا ﷺ نہ بخشوا سکیں ایسا کوئی نہیں
اعمال کی رو سے ہے بہت ضعف یقیناً
لیکن مری ہر نعت سہارے کی چھتری ہے
صرف توصیف ہی نہیں کافی
ان کی تقلید بھی ضروری ہے
روایت کی پاسداری ایک اچھی بات ہے، لیکن روایت کا اسیر بن کر رہ جانا قابلِ رشک عمل نہیں ہے۔ ماجد غلیل کی نعت گوئی نعت کے روایتی اسلوب کو بھی آگے بڑھاتی ہے۔ اور فکر و خیال کی تازہ کاری بلکہ نادرہ کاری کا مظاہرہ بھی کرتی ہے۔ ہمارے مطالعے کے مطابق انھوں نے بعض نعتیہ اشعار میں ایسے مضامین نظم کیے ہیں، جو ان کی فکر و تخیل کی originality کی شہادت دیتے ہیں۔ مضمون آفرینی کی ایک نئی جوت جگا کر ماجد غلیل نے خود کو ایک genuine شاعر ثابت کیا ہے:

ان کی خاک پا کے ذروں میں ہے اب میرا شمار
یعنی ماجد خاکساری کی مہم بھی سر ہوئی
ایک وہ دن تھا کہ ہونا پڑا دلیر بدر
ایک یہ دن ہے کہ دنیا تری دلیر پہ ہے
جز محمد ﷺ اور قرآن کوئی بھی
عکس پورا ہے نہ پورا آئینہ

جو محمد ﷺ کی شریعت کی کماں سے نکلیں کاش! ہو جائیں وہ سب حیر ترازو دل میں سو بار ہوئی سجدہ کناں بھی اسی در پر سو بار بھی عقل ہے جو دل سے لڑی ہے غزل میں نعت کا رنگ لانا ایک سہل عمل ہے، مگر نعت میں تغزل پیدا کرنا ایک کٹھن کام ہے۔ ماجد غلیل بنیادی طور پر ایک غزل گو ہیں۔ ان کی غزلیں تو ہمارے مطالعے میں نہیں آئی ہیں، البتہ نعت میں انھوں نے جس چابک دستی سے حسن تغزل کا اہتمام کیا ہے، اس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھیں غزل کہنے کا سلیقہ ہے۔ نعت کو غزل رنگ بنانا ہر کہ و مہ کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ محبوب سے متعلق جذبات و احساسات ظاہر کرتے ہوئے تقدس سے لبریز اظہار و بیان کو ٹھیس پہنچنے کا ہمہ وقت اندیشہ رہتا ہے، جب کہ آنحضور ﷺ کی محبت سے لبریز اشعار کبھی کبھی عام محبوب کے لیے کہے گئے محسوس ہوتے ہیں۔ ماجد غلیل اس فنی رمز سے مکمل طور پر آگاہ ہیں۔ انھوں نے سرکارِ مدینہ ﷺ سے اپنے دیوانہ وار لگاؤ اور وابستگی کے والہانہ اظہار میں کمال احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے عاشقانہ اشعار محبوبِ خدای سے عشق کی تعبیر کرتے ہیں:

سفر میں ہر قدم پر جلوۂ منزل تھا آنکھوں میں مگر منزل پہ جب پہنچے تو تہا دل تھا آنکھوں میں
دل پہنچ جاتا ہے پہلے جسم اپنے وقت پر اک مغل حاضری ہے اک موہل حاضری
بن کے رہتی ہے نمی ﷺ کے شہر میں دن کا راجہ رات کی رانی بہار
سنا ہے آنکھ میں آنسو، گلے کا رندہ جانا اشارے ہیں جو دعا میں اثر کے دیکھتے ہیں
یوں تو اک بھیڑ کا عالم ے تری چوکھٹ پر ورنہ ہر شخص اکیلا تری دلیز پہ ہے
غم دوری میں تڑپاتی ہیں کیف قرب کی یادیں
ہیں اب طوفاں طلب آنکھیں کبھی ساحل تھا آنکھوں میں

کسی نے لکھا ہے کہ ماجد غلیل نعت دماغ سے نہیں دل سے لکھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں نعت گوئی میں ان کے دل و دماغ دونوں شامل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور ﷺ سے ان کی محبت کسی انتہا تک محدود نہیں ہے، لیکن کسی بھی انتہا سے گزرتے ہوئے وہ ”باعر ہوشیار“ کا قرینہ ترک نہیں کرتے۔ اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ انھوں نے تمام نعتیں عشقِ نمی ﷺ میں ڈوب کر لکھی ہیں، مگر اظہار و بیان کو متوازی رکھنے کی مقدور بھر شوری کاوش بھی کی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے ہاں کوئی مضمون، خیال یا لفظ ان کی فکری دیوانگی کو ظاہر نہیں کرتا۔ انھوں نے صہدیت اور الوہیت میں جو فاصلہ ہے اسے برقرار رکھنے کی کامگار سعی کی ہے۔ حتیٰ کہ کسی مقام پر

ان کی عقل کی تشکیک و اشتباہ کا شکار ہوئی ہے تو اس کا بھی انھوں نے برملا اظہار کر دیا ہے:

سو بار ہوئی سجدہ کناں بھی اسی در پر سو بار بھی عقل ہے جو دل سے لڑی ہے
روح کی نگاہوں سے آپ ﷺ کی زیارت کی عقل کی ذہانت سے میں نے آپ ﷺ کو سوچا
مجھ کو مری نگاہ نے مآجد یہ مشورہ دیا کافی نہیں ہے دیکھنا، سوچ، ہے کیا چمک دک
عقل دول رہے معروف اس عمل میں بالترتیب کس قدر قرینے سے میں نے آپ ﷺ کو سوچا
زیچ تحقیق ہے یہ معجزہ ہر چند مگر جو نہیں تھا اسی سائے کے تو سائے ہوئے لوگ
شاعری میں خودکلامی ایک مشکل فن ہے۔ مآجد غلیل کو اس فن پر بھی عبور حاصل ہے۔
ان کا نعتیہ خودکلامی کے وصف سے بھی متصف ہے۔ ان کی خودکلامی خاص طور پر ان کی ذہنی، قلبی
اور روحانی واردات و کیفیات کی ترجمان بن کر سامنے آئی ہے۔ خودکلامی میں بھی مآجد غلیل نے
مضامین کے تنوع کی خوبی کو برقرار رکھا ہے۔ ان کا استفہامی انداز بھی منفرد نوعیت کا ہے۔
انھوں نے استفہام کے بین السطور تین کی جو جوت جگائی ہے، وہ قابلِ داد ہے:

سنا ہے عابد شب زندہ دار کے آنسو چراغ شب کے ستارے سحر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے آنکھ میں آنسو گلے کا رندہ جانا اشارے ہیں جو دعا میں اثر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے سجدہ گزار ایسے بھی زمین پہ ہیں فلک سے جن کو فرشتے اتر کے دیکھتے ہیں
یہ کس نور کی مدح میں نے لکھی ستارہ ہوا تا ابد حرف حرف
مآجد غلیل نے ایک شعر یہ بھی کہا ہے:

نہ ہے حمد حمد جیسی نہ ہے نعت نعت جیسی

مرے شہر فکر کے ہیں ابھی خام گلیاں کوچے

ہمارے خیال میں اس شعر میں انھوں نے کسر نفسی سے کام لیا ہے۔ ہم انھیں مڑوہ سناتے ہیں کہ
انھوں نے جس خواہش کا اظہار کیا ہے، وہ حطیم میں مانگی ہوئی دعا کے طفیل پایہ تکمیل پہنچ گئی ہے۔
ان کی نعت قصیدہ محسن کی بھی یاد دلاتی ہے اور مسدس حالی کی بھی...

کتاب کے صفحات ۱۶۰ ہیں اور قیمت ۳۰۰ روپے ہے۔ اس خوب صورت کتاب کو
دہستان دارشہ کراچی نے شائع کیا ہے۔

نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا... ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ / ڈاکٹر سراج احمد قادری

بیسویں صدی کے آخری دو دہائیاں اردو نعت گوئی کے حوالے سے خاصی اہمیت کی

حاصل ہیں۔ ان دہائیوں کے دوران میں اردو نعت پر تخلیقی، تنقیدی، تحقیقی ہر سطح پر خوب کام ہوا ہے۔ جب کہ اکیسویں صدی کے آغاز ہی سے اس روایت کو آگے بڑھانے کے شواہد ملے ہیں۔ ”نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا... ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ“ کے عنوان سے جلد اس مقالے کا پہلا حصہ ہے، جو ڈاکٹر سراج احمد قادری نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے لکھا ہے۔ اس کی دوسری جلد ”مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری... ایک تحقیقی مقالہ“ اپنے اصل عنوان کے ساتھ ۱۹۹۷ء میں دہلی (بھارت) اور ۲۰۰۰ء میں لاہور (پاکستان) سے چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری یونیورسٹی کے ضلع بہت سے تعلق رکھتے ہیں۔ علم و ادب کے دلدادہ اور تحقیق و ترجمہ کے شائق ہیں۔ وہ درس نظامیہ کے فاضل، فارسی میں کامل، اردو میں ایم اے اور نعتیہ ادب میں پی ایچ۔ ڈی ہیں۔ پیش نظر مقالے کے علاوہ ان کے علمی و ادبی خصوصاً تحقیق و ترجمہ کے کام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری... ایک تحقیقی مطالعہ

۲۔ مزارات پر عورتوں کی حاضری... اردو سے ہندی ترجمہ

۳۔ حقوق والدین... فارسی سے اردو ترجمہ زینت الاسلام

۴۔ عمدۃ الاسلام... فارسی اردو ترجمہ زینت الاسلام

۵۔ امام احمد رضا کے محققین ہندوستانی یونیورسٹیوں کے حوالے سے

زیر نظر مقالہ خالصتاً ایک تحقیقی مقالہ ہے، جسے بڑے مغز بنانے کے لیے مقالہ نگار نے

محنت شاقہ سے کام لیا ہے۔ اور اپنے قائم کردہ ابواب کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ مواد فراہم

کرنے کی کامگار کاوش کی ہے۔ ان کا مطالعہ عمیق و بسیط ہے۔ البتہ ان کی بیان کردہ روایتوں اور

حوالوں کو محقق و نقاد ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی نے نشانیہ ہدف بنایا ہے، بلکہ کسی حد تک رد کر دیا

ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ”مقالے کو دقت نظر سے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ موضوع کی مناسبت

سے موصوف کو جہاں سے جو کچھ ملا، انھوں نے بے کم و کاست اسے لے لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا

کہ غیر معتبر اہل قلم نے اپنی کتابوں میں جو رطب و یابس جمع کر رکھا تھا، وہ اس مقالے کا مقدر

بن گیا۔“ ہمارے خیال میں ایک کڑا احتساب اور سخت گیر انتقادی رویہ ہے، جو نا انصافی کی حد

تک حوصلہ شکن ہے۔ حالاں کہ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ

قادری صاحب نے کوئی معتبر سے معتبر یا ضعیف سے ضعیف روایت و حوالہ کسی ادعا کے ساتھ پیش

نہیں کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے ہر موضوع پر حتیٰ الامکان وافر معلومات بہم پہنچا کر ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ بلاشبہ یہ معلومات آنے والے محققین کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔ ڈاکٹر قادری نے اپنے مقالے میں نعت کے تعارف اور تدریجی ارتقا کے حوالے سے جو ابواب قائم کیے ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔ ان ابواب میں ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف دقتِ نظر سے کام لیا ہے بلکہ نعت کے لیے اپنے قلبی اخلاص کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔

☆ عربی کی مستند لغات سے نعت کے ممکنہ معانی و مطالب (عربی زبان کی معتبر لغات لسان العرب، صحاح جوہری، صراح، تہذیب اللغات اور تاج العروس وغیرہ کی روشنی میں)

☆ عربی میں نعت گوئی کا چلن

☆ مہدی رسالت کے بعد عربی میں نعت گوئی کی روایت

☆ عجمی زبانوں میں نعت گوئی کا اجمالی منظر نامہ

☆ ہندوستان میں نعت گوئی کا تاریخی منظر نامہ (محدثین، متوسطین، متاخرین تا مولانا احمد رضا خان بریلوی)

☆ کتاب کے صفحات ۲۷۲ اور قیمت ۷۵ روپے ہے اور اسے رضوی کتاب گھر جامع مسجد دہلی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔



خطوط

ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی۔ بھارت

نعت کے موضوع پر نو عدد کتابیں موصول ہوئیں۔ اس قیمتی تحفے کے لیے تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ ہر کتاب معلوماتی اور نقد و نظر کی حامل ہے۔ دھیرے دھیرے مطالعہ کر رہا ہوں۔ ابھی تک اردو میں نعتیہ کلام اور نعت گوئی کے فن کو داخلِ نصاب نہ کیا جاسکا۔ ایک تو یہ کہ اس میں احتیاط اور خوف بے ادبی مانع ہے۔ دوسرے یہ کہ اب تک ایسی کوشش نہیں کی گئی تھیں کہ بحیثیت فن نعت گوئی کو فکر و نظر کا موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ بہت دشوار کام ہے لیکن اگر اہل ادب اس کی طرف توجہ کرتے رہے تو اُمید ہے کہ اس صنفِ سخن کو بھی ادب کا معیار دیا جائے۔

میں فارسی زبان میں بھی کبھی کبھی نعتیں لکھتا رہا ہوں اور یہ اسلام آباد کے مجلہ ”دانش“ میں چھپتی رہی ہیں۔ چوں کہ میں عرصہ دس سال سے فراش ہوں۔ ہائیں پاؤں کی ایک ہڈی ٹوٹ چکی ہے اس لیے زیادہ فعال نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ مجھے فارسی موضوعات پر زیادہ لکھنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد کچھ اردو ادب اور اسلامیاد پر بھی لکھتا رہتا ہوں۔ فنِ رباعی پر میری ایک کتاب ”مقدمہ رباعی“ چھپ چکی ہے۔ رباعیات کا ایک مجموعہ ”آیات“ بھی چھپ چکا ہے۔ شعری مجموعہ (غزل و نظم وغیرہ) طباعت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ نعت اُسی وقت لکھتا ہوں جب طبیعت پر کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ تصوف بھی میرا ایک خاص موضوع ہے۔ اس پر ایک کتاب بھی آچکی ہے۔

”دانش“ کے شمارہ ۶۶-۶۷ میں میری لکھی ہوئی فارسی زبان میں ایک نعت شائع ہوئی

ہے۔ اس خط کے صفحہ پر یہ نقل کر رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو ”دانش“ کا حوالہ دے کر اسے ”نعت رنگ“ میں شائع کر سکتے ہیں۔

”نعت رنگ“ کے سبھی معماروں کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

شاہ مصباح الدین شکیل۔ کراچی

تقریباً دو سال بعد اپنے سفر سعادت عمرہ و سیاحت یورپ، کنیڈا و امریکا واپسی پر ”نعت رنگ“ کے شمارے نمبر ۱۳ اور ۱۴ کو تفصیل سے پڑھنے کا موقع ملا۔ ”اقلیم نعت“ کا ہر رکن اپنی جگہ دامن دل پر ہاتھ رکھے رہا اور فروغ نعت کے لیے آپ کی مخلصانہ خدمات کا احساس دلاتا رہا۔ آٹھ سال کی قلیل مدت میں ”نعت رنگ“ کا پاک و ہند کا معیاری اور صنف نعت کا منفرد ترجمان بن جانا... آپ کی عاجزانہ دعائیہ پیش کش۔

میرے فکر و فن کا میری زیست کا

نعت عنوان ہے خدا کا شکر ہے

کی قبولیت کا اشارہ اور بین ثبوت ہے۔ آپ نے ”سپر دم بہ تو مایہ خویش را“ کی صورت میں اپنی صلاحیتوں کا نذرانہ پیش کیا... ”پست وہ کیسے ہو سکتا ہے جس کو حق نے بلند کیا“ تاویل کے دروازے نت نئے انداز میں کھل رہے ہیں۔ اللہ مبارک کرے۔

دونوں شماروں میں شمارہ نمبر ۱۲ کے بہت حوالے ہیں جس میں ”گوشہ غالب“ بھی ہے۔ اردو ادب کے ہر طالب علم کے لیے ”غالب“ فکر و فن کا استعارہ ہے۔ آپ نے یہ شمارہ عنایت نہیں کیا۔ اس کے بغیر میرا سیٹ تو ناکمل ہوگا ہی لیکن ”رندِ خراباتی“ کے ہمسایہ خدا بننے کے لیے ثنائے خواجہ کی مرتبہ دانی بھی ایک راستہ ہے۔ اس کے سراغ سے محروم نہ رہ جاؤں۔ ذہن غالب کی یہ پرواز الہامی دریافت سے کم نہیں۔ مومنانہ فراست، نسبتوں کے اخلاص سے شاعر کے حخیل کی رسائی دیکھیے:

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو

محمد ﷺ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

اس لیے تو غالب جیسے خود پسند نے:

چتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پاؤں

کی نسبت قائم کی۔

”نعت رنگ“ کے خطوط دلچسپ اور ازدیاد علم کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ کیا یہ بہتر ہوگا کہ جہاں تشکی ہو قاری براہ راست رابطہ پیدا کر لے۔ انفرمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں میری تجویز کہ جہاں تک ممکن ہو مضمون نگار/ شاعر/ مکتوب نگار کا پوسٹل اڈریس اور ٹیلی فون نمبر بھی چھاپ دیجیے۔ اس سے ربط و اخلاص کی نئی راہیں کھل جائیں گی۔

خط یہاں روک کر ۱۲ ویں شمارے کی درخواست کے لیے گھر ٹیلی فون کیا تو بیگم صبح نے بتایا کہ وہ تو عمرہ پر گئے ہوئے ہیں۔ بے اختیار آپ کا ایک شعر یاد آ گیا:

مدینہ جاؤں، آؤں، پھر سے جاؤں
خدا تا عمر رکھے اس سفر میں
(آمین)

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط - بھارت

تازہ شمارے میں منصور ملتانی کا مضمون ”منظوم سیرت رسول ﷺ“ پر تھا، لیکن انہوں نے صرف گیارہ منظوم سیرتوں ہی کا تذکرہ کیا تھا۔ اس لیے میں نے بتایا تمام منظوم سیرتوں کو قارئین ”نعت رنگ“ کی نظروں میں لانا مناسب سمجھا۔ اسی کے پیش نظر ”اردو میں سیرت نگاری“ کے عنوان سے ایک مضمون تیار کر کے روانہ کر رہا ہوں۔ اُمید کہ پسند آئے گا۔

”لوک گیتوں میں نعت رسول ﷺ“ کا مواد تیار ہے۔ بلائی کے ”معراج نامے“ پر بھی ضروری نوٹس تیار ہیں۔ ”صفوت کے ”معراج نامے“ پر مجھے تفصیل سے لکھنا ہے۔ اس کے علاوہ چند اور عنوانات کے ضروری نوٹس میرے پاس موجود ہیں۔ صرف فرصت درکار ہے۔ دیگر بہت سارے احباب کی فرمائشیں بھی پوری کرنی پڑتی ہیں۔ اس لیے مضامین لکھنے میں دیر ہو جاتی ہے۔

آپ نے میرے حمدیہ و نعتیہ مضامین کے متعلق دریافت کیا تھا۔ سو مختصراً عرض ہے کہ ”معارف“ (اعظم گڑھ)، ”ترسیل“ (ممبئی)، ”قرطاس“ (ناگپور)، ”منصف“ (حیدرآباد)، ”تناظر“ (حیدرآباد)، ”شاعر“ (ممبئی)، ”اردو میلہ“ (ناگپور)، ”انشا“ (کلکتہ)، ”طلوع“ (سہرام)، ”ایوان ادب“ (دہلی)، ”پیش رفت“ (دہلی) وغیرہ رسائل میں میرے مضامین حمد و

نعت پر شائع ہوئے ہیں۔ تکمیل (بھیوٹی، ممبئی) کا خصوصی شمارہ نمبر میں میرا ایک طویل مضمون شامل ہے۔ ”قرطاس“ (ناگپور) کا دورِ بھ (نام علاقہ کا) کا نعتیہ ادب نمبر شائع ہو رہا ہے۔ اس میں میرے دو تین مضامین رہیں گے۔ محترم رفیع الدین اشفاق ناگپوری میں مقیم ہیں۔ نعتیہ ادب پر ان کا برصغیر میں پہلا تحقیقی کام ہے۔ ان کا مقالہ کراچی سے ۱۹۷۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ یہاں نعتیہ ادب پر بعد میں جتنا بھی تحقیقی کام ہوا ہے اس کا بیشتر حصہ اسی کتاب کا مرہون احسان ہے۔ میں اپنے مضمون میں اس نکتے کی نشان دہی کروں گا۔ یہ مضمون ان شاء اللہ ”نعت رنگ“ کو بھی روانہ کروں گا۔

”نعت ریسرچ سینٹر“ کی سرگرمیاں تو اب بلاشبہ بڑھ گئی ہوں گی۔ خواہش ہے کہ ریسرچ سینٹر کی کسی تقریب میں حاضری دے کر نیاز حاصل کروں۔ اب تو الحمد للہ دونوں ممالک کے درمیان حالات بھی اچھے ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوش حالی اور بھائی چارگی کی یہ نضا ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔ دہلی، لاہور بس بھی شروع ہو گئی ہے۔ ”نعت ریسرچ سینٹر“ کے کسی پروگرام میں اس خاکسار کو بھی مدعو کریں تو ان شاء اللہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے رفیع الدین صاحب بھی ہمراہ ہو جائیں۔ کسی قریبی تقریب کا دعوت نامہ وہاں کے اجازت نامہ (ویزا) کے ساتھ مجھے مل جاتا ہے تو آپ سے ملاقات کی خاطر میں ضرور آ جاؤں گا۔ ”نعت ریسرچ سینٹر“ اور نعت رسول ﷺ پر وہاں کی جانے والی تحقیق کے کاموں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا۔

”نعت گو شعرا کے مذاکرے“ کے بارے میں آپ نے اچھا سوچا ہے۔ میں کوئی ایسی سبیل نکال کر نعت گو شعرا کو اپنے گھر جمع کر لوں گا اور ”مذاکرہ“ نقل کر کے آپ کو روانہ کر دوں گا، لیکن اس کے لیے پانچ چھ ماہ درکار ہوں گے۔ شاید اس درمیان در رسول ﷺ پر حاضری کا موقع فراہم ہو جائے۔

خدا بخش لاہوری پٹنہ اور ظہیر غازی پوری کو آپ کے نامے روانہ کر دیے گئے ہیں۔ اس سے قبل بھی میں نے ظہیر صاحب کو ”نعت رنگ“ کے لیے لکھنے کا کہا تھا، اسماعیل آزاد صاحب کو بھی لکھ دیا تھا۔ یہاں کے نعت گو شعرا کو اپنی اپنی تصانیف ”نعت ریسرچ سینٹر“ کو بھیجنے کے لیے بھی یا تو فون پر کہہ دیا گیا ہے یا خطوط کے ذریعے انھیں اطلاع دی گئی ہے۔ میں اپنے حمدیہ نعتیہ مضامین کی فہرست تاریخ اشاعت اور رسالے کے نام کے ساتھ جلد ہی روانہ کر دوں گا۔ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی۔ کراچی

اللہ کریم جل شانہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے ہم سب کو مسلک حق اہل سنت و جماعت پر استقامت اور دارین میں غفور و مغفرت سے نوازے۔ آمین

ماہ میلاد شریف، ربیع الانور کی نورانی ساعتوں کا شمار پورا ہو رہا تھا کہ ”نعت رنگ“ کا پندرہواں شمارہ جلوہ افروز ہوا۔ اس درجہ محبت اور محنت کا یہ تسلسل بلاشبہ لائق تحسین اور قابلِ مبارک باد ہے۔ نعت شریف کی خدمت کے حوالے سے آپ کا نام بفضلِ تعالیٰ معجز اور مستہر ہوا ہے۔ اللہ کریم جل شانہ آپ کی ہمت و صلاحیت میں برکت اور اسے مفید و نافع فرمائے۔ آمین

سید الخطاطین الحاج حافظ محمد یوسف صاحب سیدی مرحوم و مغفور سے خطاطی کروا کے اس فقیر نے ہر سال عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر عید کارڈ شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ۱۹۷۴ء سے ہر سال یہ کارڈ شائع ہو رہا ہے۔ حافظ صاحب مرحوم کے بعد ان کے قابلِ قدر تلمیذ رشید جناب خالد یوسفی اس کی خطاطی کرتے ہیں، انہی کے قلم خوش رقم میں ”نعت رنگ“ کی لوح شمارہ ۱۲ سے آپ ہر شمارے کی زینت بن رہے ہیں۔

حافظ صاحب مرحوم نے پانچ سال ”عید میلاد النبی ﷺ مبارک“ کے کارڈ کی خطاطی فرمائی۔ اللہ کریم جل شانہ نے انہیں خوب نوازا تھا، وہ جتنے اعلیٰ خطاط تھے اتنے ہی عمدہ انسان تھے۔ تیسری مرتبہ جو کارڈ تیار ہوا، اس کی خطاطی آپ نے انتخاب کی اور ”نعت رنگ“ کے پندرہویں شمارے کا سرورق اس سے مزین کیا۔ ”نعت رنگ“ کے وابستگان نے ضرور پسند کیا ہوگا۔

”نعت رنگ“ کے شمارے ۱۳-۱۴ آپ نے اکٹھے شائع کیے تھے، ان میں شمارہ ۱۴ کی ضخامت بہت کم تھی جب کہ قیمت دونوں شماروں کی یکساں رکھی گئی تھی۔ شمارہ ۱۵ آپ نے شاید اسی لیے ختم کر دیا کہ شمارہ ۱۴ میں صفحات کی کمی کی طعنی ہو جائے، مجھے خوشی ہے کہ آپ نے بہت کم وقفے سے پھر ایک ضخیم شمارہ پیش کیا اور ”نعت رنگ“ کے وابستگان کو زیادہ انتظار نہیں کروایا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

یقین مانیے کہ ماہ ربیع الانور کے آخر سے ماہ رجب کے آخر تک پندرہواں شمارہ میرے ساتھ تو رہا لیکن اتنی مہلت ہی نہیں ملی کہ اس شمارے کا توجہ سے مطالعہ کرتا۔ ملک بھر میں محافل میلاد شریف، جلسہ ہائے گیارہویں شریف، جامع مسجد گل زار حبیب ﷺ کا صد سالہ جشن

تغیر، عالمی سنی ڈائریکٹری کی اشاعت، جماعت اہل سنت برطانیہ کی طرف سے برہنہ میں ساتویں عالمی سنی کانفرنس، ختم نبوت کونسل (یو کے) کے زیرِ اہتمام وٹ فورڈ، لندن میں دسویں ”تحفظ ختم نبوت کانفرنس اور یورپین مسلم کونسل کی طرف سے“ عالمی پیام امن کانفرنس میں شرکت کے لیے بیرون ملک سفر، اقارب میں کئی افراد کی رحلت کے سانحوں اور دیگر متعدد امور نے ہمہ وقت مشغول رکھا۔ ماہ رجب میں ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ کے سالانہ عرس مبارک کا انعقاد، عرس شریف کے موقع پر سالانہ یادگاری مجلے کی اشاعت و ترسیل، متعدد ممالک میں ماہ رجب کے تیسرے جمعہ المبارک کو ”سالانہ یوم خطیب اعظم“ منانے کے اہتمام کے لیے رابطے، یہ سب کام اچھی خاصی توجہ چاہتے ہیں۔ اس دوران ٹیلے وٹن کے مختلف جھٹلوں کے لیے ریکارڈنگ، اچانک پیش آنے والے مسائل اور امور بھی خاصا وقت لے جاتے ہیں، مجھے کم خوابی کی شکایت اکثر رہتی ہے، تاہم قلم اور کتاب سے ناتا قائم ہے۔ اللہ کریم جن شانہ کا کرم ہے کہ رواں دواں ہوں۔

آپ نے ماہ رجب المرجب کے آخر میں کناڈا کے سفر پر روانہ ہونے سے قبل فون پر بتایا تھا کہ ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۶ کے لیے تحریریں کمپوزنگ کے مراحل پوری کر چکی ہیں صرف خطوط کا حصہ باقی ہے۔ آپ کا مدعا واضح تھا، آپ میری تحریر کی بابت جاننا چاہ رہے تھے۔ عرض کی تھی کہ کوشش کروں گا کہ آپ کی کناڈا سے واپسی تک اپنی تحریر پیش کر دوں۔ سچ پوچھیں تو میں کہتا چاہتا تھا کہ آپ کے کچھ قارئین کو میری تحریروں سے شکوہ ہے، آپ ”نعت رنگ“ میں میری تحریریں شامل کر کے انھیں کیوں ناراض کرتے ہیں؟ آپ کے ان احباب کو اگر یہ گمان ہے کہ میں کسی کو ناراض کرنے کے لیے لکھتا ہوں تو ان پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ سچ سے ناراض ہونا تو اہل ایمان کا شیوہ و شعار نہیں۔ میری تحریریں صرف ”نعت رنگ“ ہی میں نہیں، متعدد جرائد و رسائل میں شائع ہوتی ہیں۔ بھرمہ تعالیٰ دو درجن سے زائد مستقل تصانیف زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں اور ان میں سے اکثر کتابوں کے دس سے زیادہ ایڈیشن طبع ہوئے ہیں۔ یہ اظہار پھر کر رہا ہوں کہ مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ مجھ سے تحریر و تقریر میں خطا نہیں ہو سکتی۔ میری تحریروں کے قارئین اور میری تقریروں کے سامعین گواہ ہیں کہ اپنی تحریر و تقریر میں میں احتیاط کے باوجود سرزد ہو جانے والی ہر خطا پر توبہ و معافی ہی سے شغف رکھتا ہوں کیوں کہ اسی میں خیریت و عافیت ہے۔ بھرمہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اب تک کسی فی الواقع غلطی کو غلطی نہ ماننے کی غلطی نہیں ہوئی۔ پھر عرض کرتا

ہوں کہ ہر وہ قول و فعل جو مجھ سے سرزد ہوا، اس میں کوئی ایسی بات جو عند اللہ حق نہیں، اس سے توبہ و رجوع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے طالبِ غفور و مغفرت ہوں۔ یہ بات بھی پھر دہراؤں گا کہ عقیدہ و ایمان کے حوالے سے میں بفضلِ تعالیٰ مسلکِ حق اہل سنت و جماعت کا پابند ہوں اور اس باب میں کوئی شک و شبہ یا تردد نہیں رکھتا۔

”نعت رنگ“ کے پندرہ شماروں میں شائع ہونے والی میری تحریروں میں کسی خلاف واقعہ یا غلط بات کی اب تک کسی ایک نے نشان دہی نہیں کی، البتہ کچھ تحریروں میں ”مسلمی اجارہ داری“ اور ”جدلیت“ کی بات کی گئی ہے لیکن کسی نے بھی کوئی ایسی بات واضح نہیں کی جسے وہ فی الواقع صرف ”مسلمی اجارہ داری“ ثابت کر سکیں۔ میری تحریر سے ان کا اختلاف کہیں ان کے اپنے مسلمی تشخص اور تعلق کی وجہ سے تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ خود توجہ فرمائیں کہ مجھ پر ان کے الزام کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟ یہ لوگ کیوں نہیں دیکھتے کہ میری تحریروں میں تنقید و تحقیق کی بنیاد ہی تحفظِ ناموسِ رسالت (ﷺ) ہے۔ خوفِ خدا اور مشقِ رسول (ﷺ) کی بنیاد پر تحریروں میں بھی ہر وہ بات اور غصہ قابلِ گرفت ہے جس میں شرعاً حنفی اور ناروا تاثر ہے۔ قرآن کریم (کلام اللہ) میں سے وہ آیات سبھی پیش کرتے ہوئے غر محسوس کرتے ہیں جن میں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے آدابِ تعلیم فرمائے گئے ہیں، اگر کسی بھی غصہ کی کوئی بات ان آداب سے متصادم یا ان کے برعکس ہو تو اس کا بیان جان کر ان افراد کو قرآن کریم کی پاس داری کرنی چاہئے یا اپنے دے گانے کسی غصہ کا لحاظ اور اس کی طرف داری کرنی چاہئے؟ کیا ان میں سے کوئی دھواں کر سکتا ہے کہ وہ ”خالی از معائب“ ہے یا اس کی تحریر و تقریر خالی از خطا ہے؟ ہم سب کو شکر کرنا چاہئے کہ ”توبہ و استغفار“ کے دروازے کھلے ہیں، یہ کرم ہے کہ یہ درکشادہ ہیں، خود یہ در بند کرنے والے سوچیں کہ وہ کیا ذخیرہ کر رہے ہیں؟ میرے لیے سعادت کی بات ہے کہ مجھے اپنے بے عیب سید المصومین آقا ﷺ کے بارے میں کسی کی بھی معمولی سی متنی بات گوارا نہ کرنے کا طرم ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میرے محبوب کریم اللہ جل شانہ کے کرم سے کیا بعید کہ میرا ایک یہی عمل میری تمام خطاؤں کی معافی اور میری مغفرت کا سامان ہو جائے۔

جن لوگوں کو مجھ سے میرے اس فعل پر شکوہ یا ناراضی ہے، ان سے عرض ہے کہ مجھے تو اپنے بھادوی، اپنے آقا و مولا، رحمۃ اللعالمین محبوب کریم ﷺ کی بارگاہِ عالی جاہ میں سرخ رو ہونا ہے اور انھیں راضی کرنا ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ مجھے صرف اسی علم و ہنر سے شغف ہے اور اتنا ہی

شفاف ہے جو مجھے صرف اور صرف ان ہی کا غلام رکھے۔

برسوں پہلے بھی اپنی کتاب ”سفید و سیاہ“ میں یہ تحریر کیا تھا، آج پھر اسے دہراتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ اپنے ہر ہم نسبت سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے محبوب کریم ﷺ کے بیان میں کجی اور کج روی کے مرتکب سے ان شاء اللہ میں دم آخر تک نبرد آزما رہوں گا۔

محترم سید صبیح رحمانی صاحب! آپ نے ”نعت رنگ“ کا اجزا اسی لیے کیا تھا کہ نظم و نثر میں نعت کہتے ہوئے جو کوئی بے احتیاطی ہو رہی ہے، اس سے آگہی کا اہتمام ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس بے احتیاطی سے آگاہ ہو کر اپنی اصلاح کی بجائے، آگاہ کرنے والوں پر اعتراض کیا جا رہا ہے؟ کہیں خود پسندی، خود ستائی، زعم علم اور انانیت کی دیواریں تو حائل نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ نعت پر تنقید کو ضروری اور خود کو تنقید سے بالاسبھا جا رہا ہے! یا یہ کہ نعت گوئی پر تنقید ہو مگر نعت گو پر نہ ہو۔ ہر کوئی لکھ رہا ہے کہ فطلی کو شمار نہ کرنا بھی غلطی ہے، پھر جانے کیوں شکوہ و ناراضی کا اظہار کیا جا رہا ہے؟ بات کچھ وہی لگتی ہے کہ خود کے لیے فطلی کا تصور نہیں کیا جا رہا اور خود کو مستثنیٰ سمجھا جا رہا ہے۔

اس فقیر بے توقیر نے پہلے بھی عرض کی تھی کہ ”نعت رنگ“ میں لکھنے والے اکثر اہل قلم سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی اور میری کوئی بات ان کی ذات کے حوالے سے بھی نہیں، صرف ان کی تحریروں میں درج ان لفظوں اور جملوں کے بارے میں ہے جو عقائد اور حقائق سے کسی طور متصادم ہیں۔ حیرت ہے کہ لکھنے والے کے اپنے مسلک و مشرب کے مطابق لکھنے پر کیوں اعتراض نہیں کیا جاتا؟ اس کی معترضہ باتوں کا علمی تحقیقی جواب کیوں قابل اعتراض گردانا جا رہا ہے؟ میری تحریروں میں یہ بھی بتایا جائے کہ میں نے کہاں صرف مسلکی اختلاف ہی کی بنیاد پر اعتراض کیا ہے؟ ہر معترضہ بات کا جواب دیتے ہوئے انھیں بنیادوں کو پیش نظر رکھا ہے جو بنیادیں تقریباً سبھی نے اپنی تحریروں میں نعت شریف کے لیے بیان کی ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ قواعد، ضوابط، اصول، سلیقہ، قرینے، آداب، انداز، لہجہ، اسلوب، وغیرہ صرف دوسروں کو بتانے کے لیے ہیں، خود اپنے لیے نہیں؟ کہاں تو یہ خوشی ظاہر کی جا رہی تھی کہ نعت گوئی پر تنقید ہونے لگی ہے یعنی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھا جا رہا ہے اور کہاں اس تنقید کو معترضہ یا مسلکی اجارہ داری قرار دینے کی باتیں ہونے لگی ہیں۔ اس تفصیل کے بعد پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ فقیر واضح کر چکا ہے کہ مسلک حق صرف مسلک اہل سنت و جماعت ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ مجھے اس مسلک

سے پختہ وابستگی پر ناز ہے، میری دعا یہی ہے کہ اللہ کریم جل شانہ مجھے اسی مسلک حق پر ثابت و قائم رکھے اور اسی مسلک پر میرا خاتمہ بالخیر فرمائے، آمین

میری تحریروں پر ناراض ہونے یا شکوہ کرنے والے اگر کوئی علمی تحقیقی جواب پیش نہیں کرتے تو ان کی ناراضی اور شکایت بے جا اور ناروا ہے۔ مجھ سے کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

محترم صحیح روحانی صاحب! آپ نے ”نعت رنگ“ میں تنقیدی مضامین کم کر دیے ہیں یا آپ تک تنقیدی تحریروں کم آرہی ہیں؟ کسی ایک عنوان سے تحقیقی یا تعارفی تحریروں اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں لیکن ”نعت رنگ“ میں بھی تحریروں اگر تنقید کے ساتھ آئیں تو آپ کے اس کتابی سلسلے کی افادیت زیادہ ہوگی۔ کس نعت گو نے کس مضمون کو کس طرح نظم کیا ہے اور کس کس بات کا خیال رکھا ہے؟ یہ بیان اگر نہیں تو ایک مضمون یا موضوع کے اشعار کو صرف جمع کرنا آپ کے ”نعت رنگ“ کے مقصد کے مطابق نہیں۔ آپ نے پندرہویں شمارے میں ادارہ یہ قدرے زیادہ لکھا ہے اور دوسرے ”ہیرا گراف“ میں ”نعت رنگ“ کے اجراء کا مقصد ہی تنقیدی جمود توڑنا اور تنقیدی مباحث کی فضا بنانا بیان کیا ہے۔

آپ سے پھر عرض کروں گا کہ ”نعت رنگ“ کے شروع میں نعت شریف کے لیے ایک صفحہ ضرور رکھیں اور حقدارین میں سے کسی کی منتخب نعت شریف ضرور شامل اشاعت کیا کریں۔

شمارہ ۱۵ کے ص ۱۳ پر جناب ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی تحریر ہے، عنوان ہے: ”نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں ماضی کا سفر“ اس تحریر میں کمپوزنگ کی اغلاط طبیعت پر بہت گراں گزریں تاہم کشفی صاحب کی اس تحریر نے واضح کیا کہ ماہ میلاد مصطفیٰ (ﷺ) اور میلاد و نعت شریف کا احترام و اہتمام، اہل ایمان کا شروع سے خاصہ رہا ہے اور ان محافل میلاد و نعت کا اختتام ہمیشہ سلام اور دعا پر ہونا بھی کشفی صاحب نے بیان کیا۔ ص ۱۵ پر کشفی صاحب کی تحریر میں ہے: ”... آج لوگ صدوغنی (جل جلالہ) کے نام کے ساتھ کوئی نگریمی لقب، خطاب اور اظہار استعمال نہیں کرتے۔ ذات باری (تعالیٰ) ہمارے اظہار سے بے نیاز ہے مگر ہمیں تو بندگی کے آداب آنے چاہئیں... سورۃ الفاتحہ ہمیں یہی درس دیتی ہے۔ میلاد کی محفلوں میں اس کا کتنا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اور اس کا تعلق میلاد ناموں سے تھا۔ ہماری خواتین زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں، مگر وہ محبت کے قرینوں سے آگاہ تھیں اور:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

عربی کے تعظیسی کلموں اور کلمات کے مفہوم سے خوب واقف تھیں۔ جل جلالہ، حوالہ علی، سبحان ربی الاعلیٰ، حم نوالہ، حوالہ اول، حوالہ آخر، حوالہ ظاہر، حوالہ باطن... یہ کلمات میلاد کی محفلوں میں بار بار آتے تھے۔ انھیں صحیح طور پر ادا کیا جاتا اور سمجھا جاتا تھا۔

ان محفلوں میں درود کثرت سے پڑھا جاتا۔ حضور (ﷺ) کی زندگی اور سیرت کے کسی پہلو اور واقعے کو بیان کرنے والی خاتون ذرا رکتی۔ ان کے اس وقفہ کو لڑکیاں بالیاں اور نعت پڑھنے والیاں خوب سمجھتی تھیں اور فضا میں یہ آواز بلند ہوتی:

پڑھو درود پڑھو، عاشقوا درود پڑھو

درود سے کبھی غافل نہ ہو، درود پڑھو

کشفی صاحب نے اللہ کریم جل شانہ کا نام لیتے ہوئے اس کی صفات اور عظمت کا کوئی کلمہ و لفظ نہ کہنے اور لکھنے کی غفلت کا بجا شکوہ کیا ہے، خواہ اس کے لیے لقب اور خطاب کے لفظ استعمال کیے تاہم مجھے اس میں اتنا اضافہ کرنا ہے کہ بیش تر افراد جب کبھی ”عربی کے تعظیسی کلموں“ یعنی عربی میں بیان ہونے والے تعظیسی الفاظ اور کلمے کہتے بھی ہیں تو اعراب صحیح نہیں کہہ پاتے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ وہ ایک مرتبہ چند منٹ محنت کر کے اپنی ڈائریوں کا پیوں میں ان کلموں اور لفظوں پر اعراب (حرکات، زیر و پیش وغیرہ) لگالیں اور انھیں ازبر کر لیں کیوں کہ سننے والے جس طرح کسی نعت خواں سے سنتے ہیں اسی طرح منگاتے ہیں اور وہی ان کی زبان پر چڑھ جاتا ہے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ ”اسم ذات“ اللہ (سبحانہ و تعالیٰ) بھی اس طرح کہا جاتا ہے جیسے ”آلا“ کہا جا رہا ہو۔ اس مبارک نام کے آخر میں ”ہ“ ہے، اس کی آواز تلفظ میں ادا نہیں کی جاتی جب کہ اس نام پاک کو محبت سے پورا اور صحیح ادا کرنے کی کوشش ہر ایک کو کرنی چاہیے۔ کشفی صاحب نے صحیح فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ ہمیں یہی درس دیتی ہے۔ بلکہ تسمیہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم) ہی تعلیم کرتا ہے کہ اللہ کریم جل شانہ کا پاک پیارا سونہا نام کس طرح لینا پکارنا چاہیے۔ اس طرح ہمیں جاننا چاہیے کہ رسول کریم ﷺ کو خود اللہ کریم جل شانہ نے پورے قرآن کریم میں کہیں بے لقب نہیں پکارا، ان کا مبارک ذکر کرتے ہوئے بھی ہمیں آداب و القاب کا ہر طرح خیال رکھنا چاہیے اور درود ابراہیمی میں بھی نام پاک سے پہلے ”سیدنا“ کے لفظ و لقب کا استعمال ضرور کرنا چاہیے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب درود شریف تعلیم فرمایا تو

”سیدنا“ کا لفظ بیان نہیں فرمایا تو یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ خود اپنے لیے عاجزی کرتے ہوئے انہوں نے ایسا نہیں فرمایا مگر ہمیں تو ادب و احترام اور تعظیم کا خیال کرنا چاہیے اور ان کی تعظیم کا ہمیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور ان کی تعظیم و توقیر ہم پر لازم ہے اور قرآن کریم میں واضح ارشاد ہے کہ انہیں اس طرح نہ پکارا جائے جیسے آپس میں ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔

چنانچہ اسی آیت کے تحت جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

”مخاطبات میں حضور (ﷺ) کے ادب و عظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے، عام لوگوں کی طرح ”یا محمد“ (ﷺ) وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ ”یا نبی اللہ“ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) اور ”یا رسول اللہ“ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) جیسے تعظیفی القاب سے پکارنا چاہیے۔“ (حاشیہ قرآن، ص ۴۶۶، مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور ۱۳۵۵ھ)

کشفی صاحب نے واضح کیا کہ محافل میلاد شریف میں آداب کا کتنا خیال رکھا جاتا اور ان محافل سے کیسی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان محفلوں میں کثرت سے درود شریف پڑھا جاتا اور درسی نصابی مروجہ تعلیم کم ہونے کے باوجود بھی میلاد شریف میں شرکت کرنے والی خواتین محبت اور ادب کے قرینے خوب جانتی تھیں۔ ان محافل کی برکات کا اندازہ کیا جائے کہ دین اور دینیات سے وابستگی میں یہ محافل کتنی اہمیت رکھتی تھیں۔ افسوس کہ ان محافل میلاد شریف کو عاقبت نا اندیش کچھ لوگوں نے بدعت کہہ کر جانے کتنے گھرانوں میں سے ان محافل کا تسلسل ختم کروادیا، کتنے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو ان محافل کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کشفی صاحب کا یہ فرمانا کہ: ”میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے عقائد دیوبندیوں سے قریب تر تھے۔“ (ص ۱۷۱) یہ درست نہیں لگتا، کیوں کہ ان کے گھرانے میں محافل میلاد شریف کا انعقاد اور اس میں سبھی کی دلچسپی ہونا، محافل میں صلوٰۃ و سلام، تقسیم شیرینی اور ماہ میلاد شریف کا یہ اہتمام، ماہ محرم میں ایصالِ ثواب کے لیے شربت کی تقسیم کا تسلسل خود بتا رہا ہے کہ دیوبندی عقائد کا وہاں گزر نہیں تھا، کشفی صاحب ہی بعد میں غالباً ان سے قریب تر ہوئے ہوں گے۔ کشفی صاحب نے اپنی بزرگ خاتون ”اچھی پھوا“ کے حوالے سے یہ بات بھی خوب لکھی کہ ہر مسلمان کو ذکر الہی اور ذکر رسول کریم (ﷺ) کر کے اپنی زبانوں کو پاک کرنا چاہیے، یعنی یہ صرف انہی لوگوں کا کام نہیں جو اسے اپنا شعار یا روزگار بنائے ہوئے ہیں۔

کشفی صاحب نے لکھا ہے: ”میلاد اکبر کا شعری حصہ دوسرے میلادوں کے شعری حصے سے بدرجہا بہتر ہے۔“ (ص ۱۵) لفظ ”میلادوں“ کی بجائے ”میلاد ناموں“ بہتر اور موزوں ہوتا۔ وہ لکھتے ہیں: ”اب بھی اچھی نعتوں کے مصرعے دو یا زیادہ ہم آہنگ کھڑوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔“ (ص ۱۵) اس جملے میں مجھے ”اچھی نعتوں“ کے الفاظ کھٹک رہے ہیں، شاید میں اپنی بات پوری اور صحیح طرح واضح نہ کر پاؤں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میرا ذوق ایمانی گوارا ہیں کر رہا کہ جسے نعت شریف مانا جائے اس کے لیے یہ سوچا یا کہا جائے کہ وہ ”اچھی“ نہیں۔ اچھی کی بجائے کشفی صاحب اپنے مدعا کو یہاں کسی اور لفظ کے قالب میں واضح کرتے تو بہتر ہوتا۔

کشفی صاحب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کہے ہوئے ہدیہ سلام کے حوالے سے لکھا کہ: ”احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کا سلام نعت کا گل دستہ نہیں بلکہ باغ ہے اور امت کے اتحاد کی ایک دستاویز ہے (اس بات پر قلق ہوتا ہے کہ ہم اپنے اکابر کا نام لے کر اور ان کا حوالہ دے کر کیسے پارہ پارہ ہو گئے ہیں)۔“ (ص ۱۸)

کشفی صاحب کے ان جملوں کو نقل کرتے ہوئے میرے پیش نظر بہت سی باتیں ہیں لیکن وہ تمام عرض نہیں کر سکتا کہ بہت تفصیل ہو جائے گی صرف اتنا ہی کہوں گا کہ کشفی صاحب کے اس ”اعتراف“ اور اس کے بعد ”قلق“ پر وہ لوگ بھی توجہ فرمائیں جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر (معاذ اللہ) امت میں انتشار و افتراق کا الزام لگانے میں دلیری دکھاتے ہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوگی کہ کشفی صاحب اس ہدیہ سلام کے بارے میں اپنی تمنا کی تکمیل کرتے ہوئے اپنی مفصل تحریر یادگار بنائیں۔

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ص ۲۰ سے گوجراں والا کے پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کی تحریر شروع ہوئی ہے، اس کا عنوان ہے: ”ظہور قدسی: پس منظر (اردو نعت کے آئینے میں)۔“ وہ لکھتے ہیں: ”... آپ ﷺ ہی وجہ وجود کائنات تھے۔ آپ ﷺ ہی ازل انوار بھی تھے اور ابد آثار بھی اور آپ ﷺ ہی کے لیے رنگ و نور کے قافلے صدیوں سے مصروف سفر بھی تھے اور شہید جستجو بھی۔“ اس اقتباس میں ”تھے“ کا لفظ محل نظر ہے۔ میرے مالک و مولیٰ نبی کریم ﷺ وجہ وجود کائنات ”ہیں“۔ ازل انوار اور ابد آثار ”ہیں“۔ رنگ و نور کا سفر انہی کی بدولت جاری ہے۔ اس ابتدائی ہیراگراف کے آخر میں وہ خود ہی لکھتے ہیں: ”حق یہ ہے کہ آپ ﷺ ہی ہمارے درد کا درماں اور ہماری زیست کا عنوان ہیں۔“

دوسرا پیرا گراف یوں شروع ہوتا ہے: ”حق یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو فکر و نظر کی دنیا ویران، علم و عمل کے سلسلے افسردہ، اخلاق و کردار کے گلزار پرشمرہ...“

اس کے بعد انھوں نے جناب شاذ حنکنت کے اشعار بھی نقل کیے ہیں، یہ شعر ملاحظہ ہو:

”کعبے کو صنم خانہ بنائے ہوئے اب تک

ہم سجدہ کناں ہوتے اگر آپ (ﷺ) نہ ہوتے“

ص ۲۲ پر خالد بزمی کا یہ شعر نقل کیا ہے:

”یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم آج بھی ہوتے باطل کے پرستار، اگر آپ (ﷺ) نہ آتے“

پروفیسر اقبال جاوید صاحب سے مجھے صرف یہ عرض کرنی کہ وہ جناب سید ابوالخیر کشفی کے لیے ”نعت رنگ“ ہی میں بہت مفصل تحریر پیش کر چکے ہیں۔ کشفی صاحب نے تو حدیث قدسی اپنے الفاظ میں یوں بیان کی تھی لولاک لما خلقت الربوبیہ کہ نبی کریم ﷺ کے لیے ربوبیت کو پیدا کیا گیا (معاذ اللہ)۔ اس حدیث قدسی میں لفظ ”خلقت“ ہرگز نہیں بلکہ ”اظهرت“ ہے۔ حدیث قدسی کے مطابق کہنا یہ ہے کہ زمین و آسمان، دنیا پیدا ہی نہ ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بھی ظاہر نہ ہوتی۔ پروفیسر صاحب نے جناب ظفر علی خاں کی کہی ہوئی نعت کا یہ شعر ملاحظہ کیا ہوگا:

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو

یہ نور نہ ہو سیاروں میں یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں

اللہ کریم جلّ شأنہ کے ان ارشادات کو اپنی تحریروں میں نقل کرنے والے اس بات پر توجہ فرمائیں کہ میرے پیارے نبی پاک ﷺ نہ ہوتے تو یہ کائنات معرض وجود ہی میں نہ آتی۔ پھر یہ کہنا کہ ”ہم آج بھی باطل کے پرستار ہوتے یا کعبے کو صنم خانہ بنائے سجدہ کناں ہوتے“ کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ نبی پاک ﷺ نہ ہوتے تو ہم اور کائنات ہوتی ہی کہاں؟ واضح رہے میرا اعتراض تمام اشعار پر نہیں لیکن وہ تمام اشعار جو یہ مضمون رکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نہ ہوتے تو ہم ہوتے خواہ کسی حال میں ہوتے، میرے نزدیک وہ تمام اشعار قابل اصلاح ہیں۔ اسی طرح وہ اشعار بھی درست نہیں جن میں یہ بیان ہوا کہ رسول کریم ﷺ کی ”ولادت“ سے پہلے کسی دور میں بھی کوئی توحید سے آشنا نہیں تھا۔ واضح رہے کہ میں نے ”خلقت“ سے پہلے نہیں بلکہ ”ولادت“ سے پہلے لکھا ہے۔ کیوں کہ میرے نبی پاک ﷺ کی ولادت سے پہلے تمام انبیاء کرام

علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے تھے اور وحی الہی کو لوگوں تک پہنچانے تھے۔

ص ۲۶ پر پروفیسر اقبال جاوید صاحب لکھتے ہیں: ”مصر میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) فرعون کے ہاں پرورش پاتے رہے اور انہی کے ہاتھوں بفضلہ تعالیٰ فرعونیت غرق دریا ہوئی۔“ پروفیسر صاحب بخوبی جانتے ہوں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے محل میں بہت زیادہ وقت نہیں گزارا، علاوہ ازیں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی پرورش کے حوالے سے مصر کا تذکرہ صرف اسی ایک جملے میں یوں کرنا مصر کا اس وقت کا احوال ظاہر نہیں کرتا۔ وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ دریا میں فرعون خود غرق ہوا تھا، فرعونیت کی بجائے فرعون ہی کا لفظ موزوں ہوتا۔

ص ۲۹ پر وہ لکھتے ہیں، ”ظہور اسلام کے وقت مکہ ایک تجارتی شہر تھا۔“ اور ص ۳۱ پر لکھتے ہیں، ”جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ مکہ اس دور میں بھی مرجع خلّاق تھا اور اس ارادت اور رجوع کی وجہ خانہ کعبہ تھا۔“ ان کی تحریر میں اس جملے سے قبل مکہ مکرمہ کے مرجع خلّاق ہونے کا کہیں ذکر نہیں ملا اور انہوں نے عرب کے بعض مقامات پر اپنے اپنے بت رکھنے والوں کو ”خوش عقیدہ تاجر“ بھی لکھا۔ (ص ۲۸) سورہ قریش کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ: ”قریش کو اللہ تعالیٰ نے شکر پر ابھارا“ (ص ۲۹)۔ انہوں نے لکھا، ”انسان ویسے بھی خوگر مگر محسوس ہے۔ وہ تو نبی کی موجودگی میں، محض اس کے وقتی طور پر نظروں سے اوجھل ہو جانے پر گوسالہ سازی گوسالہ پرستی شروع کر دیتا ہے۔“ (ص ۳۰-۳۱) اسی صفحے پر ہے: ”...اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی معجزانہ انداز میں یوں حفاظت فرمائی کہ دیکھنے والے اس رنگ اعجاز کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔“ چند سطروں بعد یہ جملہ ہے، ”اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تمام نکاح ناجائز قرار دیے اور کم و بیش اسلامی طرز نکاح کو باقی رکھا۔“ یہ جملہ بھی اسی صفحے پر ہے، ”ان کی ان حرکات کو بت اپنی پھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔“ آخری سطر میں ہے، ”وہ (عرب) حج اور طواف بھی بتوں ہی کا کرتے۔“ ص ۳۱ کے شروع میں ان کی تحریر میں ہے، ”اسی لیے قرآن پاک نے فیصلہ دیا کہ آستانوں پر ذبح کیے گئے جانور حرام ہیں اور ان جانوروں کا گوشت بھی قابل استعمال نہیں۔ جنہیں ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔“

ص ۳۱ پر نثری عبارت جہاں ختم ہوتی ہے وہاں قوسین (بریکٹ) میں ”الرحیق المختوم“ درج ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ص ۲۹ کے آخر سے ص ۳۱ کے وسط تک کی نثری عبارت اسی

کتاب ”الرحیق المختوم“ سے نقل کی گئی ہے۔ پروفیسر اقبال جاوید صاحب نے اس اقتباس کا انتخاب کرتے ہوئے اس میں درج محل نظر باتوں پر توجہ نہیں فرمائی۔ قرآن کریم میں واضح ہے: اَم لَّهْم اَعْيُنٌ يَّبْصُرُونَ بِهَا (الاعراف-۱۹۵) یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں؟ اس قرآنی بیان کے بعد بتوں کے لیے یہ لکھنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی پھرانی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ پروفیسر صاحب نے گوسالہ سازی و گوسالہ پرستی کا ذکر بھی ہر انسان کے لیے جانے کیسے قبول کر لیا؟ ”بتوں کے حج“ کا فعل بھی وہ جانے کیسے مان گئے اور نہیں معلوم وہ اللہ تعالیٰ جل شلہ کے لیے یہ لفظ کیسے گوارا کر گئے کہ ”اس نے شکر پر ابھارا“۔ ”اللہ تعالیٰ کے لیے“ ”معجزانہ انداز“ کے الفاظ پر بھی مجھے کچھ تردد ہے۔

جاہلیت کے ”تمام نکاح“ ناجائز قرار دینے کی دلیل کیا ہے؟ آستانوں پر ذبح کیے گئے جانوروں کے حرام ہونے کا ذکر کہاں ہے؟ بات تو صرف اتنی ہے کہ وہ جانور جن کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ بلاشبہ حرام ہیں۔

ص ۳۶ پر جناب پروفیسر اقبال جاوید لکھتے ہیں: ”نظریہ توحید، آتش پرستی اور بت پرستی کے نرغے میں اپنی حیثیت اور واقعیت کھو چکا تھا۔ یہ ”جملہ“ وہ باندازِ دگر لکھتے تو بہتر ہوتا۔ نظریہ توحید اپنی حیثیت اور واقعیت کبھی نہیں کھو سکتا، ہاں لوگ اسے بھلا سکتے ہیں، یہ جملہ یوں ہوتا کہ بت پرستی اور آتش پرستی کی یلغار نے نظریہ توحید کی حیثیت اور واقعیت کو اوجھل کر دیا تھا۔

پروفیسر اقبال صاحب نے کافروں مشرکوں کی غلط کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی اپنی لفاظی میں احتیاط نہیں کی، وہ لکھتے ہیں: ”خون ریزی کے مناظر، وقتی تفریح مہیا کرتے اور بے ل کی ٹرپ جشن رقص کا کیف عطا کرتی تھی۔“ (ص ۳۶) اس جملے میں ”کیف عطا کرنا“ قابل توجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”خدا کا پہلا گھر ۳۶۰ بتوں میں گمراہ ہوا تھا۔“ (ص ۳۷) اس جملے میں ”بتوں میں گمراہ ہونا“ قابل توجہ ہے۔

وہ لکھتے ہیں: ”آگ، سورج، جن، فرشتے اور ستارے معبود بن چکے تھے۔“ (ص ۳۷)۔ اس جملے میں ”معبود بن چکے تھے“ کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ”عبادت گاہیں، عیاشیوں کے اڈے بن چکی تھیں۔“ ان الفاظ میں مجھے یہ جملہ گراں گزرا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنی رنگینی بیاں کا مظاہرہ آیات قرآنی کے ترجمے میں بھی فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

”وہوالذی یُنزل الغیث من بعد ما قنطوا و ینشر رحمته (۲۸-۲۲) اور یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ایسی ناامیدیوں کے بعد اپنے صاحب کرم کو بھیجتی اور اس طرح اپنی بساطِ رحمت کو صفحہٴ ارضی پر بچھا دیتی ہے۔“ (ص ۳۷) اسی صفحے پر ایک آیت قرآنی کا ترجمہ وہ کیا کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس (۳۱-۳۰)

(اس وقت انسانی سیہ کاریوں سے حالت یہ ہو چکی تھی کہ خشکی و تری میں ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔ کوئی شے اپنے صحیح مقام پر نہیں رہی تھی)۔“ اور ص ۳۹ پر بھی ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

”اللہ اعلم حیث یجعل رسالہ۔ (اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کا پیغام کہاں اور کس کے حوالے کیا جائے گا)۔“

ترجمے میں زیادہ الفاظ سے قطع نظر یہاں انھوں نے اللہ تعالیٰ ”بہتر جانتا ہے“ کی بجائے ”جانتے ہیں“ لکھا اور پھر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ”اس کا پیغام“ کے لفظ لکھے۔ جب انھیں ”جانتا ہے“ کے لفظ گوارا نہیں تو اللہ تعالیٰ کے لیے ”اس کا“ کے لفظ کیوں گوارا ہیں؟ ان آیات قرآنی کا انھوں نے لفظی ترجمہ نہیں کیا، وہ لفظی ترجمہ کر کے تفسیر و تشریح میں زیادہ لفظ لکھتے، انھیں شاید نہیں معلوم کہ قرآنی آیات کا اس طرح ترجمہ کرنا کہ (بغیر تفسیر کے) اپنی طرف سے لفظ بدحانا، سنگین جرم شمار ہوتا ہے۔

ص ۳۹ پر وہ لکھتے ہیں: ”اسی لیے یہیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کے اولین گھر کی بنیاد رکھی تھی۔“ اس جملے میں ”اسی لیے“ کے لفظ محل نظر ہیں۔ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیاد ہرگز از خود اور اسی لیے ”یہیں“ یعنی مکہ مکرمہ میں نہیں رکھی تھی کہ وہ ”ام القریٰ“ ہے بلکہ بحکم الہی اس سرزمین کا انتخاب ہوا تھا۔ یہ جملہ یوں ہوتا:

رب العظیمین جل شانہ نے اسی ام القریٰ میں اپنا پہلا گھر اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیر کرنے کا حکم فرمایا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خود کو میرے پیارے نبی پاک ﷺ کا تمنائی بناتے ہوئے جو دعا فرمائی اس کے الفاظ قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔ ”ہزکیہم“ کے لفظ کا ترجمہ پروفیسر اقبال صاحب نے ”دلوں کو ترکیہ بخشنے“ لکھا ہے اور دعائے خلیل کو دو جلیل القدر پیغمبروں کی دعا لکھا اور یہ بھی لکھا کہ: ”ان دعاؤں کے نتیجے کے طور پر مکہ ہی کے مقدر میں تھا کہ وہ دعوتِ اسلامی کا مرکز بنے۔“ (ص ۴۰)

مجھے جتنی سمجھ ہے اس کے مطابق عرض گزار ہوں کہ یہ جملہ یوں صحیح ہوتا کہ: ”اس دعا کا ظہور بھی مکہ مکرمہ کے ہی مقدر ہوا۔“ کیوں کہ میرے نبی پاک ﷺ کا ظہور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں نہیں ہوا، حدیثِ قدسی واضح کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو نہ بنانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کائنات ہی نہ بناتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعا کرنا خود کو میرے نبی پاک ﷺ کا تمنائی بنانا ظاہر کرتا ہے، وہ اگر یہ دعا نہ بھی فرماتے تو میرے نبی پاک ﷺ کی تشریف آوری یقینی تھی۔

پروفیسر اقبال صاحب نے جناب ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ جو نقل کیے ہیں، وہ شاید کمپوزنگ یا اصلی تحریر میں پورے نقل نہیں ہوئے یا پھر میں ہی اپنی کسی کوتاہی سے ان میں درج مفہوم کو نہیں پاسکا۔

پروفیسر صاحب نے رسول کریم ﷺ کے لیے ”آیہ کائنات کا معنی دیر یاب“ کے لفظ لکھے ہیں، ان الفاظ میں کچھ تامل ہے۔ انھوں نے اصحابِ فیل کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: ”نخنے نخنے پرندوں کے ذریعے ہاتھیوں اور ان کے سواروں کا کھائے چارے کی طرح چورا چورا ہو جانا، قرآن پاک کے اوراق میں محفوظ ہو کر ایک تاریخی صداقت بن گیا۔“ (ص ۴۴)

پروفیسر اقبال جاوید صاحب نے اپنی اس تحریر میں اپنے معیارِ دانست کے مطابق منتخب اشعار اور اقتباس زیادہ نقل کیے ہیں، جہاں کہیں وہ کسی بات یا واقعے کو خود اپنے اسلوبِ تحریر کے مطابق بیان کرتے ہیں وہاں کبھی ان کی توجہ نہیں رہتی اور لفظوں کی بندش میں وہ جملہ ایسا لکھ جاتے ہیں جو عملِ نظر ہوتا ہے۔ پروفیسر صاحب بخوبی جانتے اور مانتے ہوں گے کہ قرآن کریم میں حق و صداقت کے سوا کچھ نہیں، اب ان کا یہ جملہ کہ: ”قرآن پاک کے اوراق میں محفوظ ہو کر ایک تاریخی صداقت بن گیا“ قابلِ توجہ ہے۔ بات تو یہ ہے کہ اصحابِ فیل کا واقعہ وہ ہے جس کی تاریخی صداقت قرآن سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں اس واقعے کے ذکر میں انھوں نے ہاتھیوں اور ان کے سواروں کے الفاظ بھی لکھے جب کہ ابراہیم کے لشکر میں ہاتھیوں کا ذکر ہے جو لشکر کے آگے چنگھاڑتے ہوئے بڑھے تھے، ہاتھی پر سوار ہونے کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا، ہو سکتا ہے پروفیسر صاحب نے ”اصحابِ فیل“ کا از خود ترجمہ ”ہاتھی کے سواروں“ کر لیا ہے۔ واضح رہے کہ میرے پیشِ نظر ہر وہ احتیاط ہے جو حقائق کو کسی طرح ادجمل نہ کرے۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے ضرور آگاہ کیا جائے۔

وہ لکھتے ہیں: ”قبل ولادت اور بوقت ولادت پاک، حضرت آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بہت سی محیر العقول روایات منقول ہیں۔“ (ص ۴۵)

”محیر العقول“ عجیب و غریب باتوں کو بھی کہا جاتا ہے، اس کا تاثر کچھ بھی ملتا ہے کہ پروفیسر اقبال صاحب کو مخدومہ کائنات حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایات جو منقول ہیں، وہ قبول نہیں۔ واضح رہے کہ پروفیسر صاحب نے کہیں بھی اپنے لیے ”محدث“ ہونے کا دھڑی نہیں فرمایا ہے، پھر جانے کیوں خود کو کوئی درجہ دیتے ہوئے ان روایات کے بارے میں ”محیر العقول“ کے لفظ کسی دلیل کو بیان کیے بغیر لکھ دیئے۔ اختلاف کا حق وہ اپنے لیے ضرور محفوظ رکھیں لیکن اختلاف کی بنیاد محض اپنی عقل ہی نہ ٹھہرائیں، اگر وہ ان روایات کے بارے میں ”محیر العقول“ کے لفظوں کا معنی عجیب و غریب کے سوا کوئی اور ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس لفظوں کی کمی نہیں، وہ احادیث اور بیان سیرت کے حوالے سے ایسے لفظوں کا استعمال نہ فرمایا کریں جن میں منفی معنی و مفہوم بھی ہوتا ہے۔

پروفیسر صاحب نے اپنی تحریر میں ص ۴۹ سے ص ۵۰ کے آخر تک جناب ابوالکلام آزاد کا ایک اقتباس پیش کرتے ہوئے لکھا کہ: ”الفاظ اس کا حسن سمیٹنے اور اس کی تاثیر بیان کرنے سے قاصر ہیں۔“ (ص ۴۹)

انہوں نے صرف ”الفاظ“ لکھا ہے ”میرے الفاظ“ نہیں لکھا، اس لیے اسے خلاف واقعہ کہا جائے یا مباخذہ؟ ”نعت رنگ“ کے لیے تحریر میں یہ جملہ پروفیسر صاحب نے جس اقتباس کے لیے لکھا ہے اس اقتباس کی پہلی تین سطریں ہی ملاحظہ ہوں: ”اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نے جس طرح جسم کے لیے زمین کے اندر طرح طرح کے خزانے رکھے ہیں، اسی طرح روح کی غذا کے لیے بھی اس کے آسمانوں کی وسعت معمور ہے، جس طرح جسم کی غذا اور زمین کی مادی حیات و نمو کے لیے آسمانوں پر بدلیاں پھیلتیں، بجلیاں چمکتیں اور موسلا دھار پانی برستا ہے۔“ (ص ۴۱)

اس اقتباس میں پہلے یہ بیان ہے کہ جسم کے لیے زمین کے اندر خزانے ہیں اور روح کے لیے آسمان کی وسعت معمور ہے اور پھر جسم ہی کی غذا کے لیے آسمان کا ذکر ہے۔ تین ہی سطروں میں اس تضاد کے باوجود ”الفاظ“ اس اقتباس کا حسن سمیٹنے اور تاثیر بیان کرنے سے قاصر ہی ہوں گے۔ اس اقتباس میں یہ جملے بھی ملاحظہ ہوں:

”عالم انسانیت کی فضائے روحانی کا ایسا ہی انقلاب عظیم تھا جو چھٹی صدی عیسوی کے

وسط میں ظاہر ہوا“

”وہ رحمتِ الہی کی بدلیوں کی ایک عالم گیر نمود تھی۔“

”زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں کی بد حالی کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔“
 ”وہ خداوندِ قدوس جس نے سینا کی چوٹیوں پر کہا تھا کہ میں اپنی قدرت کی بدلیوں کے اندر آتشیں بجلیوں کے ساتھ آؤں گا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ میرے جاہ و جلالِ الہی کی نمود ہوگی۔ سو بالآخر وہ آگیا اور سیرد فاران کی چوٹیوں پر اس کے ابرِ کرم کی بوندیں پڑنے لگیں۔“

”یہ سعادت بشری کا آخری پیام تھا۔ یہ وراثتِ ارضی کی آخری بخشش تھی۔ یہ اُمتِ مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا۔“ (ص ۵۰)

پروفیسر اقبال صاحب نے شاید توجہ نہیں کی کہ ”ومن ھدیتنا امة مسلمة لك“ کے الفاظ قرآن کریم میں مذکور دعائے خلیل علیہ السلام میں ہیں۔ اس کے باوجود وہ جس قدر مبالغہ چاہیں اس اقتباس کے لیے روا جانیں۔

ص ۵۱ سے گوجراں والا ہی کے پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب کی مفصل تحریر شروع ہوئی ہے۔ انھوں نے خاصی محنت کی ہے اور اپنے اسلوبِ تحریر کی خوبیوں سے مضمون کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس تحریر میں کچھ جملے قابلِ توجہ ہیں:

”اس قافلے کے کسی مسافر کے قدموں میں کبھی بھی ادنیٰ سی لرزش یا ٹھکری لغزش کا گمان تک نہیں ہوتا۔“

”یہ قافلہ حدود سے قنود سے ماورا ہے۔ زمان و مکان کے تخیلات سے سربلند ہے۔“ (ص ۵۱)

”جب رب کریم نے تمام انبیاء و رسل کی ارواح سے عظمتِ محمدی ﷺ کو تسلیم کرنے کا عہد لیا تھا۔ اور اقرار کی صورت میں فرشتوں اور اپنی ذات کو گواہ بنا کر ان کے سروں پر نبوت و امامت کے تاج سجادیے تھے۔“

”جس کی صبح و شام کے ظہور کا تصور حیاتِ ارضی کی پابندیوں سے نا آشنا ہے۔“ (ص ۵۲)

”ممدوح جتنا حسین و جمیل اور صاحبِ اوصاف پاکیزہ ہوگا اس کا قصیدہ

بھی اتنا ہی مکمل اور جامع ہوگا۔“ (ص ۵۴)

”بھی تو ایک ایسا موضوع دل پذیر ہے کہ جہاں خالق و مخلوق ایک ہی مطلوب و محبوب کے تذکار کو عام کرنے کے سلسلہ میں ایک ہی مقام مدحت و ثناء پر دکھائی دیتے ہیں۔“

”تمام زبانوں کے ذخیرۃ الفاظ میں بہت کم الفاظ اتنے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ کسی سے نسبت رکھنے کی بنا پر سربلند و سرفراز اور تبرک و محترم ہو جائیں۔“ (ص ۵۴)

”آپ ﷺ کی تشریف آوری میں انبیاء و رسل کی دعاؤں کا جواب تھی۔“ (ص ۵۵)

”اس لحاظ سے قرآن مجید ایسی نعت رسول ﷺ ہے جو ملک قدرت سے رقم ہو رہی ہے۔“ (ص ۵۶)

”رنگ، خوش بو، صبا، چاند تارے، کرن، پھول، شبنم، شفق، آب جو چاندنی تیرے معصوم ہیکر کی تخلیق میں حسنِ فطرت کی ہر چیز کام آگئی۔“ (ص ۵۶)

”بلکہ اس کا مقصد انشراحِ حقیقت تھا کہ میرے صحابہ بھی میرے مقام سے آگاہ ہو جائیں کہ خدا نے انبیاء کے مقابلے میں مجھے کن فضائل سے نوازا رکھا ہے۔“ (ص ۵۷)

”اس لیے اس کی نعت کی رحریں اور اس کے استعارے مبالغہ و اغراق کی تاب نہیں لاسکتے۔“ (ص ۵۸)

”معتبر اور مستند راویوں نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نبی کریم نے مسجد نبوی میں ایک منبر (حضرت سیدنا) حسان بن ثابت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔“ (ص ۵۹)

”چوں کہ مفت و ثنائے مصلفی (ﷺ) کا ذمہ خود خدائے جی و قیوم نے اٹھا رکھا ہے۔“ (ص ۶۳)

”اس لحاظ سے یہ حقیقت ہے کہ اردو شاعری کی دوسری اصنافِ سخن کی

طرح نعت بھی فارسی سے ورثہ میں ملی ہے۔“ (ص ۶۴)
 ”آپ ﷺ کی صورت پاکیزہ اور سیرت مطہرہ کی عظمتوں کو اتنے ادبی
 اختصار اور معنوی جامعیت کے ساتھ بیان کرنا صرف شیخ سعدی
 (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا ہی معمولی اعزاز ہے۔“ (ص ۶۴)

”نعت رسول ﷺ تو شعار خداوندی ہے۔“ (ص ۶۵)
 ”مولانا عبدالرحمن جامی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی نعت گوئی تو اردو نعت
 کو سوز و گداز اور معنی آفرینی کا ذوق عطا کرنے کا باعث بنی ہے۔“
 ”اردو زبان کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ اردو نعت مسلسل سنورتی،
 نکھرتی اور عشاق رسول ﷺ کے جذبات کی ترجمانی کرتی رہی۔“ (ص ۶۶)
 ”اس طرح اردو نعت کو صحیح معنوں میں ذات و صفات مصطفیٰ ﷺ کی
 ترجمانی کا اعزاز حاصل ہو گیا۔“ (ص ۷۲)

”ان کی نعتیہ شاعری بلاشبہ جبریل (علیہ السلام) کے نطق مستعار کا
 اعجاز نظر آتی ہے۔“ (ص ۷۲)
 ”ان (علامہ اقبال مرحوم) کا قلم شہر جبریل کی صورت اختیار کر لیتا
 ہے۔“ (ص ۷۷)

”ظفر علی خاں چوں کہ اسلامیانِ برصغیر کے مسلم قومی رہ نما تھے۔“ (ص ۷۸)
 ”جب نعت گوئی کا بازار سرد پڑ گیا تھا۔“ (ص ۸۱)

جو لامکاں میں خدا سے نظر ملا کے چلے
 حضور (ﷺ) امت ماسی کو بخشوا کے چلے
 (ص ۸۱)

”حفیظ کا معجز کا رقص الفاظ کے جواہر تراشتا۔“ (ص ۸۲)
 ”... اور دوسری طرف تجلیات جلال کی لمحہ افشانی ہے جو شہنشاہوں کو
 آدابِ عجز سکھاتی ہے۔“ (ص ۸۴)

”حفیظ تائب نے اس دور کے غزل گو کو نعت کا سلیقہ بخشا
 ہے۔“ (ص ۸۵)

”ان کے علم و فضل سے اسلام کی تبحر علمی اور طلاقت لسانی کی یاد تاز ہوتی ہے۔“ (ص ۸۵)

”بجز خدا کوئی چٹا نہ تھا لگا ہوں میں
خدا کے بعد فقط تو چٹا لگا ہوں میں“
”ان کا قلم ہر میدان میں یکساں وقار کے ساتھ موتی بکھیر رہا ہے۔“ (ص ۸۶)

ظاہر ہوا قلم تو محمد (ﷺ) کے لفظ پر
شیریں ہوئی زباں تو محمد (ﷺ) کے نام سے

☆

دو عالم تھے سرور قدموں تلے
دینے کا جب راستہ مل گیا
(ص ۸۹)

”ان کا وجدان احاطہ عظمت حضور (ﷺ) کے لیے...“ (ص ۱۰۲)
”اگر سیرت و کردار رسول (ﷺ) کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ نہ کیا جائے...“
(ص ۱۰۵)

”...سرکارِ دو عالم علیہ التحیۃ والثناء کی صورت و سیرت کو اسی حسین و دل آویز انداز میں پیش کیا جائے جو ان کے خالق کو منظور و محبوب رہا ہے۔“
(ص ۱۰۶)

”یہی وہ سراپائے نور ہے کہ جسے

داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا

کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے۔“ (ص ۱۰۶)

”حضور پر نور سید یوم النور محمد مصطفیٰ (ﷺ) کا فیض نبوت ابد کی انتہا تک محیط ہے۔“ (ص ۱۰۶)

”آپ کی رحمت کا سوال کرتے ہوئے دلوں کے داغ آپ کی نذر کیے ہیں۔“

”کہ رحمت پناہ الہی و جاں کی چشم کرم ہی خدائے مطلق کی رحمت
بے کراں کا بہانہ بن سکتی ہے۔“ (ص ۱۰۷)

”حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر انسانیت ہیں۔“ (ص ۱۰۷)

”ایسی بے مثال ہستی کی بے مثالیت کا ناگزیر تقاضا تھا کہ اس کا قبول و
تاثر عالم گیر ہوتا۔“ (ص ۱۰۷)

”ایسے چند غیر مسلم شعرا ہیں جنہوں نے بیسیوں دوسرے غیر مسلم شاعروں
کے دوش بدوش پراثر انداز میں محامد رسول ﷺ کا حق ادا کرنے کی کوشش
کی۔“ (ص ۱۰۷-۱۰۸)

”اے ایمان والو! تم درود بھی بھیجو اور خوب خوب سلام بھی۔“ (ص ۱۰۸)

”خدا اور فرشتوں کی تقلید میں۔“ (ص ۱۱۰)

”اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ ختمی مرتبت کی اطاعت کو منشاء قدرت
قرار دیا ہے۔“ (ص ۱۱۳)

”یہ جذبہ صبح ازل کا نکھار، شام ابد کا نگار، کائنات انسانی کا نکھار، تہذیب
عالم کا افتخار اور روح ارضی کا وقار ہے۔“ (ص ۱۱۳)

”جس کی عظمت و شوکت کے تصور سے ہی جبین عالم سجدہ ہائے نیاز کے
لیے تڑپنے لگتی ہے۔“ (ص ۱۱۳)

”کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ حضور انور ﷺ نے خربوزہ کس طرح کھایا
تھا۔“ (ص ۱۱۳)

”ایک عاشق رسول ﷺ نے غزوہ احد میں حضور نبی کریم ﷺ کے دانت
شہید ہونے کی خبر سن کر اس بنا پر اپنے تمام دانت توڑ ڈالے تھے کہ وہ یہ
نہیں جانتے تھے کہ حضور پر نور ﷺ کے کون سے دانت شہید ہوئے
ہیں۔“ (ص ۱۱۴)

”کسی طرح یوسف عربی ﷺ کے خریداروں میں اس کا نام ہو جائے۔“
(ص ۱۱۹)

”...نعت حضور ﷺ کے حوالے سے قدسی زم زموں سے آباد بقائے دوام

کے دربار میں ہاں شہرت عام نہیں بلکہ فقط خوش نودی سید خیر الانام مقصود ہے۔“ (ص ۱۳۰)

اس تحریر میں اور دیگر تحریروں میں بھی جہاں کہیں ”نعت گوئی“ لکھا جانا چاہیے تھا وہاں صرف ”نعت“ کا لفظ درج ہے۔ اس حوالے سے پہلے بھی اپنی ایک تحریر میں معروضات پیش کر چکا ہوں۔ اسی تحریر میں مجھے پہلی مرتبہ یہ پڑھنے کو ملا کہ نعت شریف کو فنون لطیفہ میں شمار کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی آیت واما بنعمۃ ربک فحدث دو جگہ اس تحریر میں ہے اور دونوں جگہ غلط املا کے ساتھ کمپوز ہوئی ہے یا اصل تحریر ہی میں غلط لکھی گئی ہے۔ متعدد مقامات پر درج الفاظ کی املائی اغلاط کو میں نے کمپوزنگ ہی کی غلطی شمار کیا۔ مذکورہ بالا قابل توجہ جملے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ ان جملوں پر نظر ثانی کرتے ہوئے مضمون نگار اگر میرا اعتراض نہ پاسکیں تو یہ فقیر پھر محنت کر کے معترضہ یا متنازع بات کی نشان دہی کر دے گا۔

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ص ۱۲۲ سے جناب ڈاکٹر سید یحییٰ قسیط کی تحریر بعنوان: ”اردو میں نور ناموں کی روایت“ شروع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ”نعت رنگ“ میں اس سے پہلے بھی متعدد تحریریں شامل ہوئی ہیں بلکہ ان کا نام ”نعت رنگ“ کے صفحہ اول پر ہر شمارے میں ”نعت رنگ“ کے نمائندے کی حیثیت سے درج ہوتا ہے۔ ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ادارے میں بھی ان کا ذکر نمایاں ہے۔ اپنی اس تحریر کے شروع میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ”حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رسول خدا تاج دار مدینہ آں حضرت ﷺ کے ”بیکر نور“ ہونے کا عقیدہ دراصل قرآن حکیم کی ان آیات کا نتیجہ ہے جن میں آپ ﷺ کو ”نور“ کہا گیا ہے اور سر اجا میرا کہہ کر آپ کا وصف بیان کیا گیا ہے اس عقیدے کو ان احادیث رسول ﷺ سے بھی تقویت ملتی ہے جن سے آں حضور ﷺ کا ”نور مجسم“ ہونا ثابت ہوتا ہے۔“ (ص ۱۲۲) اور اسی صفحے کی آخری سطر میں پھر لکھتے ہیں: ”احادیث میں بھی آں حضرت ﷺ کے ”نور مجسم“ ہونے کی صراحت کی گئی ہے۔“ ص ۱۲۳ پر لکھتے ہیں: ”حضور ﷺ کے صفت نور کو موضوع سخن بنا کر عربی، فارسی اور اردو شاعری میں کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ شعرا نے مختلف پیرائے میں نور کی کیفیت بیان کی ہے اور یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ سراپا نور تھے۔“

ڈاکٹر صاحب نے پہلے خود ہی لکھا کہ نبی کریم ﷺ کے بیکر نور ہونے کا عقیدہ قرآنی

آیات کا نتیجہ ہے اور یہ بھی لکھا کہ رسول کریم ﷺ کا مجسم نور ہونا احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور پھر وہ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ شعرا نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ سراپا نور تھے۔ وہ خود ہی بتائیں کہ شعرا نے اپنی شاعری سے نبی کریم ﷺ کو سراپا نور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یا آیات قرآنی اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے جو ثابت ہوتا ہے، اس کی ترجمانی کی کوشش کی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈاکٹر یحییٰ عیسیٰ صاحب نے لکھنے کو تو آیات قرآنی اور احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حوالہ دے کر میرے نبی پاک ﷺ کا نور مجسم ہونا لکھ دیا ہو لیکن خود ان کا یہ عقیدہ نہ ہوا

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دیگر اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ”روشن چراغ“ سے تشبیہ دیتا ہے۔

یا ایہا النبی انا ارسلنک شاهدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنه و مسراجا منہرا (سورۃ احزاب آیت-۴۶) ”اے نبی ہم نے تمہیں بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور بشارت دینے والے ہیں اور ڈرنے والے اور بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔“ (ص ۱۲۲)

اس اقتباس میں ڈاکٹر صاحب نے پہلے یہ لکھا کہ اللہ کریم جل شانہ نبی کریم ﷺ کو ”روشن چراغ“ سے تشبیہ دیتا ہے، پھر ترجمہ میں لکھا کہ ”آپ ایک روشن چراغ ہیں۔“ لفظ ”شاہدا“ کا ترجمہ انھوں نے یہ لکھا ہے کہ ”آپ گواہ ہوں گے۔“ باقی صفات کے لیے ”ہیں“ کا لفظ ترجمہ میں ہے۔ اور وہ جانتے ہوں گے کہ ”منیر“ نور دہندہ راگویند، چمکانے والے کو کہتے ہیں اور ”سراج“ سورج کو بھی کہتے ہیں۔ ”چمکا دینے والا آفتاب“ یا ”روشن کر دینے والا چراغ“ کے لفظوں سے ترجمہ زیادہ صحیح ہوگا۔ ترجمے کی عبارت میں ”ڈرنے والے“ کے الفاظ جانے کس لفظ کا ترجمہ ہیں؟

وہ ص ۱۲۲ پر لکھتے ہیں: ”نور احمدی“ سے متعلق نظامی اور میراں جی کے یہاں خیالات میں باہم مطابقت ملاحظہ ہو کہ دونوں نے نبی ﷺ کے نور کو تخلیق اول قرار دیا اور دنیا میں روشنی کے پھیلنے کا سبب نور نبی ﷺ کو ٹھہرایا۔“ ڈاکٹر صاحب کی تحریر کے اس اقتباس میں ”قرار دیا اور ٹھہرایا“ کے الفاظ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان دو شاعروں نے از خود ایسا کیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان شاعروں نے احادیث شریفہ کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ حقیقت بیان کی ہے۔ میرے

مطالعے میں ڈاکٹر یحییٰ قسیط صاحب کی یہ پہلی وہ تحریر جس میں انھوں نے یہ جملے لکھے ہیں: ”ایسی روایات ہیں جن کے حسن و بیج اور دین میں ان کے مقام و اہمیت کو علما کرام دین بہتر سمجھ سکتے ہیں۔“ (ص ۱۲۷) مجھے خوشی ہوئی کہ انھوں نے احتیاط کی طرف کسی قدر پیش رفت فرمائی مگر ان کی اس تحریر میں اس احتیاط کے برعکس بھی نظر آیا۔ ص ۱۲۹ پر وہ لکھتے ہیں: ”اس کے بعد شاعر نے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ اللہ کے حکم سے روحوں نے جب نور مجسم محمد ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کے جسم کے جس حصے کو دیکھا دنیا میں اس اعتبار سے انھیں بزرگی ملی۔ یعنی روح نے گردن دیکھی تو وہ دنیا میں تاجر ہوا، بازو دیکھے تو لشکر کے سپاہی ہوئے اور تنج بازی میں اسے سروری حاصل ہوئی۔ وغیرہ ”رگ وید“ کے ”پرش سوکت“ میں بھی لکھا ہے کہ ”پرش“ کے منہ سے ”برہمن“ پیدا ہوئے، اس کے بازو سے ”پھتری“ (سپاہی) بنے اس کی رالوں سے ”ولیش“ کا جنم ہوا اور اس ک پیروں سے ”شور“۔ ہندو اسطور سے اس مطابقت کا ہم کیا نتیجہ نکال سکتے ہیں؟“

ڈاکٹر صاحب خود ہی غور فرمائیں کہ انھوں نے کس عجلت اور غفلت کا مظاہرہ کیا ہے اور خود ساختہ ”مطابقت“ بھی بیان کر دی۔ شاعر کی بیان کردہ روایت اور رگ وید کے ”پرش سوکت“ میں وہ خود ہی غور کرتے تو انھیں واضح فرق نظر آتا لیکن جانے کیوں وہ یہاں احتیاط نہ کر سکے۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ روایت میرے پڑھنے سننے میں اس سے پہلے نہیں آئی لیکن ڈاکٹر صاحب کی بے احتیاطی پر طال ہوا۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کے حوالے سے کچھ ملتی جلتی باتوں پر مشتمل ہندوانہ حکایات میں بھی کیا ڈاکٹر صاحب مطابقت کی بات کریں گے؟ ڈاکٹر صاحب خود روایت لکھ رہے ہیں کہ ”روحوں نے جب نور مجسم (سیدنا) محمد ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کے جسم (اقدس) کے جس حصے کو دیکھا دنیا میں اس اعتبار سے انھیں بزرگی ملی۔“ اور رگ وید میں پرش کے منہ، بازو، رالوں اور پاؤں سے پیدائش کا ذکر ہے۔ وہ بتائیں کہ کیا مطابقت انھیں نظر آئی؟ ڈاکٹر صاحب اپنی تحریر میں جا بجا روایتوں کے ضعف کا ذکر کرتے ہیں، نہیں معلوم وہ خود اسماء الرجال اور اصول حدیث سے کوئی واقفیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ خود تحقیق فرماتے ہیں؟ یا کسی پر اعتبار کرتے ہوئے رائے دیتے ہیں؟ مجھے بہت عجیب احساس ہوا کہ ان کی تحریر میں یہ جملہ بھی ہے: ”صاحب روح البیان“ کی یہ حدیث ہم نے پچھلے صفحات میں بیان کر دی ہے۔“ (ص ۲۹)

ڈاکٹر صاحب نے ”صاحب روح البیان کی یہ حدیث“ کے الفاظ لکھ کر حدیث شریف

سے اپنی واقفیت اور شغف کا واضح اظہار فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ”ایک خاص بات جو پیش تر نور ناموں میں خصوصیت کے ساتھ برتی گئی ہے وہ یہ ہے کہ پیدائش نور محمدی ﷺ کے بیان میں ”لولاک لما خلقت الافلاک“ کو شامل کر لیا گیا ہے، درآں حالے کہ اس میں ”نور“ سے متعلق کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔“ (ص ۱۳۲)

ڈاکٹر صاحب توجہ نہیں فرماتے تو رگ دید سے مطابقت انہیں نظر آ جاتی ہے اور توجہ فرماتے ہیں تو واضح بات نہیں دیکھتے۔ نور ناموں میں اس حدیث قدسی کو تخلیق اول نور محمدی ﷺ کے بیان کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے، اس لیے اس ارشاد کو غیر متعلق نہیں کہا جاسکتا۔ ص ۱۳۲ پر ڈاکٹر صاحب نے برہان الدین جانم کے جو اشعار پیش کیے ہیں اسے ایک حدیث شریف ہی کی شرح فرمایا ہے اور روایت کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ وہ اس روایت کو حدیث لولاک کی تائید میں خود ملاحظہ فرمائیں۔

ص ۱۳۲ پر وہ لکھتے ہیں: ”امیر مینائی نے بیان کی ہوئی تیسری روایت خالص متصوفانہ لب و لہجہ لیے ہوئے ہے۔“ مجھے اس جملے میں جو تاثر ملا وہ یہ کہ اس روایت یعنی حدیث شریف کا لہجہ خالص متصوفانہ ہے۔ اگر میں نے غلطی کی ہے تو معذرت خواہ ہوں وگرنہ ڈاکٹر صاحب نے توجہ نہیں فرمائی۔ جن حجابات اور رموز و اسرار کا تذکرہ ڈاکٹر صاحب نے نقل کیا ہے، وہ امیر مینائی کے از خود بیان کردہ نہیں بلکہ حدیث شریف کی ترجمانی ہیں۔

”ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے: ”عقیدت و عقیدے کی شاعری میں شعریت بڑی حد تک مفقود ہوتی ہے۔“ (ص ۱۳۱) ڈاکٹر صاحب کی اس بات کو بہ تمام کمال ماننا میرے لیے تو بہت مشکل ہے۔ حمد و نعت، منقبت، قصیدہ، مرثیہ وغیرہ سبھی عقیدت و عقیدے سے خالی نہیں، کیا ہر شاعر کے ہاں ان اصنافِ سخن میں شعریت بڑی حد تک مفقود ہے؟

ڈاکٹر یحییٰ عظیم صاحب نے ”معراج ناموں“ کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اسم گرامی اور قصیدہ معراجیہ کا ذکر نہیں کیا تھا، اس فقیر نے اس بات کی نشان دہی ”نعت رنگ“ کے شمارہ ۶ میں کی تھی۔ اب شمارہ ۱۵ میں نور ناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کہے ہوئے ”قصیدہ نور“ اور حدائق بخشش میں اس موضوع پر سیکڑوں اشعار ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جانے یہ جملہ کیوں لکھا کہ: ”خان صاحب نے امت کی دل میں

فکر محمدی ﷺ سے زیادہ عشق محمدی ﷺ پیدا کرنے کی سعی فرمائی تھی۔“ ڈاکٹر صاحب خود ہی وضاحت فرمادیں تو بہتر ہے ورنہ حقائق کے بیان میں میرا جواب ”مسلکی اجارہ داری“ شمار کرنے والے تو اسی جملے کے تعاقب کو بھی اپنے ”دعوے“ کے ثبوت میں پیش کرنا چاہیں گے۔

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ص ۱۴۰ پر عنوان ہے: ”نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری“ یہ تحریر ملتان کے جناب عاصی کرنالی کی ہے۔ انھوں نے یہ تحریر ایک مذاکرے میں پیش کیے جانے والے خیال کے جواب میں لکھی ہے۔ مجھے اس تحریر کو پڑھ کر خیال آیا کہ آپ (جناب سید صبیح رحمانی) کو مشورۂ عرض کروں کہ ”نعت رنگ“ کے ہر شمارے کی اشاعت سے قبل اگر نعت شریف کے حوالے سے ایک مذاکرے کا اہتمام رکھیں تو اس میں تنقید نعت کے بہت سے پہلوؤں پر گفتگو محفوظ کی جاسکے گی اور یہ مذاکرہ ہر مرتبہ الگ شہر میں منعقد ہو۔ اسی طرح ہر شمارے کے لیے اہم عنوان پر ایک یا دو سوال مرتب کر کے شاعروں، ناقدوں اور ادیبوں کے جواب جمع کیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح وہ اہم باتیں جو ضروری ہیں اور مضامین میں بالعموم نہیں لکھی جاتیں وہ بھی آجائیں گی۔ ہر چند کہ جناب عاصی کرنالی نے اپنی طرف سے عمدہ وضاحت کی ہے تاہم اس موضوع پر بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مذاکرے میں خیال یہ پیش کیا گیا جمال صورت کی بجائے صرف جمال سیرت کو موضوع بنانا چاہیے اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کا مقدس سراپا ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور شعرا جمال صورت بیان کرتے ہوئے بالعموم محبوب مجازی کے ملازمات استعمال کرتے ہیں۔ یہاں اس تحریر میں اگر صرف لفظ ”جمال“ ہی پر لغت کے مطابق تفصیل لکھوں تو تحریر بہت طویل ہو جائے گی۔ مجھے تعجب ہے کہ قرآن کریم، احادیث شریفہ اور کتب سیرت کی موجودی کے باوجود شرکائے مذاکرہ نے اپنے خیال پر اتنی گفتگو کیسے کر لی؟

مشہور روایت ہے: ”اللہ جمیل یحب الجمال“۔ سبھی جانتے ہیں کہ اللہ کریم جل شانہ جسم جسمانیات سے پاک ہے۔ جمیل اور حسین کے الفاظ کے الگ معانی عربی داں اور لغت سے شغف رکھنے والے طبقے سے غنی نہیں۔ شعراء میں سے وہ لوگ جو آداب سے کسی قدر بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ احتیاط ملحوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور محبوب مجازی والا سلوک محبوب رب العالمین ﷺ سے نہیں کرتے۔

عاصی کرنالی صاحب لکھتے ہیں، ”ذہن میں رکھیے کہ اس وقت لفظ ”نعت“ اسلام میں مروج اصطلاحی مفہوم نہیں رکھتا تھا۔ یعنی تو صیف رسول ﷺ کا تصور نہ تھا۔ جب شعراء عرب

نے اسلام قبول کیا تو ان کی نعت گوئی توصیف رسالت مآب ﷺ سے متعلق وخصوص ہوگئی۔“ (ص ۱۳۱) عاصی کرناٹی صاحب نے لفظ نعت کے اصطلاحی مفہوم کے لیے ”اسلام میں مروج“ کے الفاظ لکھے ہیں، اسے اردو اور فارسی میں مروج اصطلاحی مفہوم لکھنا چاہیے۔ ان کا یہ جملہ کہ: ”یعنی توصیف رسول ﷺ کا تصور نہ تھا۔“ یہ جملہ یوں درست رہتا، ”یعنی اس وقت نعت کے لفظ میں توصیف رسول (ﷺ) کا تصور نہ تھا۔“ میرے نزدیک دوسرے جملے میں ”نعت گوئی“ کی جگہ ”شعر گوئی“ موزوں رہتا۔

عاصی کرناٹی صاحب لکھتے ہیں: ”اس وقت اسلام کو کفر و شرک کے مقابلے میں اپنا دفاع مقصود تھا اس لیے عہد نبوت کی نعت کو ہم ”لسانی جہاد“ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔“ (ص ۱۳۱) عاصی کرناٹی صاحب سے عرض ہے کہ موجودہ عہد بھی میرے رحیم و کریم نبی پاک ﷺ ہی کا عہد نبوت ہے اور اسلام سے کفر و شرک کا مقابلہ بھی جاری ہے اور اسلامیان عالم کا جہاد باللسان بھی مسلسل ہے۔ عاصی کرناٹی صاحب نے استعاذہ و فریاد و غیرہ کا ذکر ”اردو میں نعت گوئی“ کے حوالے سے کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دور غلامی سے یہ عناصر نعت گوئی میں بیان ہوئے، یہاں یہ واضح کر دوں کہ عربی فارسی میں کلام کہنے لکھنے والوں کے ہاں یہ عناصر پہلے ہی سے نعت و قصیدہ میں شامل رہے ہیں۔

جناب عاصی کرناٹی نے لکھا ہے کہ نعت گوئی میں سراپا نگاری کا عنصر نہ ہٹا کم ہوتا جا رہا ہے اور سیرت نگاری کے اجزا و حواہل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس بارے میں یہ فقیر کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ جناب سید محمد ابوالخیر کشنی کی تحریر میں اللہ کریم جل شانہ کا ذکر کرتے ہوئے تعظیمی کلمات نہ کہنے کا بیان گزر چکا ہے۔ مجھے وہ حدیث شریف بھی یاد آ رہی ہے کہ ایک صحابی نے دعا سے قبل اللہ کریم جل شانہ کی تعریف نہیں کی تو میرے نبی کریم ﷺ نے اسے آداب دعا تلقین فرمائے کہ پہلے اللہ تعالیٰ عز و جل کی تعریف کرو پھر اپنی حاجت بیان کرو۔ یوں ہمیں آداب بندگی ملحوظ رکھنے کی واضح ہدایت دی گئی ہے۔ ہم قرآن کریم کو پڑھیں تو ہمارے معبود کریم جل شانہ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کا ذکر جس انداز سے فرمایا ہے وہ ہمیں تعلیم کرتا ہے کہ ہم ذکر رسول ﷺ بھی ان کی بہت تعریف و توصیف کے ساتھ کریں اور ان کے اسم مبارک ہی سے واضح ہے کہ ان کی مبارک و کرم ہستی کی تخلیق ہی تعریف و توصیف کے لیے ہوئی ہے۔ لایمکن النناء کما کان حقہ کہنے سے پہلے ان کے حسن و جمال اور محامد و محاسن کا بیان حتیٰ المقدور،

حتی الامکان، حتی الوسع بہت عمدگی سے کرنا ضروری ہے۔ میرے آقا کریم ﷺ کے حسن و جمال کا تذکرہ بھی دنیائے کفر و شرک کو گراں گزرتا ہے اور غیر مسلم نہیں چاہتے کہ کوئی بھی بات ایسی کی جائے جو میرے رسول کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ان سے محبت و عقیدت میں اضافہ کا سبب اور ذریعہ بنے۔ خالق کائنات میرے رب کریم جل شانہ نے اپنے حبیب کریم ﷺ میں ہر خُسن، ہر جمال، ہر کمال بھی اس کمال پر رکھا کہ چودہ صدیاں، لکھنے والوں، کہنے والوں نے بساط بھر لکھا اور کہا مگر کوئی بھی پوری طرح بیان نہ کر سکا نہ ہی کر سکتا ہے۔ قرآن کریم ہی میں دیکھیے کہ متاع دنیا کو ”قلیل“ اور رسول کریم ﷺ کے خلق کو ”عظیم“ فرمایا گیا ہے۔ جب شمار نہ ہونے والا قلیل ہے تو ”عظیم“ کی شان مخلوق میں پوری طرح کون جان سکتا ہے! یہ بھی عرض کروں کہ دنیا کی چند عشقیہ داستانیں جو مشہور ہیں، ان داستانوں کی شہرت محبوبان مجازی کے خُسن و جمال کی وجہ سے نہیں بلکہ ان میں مجنوں و فرہاد، راں جھا و مہیں وال وغیرہ کے جوشِ عشق ہی کی بات ہوتی ہے، یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ غزل کے ہیرائے میں محبوبان مجازی کے لیے حسن و جمال کی بابت بھی جو کچھ کہا جاتا ہے وہ مبالغہ و لغافی بلکہ زیادہ تر خلاف واقعہ ہی ہوتا ہے۔

ہم غور کریں کہ نعت شریف میں محبوب و ممدوح تو وہ ذات بابرکات ہے جو صادق و مصدوق ہے اور ہر خُسن، ہر جمال اور ہر کمال کی بے مثال و ہا کمال جامع ہے، سچ کہوں کہ خُسن و جمال اور کمال وہی ہے جو ذاتِ مصطفیٰ کریم ﷺ میں ہے، ان کے خُسن و جمال کے بیان میں کسی مبالغے کا گمان تو تب ہو کہ کوئی کما حقہ انھیں اور ان کی حقیقت کو جانتا ہو یا جان سکتا ہو۔ نعت شریف کے محبوب کریم ﷺ کو دیکھیے، ان کا ہر سچا چاہنے والا ان کے بے مثال حسن و جمال، فضل و کمال اور عظمت و شان کا والد و شیدائے، ان پر فدا ہے اور یہ محبت بھی کیا پیاری اور انوکھی ہے کہ یہاں چاہنے والوں میں رقابت نہیں بلکہ مثالی قربت ہے، جو کوئی میرے محبوب کریم رسول پاک ﷺ کی جس قدر زیادہ محبت و تعظیم رکھتا ہے، ان کے چاہنے والوں میں بھی وہ زیادہ محبوب و محترم ہو جاتا ہے۔ اہل علم سے یہ بھی مخفی نہیں کہ بغیر تخصیص کے مدح ممکن ہی نہیں، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وصف بغیر موصوف کے نہیں اور کون نہیں جانتا کہ حقیقی تعریف اللہ کریم جل شانہ ہی کے لیے ہے۔ میرے محبوب کریم رسول پاک ﷺ کی تعریف و توصیف درحقیقت اللہ کریم جل شانہ ہی کی تعریف ہے اور میرے مقدس و مطہر رسول کریم ﷺ کی ذات و صفات میرے رب تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی ذات و صفات پر دلیل و برہان ہیں۔ ہر سچے مومن کو اللہ کریم جل شانہ

کے اجمل و احسن حبیب کریم ﷺ کا ہر صحیح و سچا تذکرہ، خواہ وہ ان کے مبارک اور بے مثال حسن و جمال کا ہو یا ان کی باکمال مقدس سیرت کا ہو، محبوب و مطلوب اور مرغوب ہے اور دنیا و آخرت میں یہی تذکرہ اور انہی کا چرچا رہے گا۔

عاصی کرنا بی صاحب لکھتے ہیں: ”ان کی اطاعت ہی سے خدا کی اطاعت منسلک ہے۔“ (ص ۱۴۱) قرآن کریم میں ہے: ”من يطع الرسول فقد اطاع الله (النساء-۸)“
 رسول کریم ﷺ کی فرماں برداری اللہ کریم جلّ شلّہ ہی کی فرماں برداری ہے۔
 ص ۱۴۸ سے ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ میں جناب راجا رشید محمود کی تحریر ہے، عنوان ہے:
 ”منظوم سراپائے حضور ﷺ“۔

ان کی تحریر کا آغاز اس جملے سے ہوا ہے: ”جن بھی بخت افراد نے ایمان کی آنکھ آقا سے حضور ﷺ کو دیکھا، وہ صحابی کہلائے، ہدایت کے ستارے ٹھہرے۔“ (ص ۱۴۸) ضروری سمجھتا ہوں کہ ”صحابی“ کی تعریف یہاں پھر نقل کر دوں، ملاحظہ ہو: ”صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کے ساتھ اپنی دنیوی زندگی میں رسول کریم ﷺ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو اور اس شخص کی وفات بھی ایمان پر ہوئی ہو۔“ وہ لکھتے ہیں: ”صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے حضور حبیب کبریا علیہ التحیۃ والکرام کا سراپا مبارک دیکھا۔“ (ص ۱۴۸)

راجا صاحب نے اپنے اس بیان کے شروع میں ”صرف“ کا لفظ جانے کس بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ وہی کچھ وضاحت فرمائیں تو معلوم ہوا

وہ لکھتے ہیں: ”ماں کو بیٹا سب سے زیادہ دیکھتا ہے لیکن کوئی اولاد ماں کا حلیہ بیان نہیں کر سکتی۔“ (ص ۱۴۸) میرے نزدیک اس جملے میں ”کوئی اولاد“ کی بجائے ”کوئی بیٹا“ ہی لکھا جاتا تو بہتر ہوتا اور ”نہیں کر سکتی“ کی بجائے ”نہیں کرتی“ (بیٹے کے حوالے سے ”نہیں کرتا“) لکھا جاتا تو درست ہوتا۔

وہ شعر لکھتے ہیں:

بن روادہ حضرت حسان اور ابن زہیر

حلیہ آقا و مولیٰ (ﷺ) کو نہ کر پائے بیاں

ان ہستیوں نے حلیہ شریف اگر بیان نہیں بھی کیا تو راجا صاحب نے یہ کیسے گمان کر لیا

کہ وہ ”نہ کر پائے بیاں“؟

وہ لکھتے ہیں: ”لیکن محبت کے ساتھ فکر و فن کی آنکھوں سے دیکھنے والوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔“ (ص ۱۳۹-۱۵۰)

سراپائے رسول کریم ﷺ کو ”فکر و فن کی آنکھوں سے دیکھنا“ میرے نزدیک ”فکر و فن“ کے الفاظ محل نظر ہیں۔

محمد امین الدین قیصر محیائی کے اشعار جو راجا صاحب نے نقل کیے ہیں، ذرا پہلا مصرع ہی ملاحظہ ہو:

”یوسف مصر کو سکتہ ہے، کھڑے ہیں حیراں“ (ص ۱۵۰)

کیا فرماتے ہیں راجا صاحب اپنے اس انتخاب کے بارے میں؟

ص ۱۵۵ پر اپنا لکھا ہوا وہ یہ جملہ بھی ملاحظہ فرمائیں: ”میرے سامنے اس وقت حضور اکرم ﷺ کا ایک نایاب سراپا ہے۔“ کیا یہ جملہ اسی طرح ہونا چاہیے تھا؟ راجا صاحب سے اس شعر کے بارے میں بھی جاننا چاہوں گا کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟

ریش سیہ میں وہ رخ تاباں نظر پڑا

لپٹا فلاف کعبہ میں قرآن نظر پڑا

(ص ۱۵۷)

محترم صبیح رحمانی صاحب! ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے مطالعے میں مجھ سے تاخیر ہوئی تھی تو اس کے مندرجات کے بارے میں لکھتے ہوئے بھی کچھ عجیب معاملے رہے۔ یہاں تک ہی تحریر متعدد مرحلوں میں ہوئی۔ تحریر میں کوئی غلطی کوتاہی ہو تو اللہ کریم جل شانہ سے طالبِ عفو و مغفرت ہوں۔ پندرہویں شمارے کے ابھی نصف تک نہیں پہنچا اور وقت نہیں مل رہا کہ دل جمعی سے مفصل لکھ سکوں۔ کوشش کرتا ہوں وقت نکالنے کی تو کوئی کام ایسا آجاتا ہے کہ وہ وقت اس کی نذر ہو جاتا ہے۔ یہ خیال بھی ہے کہ آپ کو میری وجہ سے دیر نہ ہو۔ دو تین تحریروں کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں، جو تحریروں رہ جائیں گی ان کے لیے معذرت خواہ ہوں، ضروری ہوا تو ان شاء اللہ آئندہ تحریر میں ان کے بارے میں عرض کروں گا۔

جناب منصور ملتانی کی تحریر ”اردو منظوم سیرت نگاری... ایک جائزہ“ میں یہ جملے قابل

توجہ ہیں:

”پھر ہر مسلمان پر یہ بات لازم فرمادی کہ وہ بھی اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرح رسول کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے۔“

”اور اللہ تعالیٰ کی بے نیاز اور خالق کل ذات نے بھی اس سبب سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنا پسند فرمایا کہ آپ ﷺ ہی نے بچکے ہوئے انسان کو دوبارہ اپنے رب کے راستے پر واپس بلایا گویا رب اور اس کے بندے کے درمیان رابطہ بحال کیا۔“ (ص ۱۵۹-۱۶۰)

”یوں نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو دوبارہ ان بندوں کی صف میں کھڑا ہونے کا راستہ دکھایا جو اللہ کے ”اپنے بندے“ کہلائے۔“ (ص ۱۶۰)

منصور ملتانی صاحب نے شاہ نامہ اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”ترجمہ قرآن میں کہیں مفہوم تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“ (ص ۱۶۸)

ان کی یہ بات بلاشبہ درست ہے لیکن ص ۱۷۳، ۱۷۵ پر انھوں نے اپنا کہا ہوا ایک سا میٹ نذر قارئین کیا ہے۔ اس کے ترجمے میں وہ ملاحظہ فرمائیں کہ خود ان سے بھی اس سابیٹ میں کچھ ایسا ہی فعل سرزد ہوتا نظر آ رہا ہے۔

علاوہ ازیں انھوں نے میرے نبی پاک ﷺ کے دو فرزندوں کا ذکر فرمایا ہے، کوئی یہ گمان نہ کر لے کہ رسول کریم ﷺ کے دو ہی فرزند ہیں، میرے نبی پاک ﷺ کے تیسرے فرزند حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی والدہ محترمہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

پروفیسر محمد اسحاق صاحب قریشی نے ”نعت رنگ“ کے کچھ شماروں میں پہلے بھی اپنی تحریریں یادگار بنائی ہیں، تحقیق و تنقید کے حوالے سے ان کا نام اور کام اپنا ایک اعتبار رکھتا ہے۔

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ص ۱۷۷ سے ان کی تحریر کا آغاز ہوتا ہے، عنوان ہے: ”نعت اور فقہ نعت... چند گزارشات“ اس تحریر کے بیش تر حصے میں محترم ڈاکٹر محمد اظہار قریشی نے بہت عمدگی سے رہ نمائی کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی اس تحریر کا یہ بیش تر حصہ کچھ ان اہم باتوں کے حوالے سے خاصی چشم کشائی کرتا ہے جنہیں مباحث کا موضوع بنا کر بہت سے اہل قلم الجھتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے جو صحیح اور مفید مشورے اور تجاویز جس عمدگی سے پیش کی ہیں، امید ہے اسی طرح کشادگی سے انھیں قبول بھی کیا جائے گا تاہم ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں کچھ باتیں مجھے قابل توجہ بھی محسوس ہوئی ہیں۔ اپنی دانست کے مطابق عرض کرتا ہوں، میری دانست میں وہ غلطی پائیں

تو ضرور اصلاح فرمادیں۔ وہ لکھتے ہیں: ”یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ غیر معیاری میلان پر کاری ضرب لگاتے ہوئے مناسب اختلاف کی گنجائش باقی رہنی چاہیے کہ انسان کی جغرافیائی اور علاقائی مجبوری کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ گنجائش اور حدود کے درمیان ایسی حد فاصل قائم رہنا لازم ہے جو پریشان نظری سے بچائے اور آزادی فکر کی بھی آبیاری کرے۔“ (ص ۱۸۱) اس سے پہلے ان کی اسی تحریر میں ہے کہ: ”مسلم معاشروں میں معیار سے ہٹ کر غیر صالح رویے برداشت نہیں کیے جانے چاہئیں۔“ (ص ۱۸۱)

ڈاکٹر صاحب بخوبی جانتے ہیں کہ ”اختلافات“ کی نوعیت ہی پر ”گنجائش“ کی رعایت ہونے یا نہ ہونے کی بات ہوگی اور جس باب میں بندے اور امتی کو ”اختیار“ ہی نہیں، وہاں اسے آزادی فکر کی آبیاری نہیں بلکہ پابندی فکر کی پاس داری کرنی ہوگی۔ جغرافیائی اور علاقائی مجبوریوں کی وجہ سے انسان کیا نظریات و عقائد اور اصول و قواعد بھی بدلنے کا ”ہر طرح یا کسی طرح مختار“ ہے؟ حدود اور گنجائش کے درمیان حد فاصل قائم رکھنا اسی سے وابستہ کیا جائے جو ہر دو سے بخوبی آگاہ ہو۔ پریشان نظری سے بچنے کے لیے حدود اور گنجائش کی آگہی لازم ہے کہ وہی حد فاصل قائم رکھے گی۔ یہ بھی واضح کیا جائے کہ حدود اور گنجائش کی یہ آگہی قرآن کریم اور احادیث شریفہ اور مسلمہ شرعی اصول و قواعد کے مطابق ہوگی یا اس کا تعین بھی زبان و ادب (نظم و نثر) اور جغرافیہ اور علاقہ سے ہوگا؟

”نعت رنگ“ ہی کی متعدد تحریروں میں ڈاکٹر صاحب نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ نثر میں جسے غلط ہی نہیں بلکہ جانے کیا شمار کیا گیا جب کہ نظم میں وہی کچھ، صحیح اور لائق تحسین مانا گیا۔ ڈاکٹر صاحب خود لکھ رہے ہیں کہ مسلم معاشروں میں معیار سے ہٹ کر غیر صالح رویے برداشت نہیں ہونے چاہئیں، وہ یہ بھی لکھتے ہیں: ”مناسب ہوگا کہ تنقیدی حوالوں سے لکھنے والے قلم کار اپنے رویوں پر خود بھی نظر رکھیں کہ کہیں جوش نقد سلامت روی سے برگشتہ نہ کر دے“ (ص ۱۸۵) وہ خود بتائیں کہ ضروریات دین کے باب میں گنجائش کیا صالح رویہ ہوگا؟ وہ بتائیں کہ تحریف و تحریب اور توہین اور تحقیر کی سازشیں حلقہ یاراں ہی میں بالقابل یا ملفوف ہو رہی ہوں تو ایک بندہ مومن کو فواد ہونا چاہیے یا برہنم کی طرح نرم؟

ڈاکٹر صاحب نے ہی لکھا ہے کہ ”ماحول کی سنگینی نے بھی معتقدات پر اثر ڈالا تھا“ (ص ۱۸۰) ان سے یہی عرض ہے کہ نا اہلوں اور نادانوں کی پیدا کردہ گنجائش ہی ماحول کو سنگین

بناتی ہیں اور ایسے میں منافقت راہ پاتی ہے اور منافقت کے بالمقابل مہمت تو شدید مجرم بنا دیتی ہے جب کہ دینی تعلیم میں تو یہ ہے کہ متکبر کے سامنے تکبر کرنا بھی صدقہ ہے تاکہ اس کے تکبر کو توڑا جائے یعنی غلطی کے مرکب کو اس کے حال پر نہ رہنے دیا جائے، اس کی اصلاح ضرور کی جائے۔

وہ خود لکھتے ہیں کہ ”ایسے خیالات کا فوری محاسبہ ضروری ہے۔“ یہ فقیر نے تقصیر عرض کر چکا ہے کہ نعت گو، شاعروں ادیبوں کی تحریروں پر تنقید کا مقصد کسی شاعر و ادیب کی دل آزاری یا توہین و تحقیر ہرگز نہیں بلکہ خواہش صرف یہ ہے کہ دینی شرعی تقاضے پورے ہوں اور غلطی و کوتاہی کو جان کر ان کا اعادہ نہ کیا جائے اور جو کچھ غلط ہو گیا اس سے توبہ کی جائے یعنی ہماری کسی خطا کی نشان دہی پر ہمارا ایمانی تقاضا ہی ہے کہ ہم توبہ و استغفار کریں اور غلطی سے رجوع ہی کی طرف مائل ہوں۔

ڈاکٹر صاحب ہی نے لکھا ہے کہ: ”لفظ لفظ کی حرمت پیش نظر رہے۔“ وہ خود لکھتے ہیں کہ: ”لفظ مناسب نہ ہوں تو نعت کی عظمت پر حرف آتا ہے۔“ وہ یہ بھی لکھتے ہیں: ”جذبوں کی سچائی نعت کا حسن ہے اور حرفوں کی متانت اس کا جمال ہے۔ اُس ہار گاہ عظمت میں اسے پیش کرنا ہے جہاں اگر جنبش لب، خارج از آہنگ ہو جائے تو ایمان کا خطرہ ہے اور اگر جذبے مستقیم اور پابند آداب نہ رہیں تو دھکارے جانے کا احتمال ہے۔“ (ص ۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳)

وہ لکھتے ہیں: ”غور کیا جائے تو نعت مشکل ترین صنف سخن ہے کہ اس میں لفظ و معنی کی طہارت درکار ہے۔“ (ص ۱۸۲)

ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں کہ جہاں کہیں انہی کے پیش کردہ عناصرِ نعت کے برعکس معاملہ ہو وہاں کاری ضرب تو درکنار، صرف نشان دہی بھی ناگوار ہو تو یہ ناگواری کیا ”غیر صالح“ رویہ شمار نہ ہوگا؟ خود ڈاکٹر صاحب ہی نے لکھا ہے کہ ”غیر صالح رویے برداشت نہیں کیے جانے چاہئیں۔“

محترم ڈاکٹر محمد اخلق صاحب قریشی کی تحریر سے پہلے کچھ جملے ملاحظہ ہوں، وہ لکھتے ہیں:

(واضح رہے کہ میں ان جملوں میں کہیں اختلاف بھی رکھتا ہوں اور کچھ جملوں کا اعتراف کرتا ہوں)

☆ رسول عالمین ﷺ کے حوالے سے گفتگو کو کسی محدود نسبت کا حوالہ دینا، آفاقی حیثیت کو علاقائی نسبت سے محدود کرنا تھا۔“

☆ ”شعر سے کسی ذہن میں تاویل کا سقم پیدا نہ ہو۔“

☆ ”غلط انتساب ناموافق نسبت اور غیر محمود ترکیب سے اجتناب کی راہ دکھائی گئی۔“

☆ ”مروج اصطلاح یا رائج تلمیح کو ہر اعتبار سے اس کے بنیادی معنی کا پابند نہیں رکھا جاسکتا۔“

☆ ”تشبیہات میں بھی بعض اوقات ایسی الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ عموماً مشبہ بہ کو برتر سمجھا جاتا ہے کہ اسی برتری کی بنیاد پر تشبیہ دی جاتی ہے مگر یہاں بھی اس قانون باضابطے کی شدت نقصان دہ ہے۔“

☆ ”کبھی پہلے سے معروف مفہوم کے سہارے نئے مفہیم کی جلوہ گری مقصود ہوتی ہے۔“

☆ ”حالاں کہ تشبیہ برتری ظاہر کرنے کا ذریعہ ہو سکتی ہے مگر ہر موقع پر نہیں، بے مثل صفات کو نسبتاً کم تر سے تشبیہ دینا کم کرنا نہیں ہوتا۔“ (ص ۱۸۳-۱۸۵)

ان جملوں کے بعد ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان، وہ فرماتے ہیں: ”صبرِ ایوب، گریہ یعقوب یا طوفانِ نوح، اب تلمیح کے طور پر مستعمل ہیں اسے لیے اگر کوئی کہے کہ ”صبرِ ایوب کیا گریہ یعقوب کیا“ تو وہ اپنی کیفیات کو تاریخی تناظر میں بیان کر رہا ہے، ہم سری کا دعویٰ نہیں کر رہا۔ یقیناً زبان کی ثروت ایسے ہی کلمات اور ایسی ہی تراکیب سے ہوتی ہے۔“ (ص ۱۸۳)

انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں اپنے اس بیان کی تائید میں وہ یہ بھی فرماتے ہیں: ”دل بے دار فاروقی، دل بے دار کراری“ جسارت نہیں کسب فیض کی ایک تمنا ہے۔“ (ص ۱۸۳)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اسی تحریر کے شروع میں جو لکھا وہ بھی ملاحظہ ہو: ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عہد، نعت کا معتبر حوالہ ہے کہ اس میں نعت کی ترکیب بھی ہے، تنوع بھی اور آدابِ آشنائی کے ذوقِ سلیم کی معراج بھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ذاتِ محمود کے معنی شہد تھے اس لیے بلا واسطہ اُس وجودِ مکرم سے فیض یاب تھے، قرآن مجید کی ہدایات، روایات و احادیث کی تعلیمات اور ان کا اپنا جذبہ صادق رویوں میں توازن اور اظہار میں حُسن پیدا کر رہا تھا۔ وہ طلاقتِ لسانی کی وسعتوں سے آشنا ہونے کے باوصف حدودِ شناس تھے۔“ (ص ۱۷۷-۱۷۸)

مزید لکھتے ہیں: ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ وہ نعت کے تقاضوں سے باخبر تھے۔ لفظ ومعنی کے رشتوں سے بھی آگاہ تھے اور خوش قسمی کہ انھیں ہادی اعظم ﷺ کی رہ نمائی بھی حاصل تھی... نعت کا معیار، مضامین نعت کا تنوع اور حدود، حالات و ظروف کے تحت اس میں کشادگی کے امکانات نعتیہ ادب کے طالب علم کو عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی تلاش کر لینے چاہئیں تاکہ لغزش قدم کا خطرہ نہ رہے...“ (ص ۱۷۸)

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب کو معلوم ہوگا کہ ”نعت رنگ“ ہی میں حمد، نعت، حسان، قصیدہ اور جانے کتنے الفاظ کے مروجہ اصطلاحی معنی و مفہوم پر لکھا جا چکا ہے۔ مشہد اور مشہد بہ کی باتیں بھی ہوئی ہیں۔ انھیں معلوم ہوگا کہ لکھنے والوں نے تو ”خاک مدینہ و نجف“ کے الفاظ پر شرک فی النبوة کی باتیں اسی ”نعت رنگ“ میں کی ہیں۔ مذکورہ بالا تمام اقتباس خود ڈاکٹر صاحب ہی کی اس تحریر میں کسی قدر تضاد بھی دکھا رہے ہیں۔ انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اپنی تائید میں کوئی مثال بھی پیش نہیں کی جب کہ یہ جملہ انہی کی تحریر میں خود ان کی اپنی بات کی نفی کرتا نظر آتا ہے کہ: ”وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) طلاق لسانی کی وسعتوں سے آشنا ہونے کے باوصف حدود شناس تھے۔“

ڈاکٹر صاحب نے اپنی ان مذکورہ بالا تمام باتوں پر دلائل بھی تحریر نہیں کیے۔ انھوں نے قصیدہ بابت سعاد کے ایک شعر کو جو ان کے نزدیک ”مدح نگاری کا نقطہ کمال ہے“ بیان کر کے جو تبصرہ فرمایا ہے وہ بھی ان کی کچھ تہاویز کو سہارا نہیں دیتا۔

ڈاکٹر صاحب نے ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۳ میں میری تحریر میں ”قادی رشیدیہ“ کے حوالے سے یہ جملہ ملاحظہ کیا ہوگا:

”لفظ رحمۃ للعالمین مفتی خاصہ رسول ﷺ کی نہیں ہے...“ (معاذ اللہ) اسی تحریر میں ”اقاضات یومیہ“ کے حوالے سے یہ بھی ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کی نسبت گنگوہی صاحب باربار ”رحمۃ للعالمین“ فرماتے رہے۔

کتاب ”ارواحِ خلاصہ“ (مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی) کے ص ۲۷۰ - ۲۷۱ پر ہے:

”...راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب (نالوتوی صاحب) ان لوگوں کو دے دیتے۔ اور ساتھیوں نے کہا کہ حضرت آپ تو سب ہی دے دیتے ہیں، کچھ تو اپنے پاس رکھیے تو (محمد قاسم نالوتوی نے) فرمایا ”الما لنا قاسم واللہ يعطی“۔“

یہ بھی ملاحظہ ہو، ”... آدمی رات کو استنجے کی ضرورت ہوئی، اول شب میں دریافت کرنا یاد نہ رہا، بس خدا کی قدرت کہ مولانا خود اندر سے تشریف لائے کہ کوئی حاجت ہے؟ میں نے کہا جی ہاں ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس وقت دونوں کو تکلیف نہ ہوگی اندر زنا نہ مکان میں چلو اور خود (تھانوی صاحب) استنجے کے ڈھیلے اور پانی رکھ آئے۔ میں نے کہا یہ تو آپ زم زم ہے، اب استنجا کا ہے سے کروں!...” (“قصص الاکابر”، ص ۲۰۶، بحوالہ حسن العزیز، ص ۲۲۰، ج ۲)

مزید ملاحظہ ہو: ”ہر اہل بصیرت صاحب ذوق سلیم رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں جس وقت بھی آپ (گنگوہی) کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے کمال حسن سیرت کا معترف و شیدا ہو کر بے اختیار پکار اٹھا کہ ”ماہذا ابشرا ان هذا الاملک کریم...“ (“تذکرہ الرشید” ص ۶۰، جلد ۲، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)

یہ پانچ حوالے پیش کر کے ڈاکٹر صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حوالوں میں آیات و احادیث سے جو سلوک کیا گیا ہے، کہیں آپ کی کچھ تجاویز سے انھیں سہارا تو نہیں مل رہا؟ ڈاکٹر صاحب نے صبر ایوب، گریہ یعقوب اور طوفان نوح (علیہم السلام) کا ذکر فرمایا ہے۔ ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ص ۲۵۳ پر یہ فقیر اپنی تحریر میں ”لحن داؤدی“ کہنے لکھنے کو نادرست ثابت کرتے ہوئے حدیث شریف پیش کر چکا ہے۔ اس حدیث شریف کے عربی اصل متن میں سے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں، ”... لقد اوتیت مزارا من مزاحیر ال داود۔ (مسلم شریف)

رسول کریم ﷺ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ تمہیں ”لحن داؤدی“ ملا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ تمہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے المانوں میں سے ایک المان (حصہ) ملا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر محمد اظہار قریشی صاحب سے عالی فہم شخص کے لیے یہی ایک روایت، حقیقت واضح کر دے گی۔ صبر ایوب، گریہ یعقوب، طوفان نوح، حسن یوسف، لحن داؤد، دم عیسیٰ، عصائے موسیٰ (علیہم السلام) کا بیان کسی غیر نبی کے لیے تبلیغ کے طور پر استعمال کرتے ہوئے بھی جس قرینے، سلیقے کی ضرورت ہے وہ ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں، اس لیے ڈاکٹر صاحب ان کا ”عام استعمال“ صرف زبان کی ثروت ظاہر کرنے اور معروف مفہوم کی ادائی کے لیے جائز نہ جانیں۔ زبان اور مفہوم سے کہیں زیادہ اہم وہ معتقدات اور مراتب ہیں جن کی پاس بانی ہمارا امتیاز ہے، ان کے بیان میں ہم ایسی آزادی کیسے گوارا کر سکتے ہیں جو ہمارے ایمان کے لیے مسئلہ ہوا

ڈاکٹر صاحب نے ”میجا“ کے لفظ پر جو رائے پیش کی، ان کی ”توجہ“ کے لیے صرف

ایک شعر ہی نقل کرتا ہوں، ملاحظہ ہو:

”مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا

اس مسیحائی کو دیکھیں ذری امن مریم“

(کلیات شیخ الہند، مطبوعہ مکتبہ محمودیہ، لاہور ۶۷۷۱۹۷ء)

ڈاکٹر صاحب کو یاد ہوگا کہ نصف صدی قبل ”رسول السلام“ کے لفظ ایک کافر و مشرک کے لیے اہل عرب نے استعمال اور بیان کیے تھے، لفظی ترجمے کی رعایت کے باوجود انھیں گوارا نہیں کیا گیا۔ جب ڈاکٹر صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ غیر صالح روپے برداشت نہیں کیے جانے چاہئیں تو انھیں ایسے دروازے بھی کشادہ نہیں کرنے چاہئیں جو غیر صالح روپوں کو راہ دیں۔

ڈاکٹر قریشی صاحب ان الزامات کہ محبت رسول ﷺ میں غلو کیا جاتا ہے اور بندہ و مولا کا فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا، کے جواب میں خوب لکھا ہے، اس انداز سے ان کا یہ جواب بہت سے لوگوں کے لیے دعوت فکر ہے، خدا کرے کہ ان لوگوں کے ذہن و فہم اس جواب میں غور کریں اور ڈاکٹر صاحب کی کہی ہوئی بات کو پاسکیں۔

ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب قریشی لکھتے ہیں: ”ایک اور ذہنی تحفظ جو غیر جانب دارانہ جائزوں کی راہ میں حائل ہے۔ وہ مسلکی وابستگی ہے یہ زندہ معاشروں کا حسن ہوتا ہے کہ مخلصانہ اختلافات کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ مرکز تو ایک ہی وجود ہے سب اسی کے حضور اپنی اپنی عقیدتوں کے گل دستے لیے حاضر ہیں اس رنگا رنگی سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں انشراح آنا چاہیے کہ میرے محبوب کریم ﷺ کا میں ہی نہیں سب ہی چاہنے والے ہیں۔ محبت بے لوث ہو تو محبوب کی ہر نسبت معتبر ہوتی ہے اللہ کرے محبت رسول ﷺ امت مسلمہ کی وحدت کی پختہ اساس بنے۔ یہ خواہش ہر درو مند دل کی ہے۔ مگر بد قسمتی یہ ہے کہ ہر مدعی محبت ایسا رویہ نہیں رکھتا اور وہ اپنے خیالات کو ہی صائب گردانتا ہے اور دوسروں کی لائق تحسین کاوشوں کو بھی رد کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ نعت کے مضامین میں بھی ایسی ہی پسند و ناپسند اثر دکھاتی ہے۔ کاش ایسا نہ ہو کہ نعت تقدس بے نفسی کا تقاضا کرتا ہے۔“ (ص ۱۸۶)

ڈاکٹر صاحب نے اس پیرا گراف میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، میرا خیال ہے انھوں نے تکنیوں ہی سے نہیں، کچھ حقائق سے بھی چشم پوشی کی ہے۔ مخلصانہ اختلاف کی حوصلہ افزائی بھی ہر باب میں نہیں کی جاسکتی۔ وہ جانتے ہیں کہ اجتہادی غلطی اور عنادی غلطی میں، علمی اختلاف اور

اعتقادی اختلاف میں واضح فرق ہوتا ہے۔ بات کفر و ایمان کی ہو یا صحیح و غلط میں تمیز کی، ایمان والے ہی کے خیالات و نظریات صائب شمار ہوتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ”مرکز تو ایک ہی وجود ہے۔“ جب کوئی بات مرکز ہی کی شناخت اور اس کی حیثیت بدلنے کی کرے تو وہ اس کے حضور ”عقیدتوں کے گل دتے“ لیے حاضر نہیں ہوتا بلکہ وہ عقیدتوں کے گلشن تاراج کر رہا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب بخوبی جانتے ہوں گے کہ میرے مدنی تاج دار، حبیب پروردگار، رسول کریم ﷺ کو رشتوں ناتوں، مال و عیال اور تمام لوگوں ہی سے نہیں بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھنا ضروری ہے اور ان کی تعظیم تو قیر لازمی ہے۔ ان کی تعظیم اور محبت کے آداب ہمیں تعلیم کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے خود بھی لکھا ہے کہ ان کی بارگاہ عظمت میں جنبش لب اگر خارج از آہنگ ہو جائے تو ایمان کا خطرہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں کہ ”نٹھا چرواہا، ہمارا چرواہا“ (معاذ اللہ) کے الفاظ کی سرخیاں بالقصد لگا کر کتاب شائع کی جائے تو اسے وہ کیا کہیں گے؟ ستم بالائے ستم کہ اس کتاب کو ”صدارتی ایوارڈ“ دیا جائے۔ ایسا لکھنے والا بھی کیا ”واقعی چاہنے والا“ شمار کیا جائے گا؟ توہین و تنقیص کرنے والے بھی اگر چاہنے والے ہی ہیں تو پھر طہ و زندق کس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب خود لکھتے ہیں کہ: ”یہ یقین رہنا چاہیے کہ ذات ممدوح ہر حوالے سے بے مثل اور عظیم تر ہے۔“ (ص ۱۷۹) وہی بتائیں جو اس ذات ممدوح (ﷺ) کو بے مثل اور عظیم تر نہ مانے، کیا وہ بھی ”چاہنے والا“ ہی کہلائے گا؟ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ”ممدوح کی ذات، صفات اور خصائص کا بیان اور دفاع، علامتِ ایمان ہے، اس لیے قول و عمل سے مدافعت کا حق ادا ہونا چاہیے۔“ (ص ۱۷۹) ڈاکٹر صاحب ہی فرمائیں کہ جو کوئی یہ حق ادا کرنے کی کوشش کرے اسے ہدف طعن بنانا کیا کہلائے گا؟

ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں کہ فی الواقع ”لائق تحسین کا دشمن کا رد کرنے میں خوشی محسوس کرنے والے“ کیا کہلائیں گے؟

عجب ماجرا ہے، جرم بیان کیا جائے تو فحوا اور جرم کے مرتکب کی نشان دہی کی جائے تو واویلا! حدیث شریف ہے: هل ولئت لی ولتیا وعادیت لی عداوة۔ اس حدیث شریف کے شروع میں ہے کہ ایک شخص قیامت کے دن اللہ کریم جل شانہ کی بارگاہ میں لایا جائے گا، اس سے فرمایا جائے گا کہ دنیا سے کیا لایا ہے؟ وہ فرائض کے علاوہ نوافل نمازیں، روزے، حج اور صدقات وغیرہ بھی بیان کرے گا تو اللہ جل شانہ فرمائے گا: کیا تو نے میرے لیے میرے دوستوں

سے محبت اور میرے دشمنوں سے عداوت رکھی؟ یعنی اس کے پیاروں سے رشتہ جوڑنا اور اس کے دشمنوں سے رشتہ توڑنا، اہم کام ہے۔

خلیفہ رابع امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: الاعداء للعدو، عدوک، وعدو صدیقک، وصدیق عدوک۔ دشمن تین (طرح کے) ہیں (۱) حیرا اپنا دشمن (۲) حیرے دوست کا دشمن (۳) حیرے دشمن کا دوست۔ اس بیان نے واضح کیا کہ ہم اپنے دشمنوں کو پہچانیں اور اپنے معبود کریم جل شانہ کے دشمنوں کو بھی پہچانیں۔ اس روایت کے مطابق ہم انہیں باسانی پہچان سکتے ہیں: پہلی قسم کے دشمن مشرک و کافر ہیں۔ دوسری قسم کے دشمن وہ ہیں جو اللہ کریم جل شانہ کے پیاروں کے دشمن ہیں اور تیسری قسم کے دشمن وہ ہیں جو پہلی دونوں قسموں کے حامی و معاون ہیں۔ یوں ہم جان لیں کہ ہر وہ شخص جو ہمارے دشمن و رحیم رب کریم جل شانہ کے پیاروں کا کسی طرح مخالف و دشمن ہے وہ ہمارا دوست ہرگز نہیں۔ اب ڈاکٹر صاحب بتائیں کہ وہ شخص جو بظاہر کلمہ و نماز، فرائض و اجابات اعمال کے باوجود یہ کہے لکھے کہ ”نبی کی تعریف بھی صرف ایک بشر کی سی کرو وہ بھی اختصار کے ساتھ کرو“ یا نہایت نامناسب الفاظ وہ نبی کریم ﷺ کے لیے اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کرے، جب کہ ایسا کہنے والوں کو خود اپنی خلاف واقعہ بہت زیادہ تعریف بھی مرغوب ہو، تو کیا ایسے لوگ بھی ”نبی (ﷺ) کے چاہنے والے“ شمار ہوں گے؟ بے مثل اور عظیم تر ”ماننے کی بجائے جو میرے خیر المخلوق، افضل المخلوق نبی پاک ﷺ کو ”اپنے جیسا بشر“ کہتے لکھتے ہوں، کیا وہ ”بھی چاہنے والے“ کہلائیں گے؟ چاہنے والے تو یہ کہتے ہیں:

نسبت خود اسکتہ کرم و بس مطہر

زاں کہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

اصحاب نبوی (رضی اللہ عنہم) میں ممتاز حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو یہ فرماتے ہیں ”مکت عہدہ و عہدہ“ یعنی وہ خود کو نبی پاک ﷺ کا غلام اور خادم قرار دیتے ہیں۔ مجھے بتایا جائے کہ چاہنے کی شرائط اور خصوصیات نہ پائی جائیں تو چاہت کیوں کر ثابت ہوگی؟ محبوب کریم ﷺ سے دفاع کی بجائے ان کی بارگاہ عالی جاہ میں اونچی اونچی داعی جابہی کرنے والوں کو معزز و کرم جاننا بھی ”چاہت“ شمار کرنا کسی مومن سے ممکن نہیں۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ”شعرا سے ہی کہنا چاہیے جو شعر کہنے کی صلاحیت رکھتا

ہو۔“ (ص ۱۸۱) اور یہ بھی فرماتے ہیں: ”نعت ایک صنفِ سخن ہی نہیں، نظمِ جذبات، تکمیلِ انساہیت اور تقویمِ عقائد کا ذریعہ بھی ہے۔“ (ص ۱۸۷)

میری عرض صرف اتنی ہے کہ کوئی شعر کہے یا تک بندی کرے مگر نعت شریف صرف وہی کہے جو نعت شریف کہنے کو عایت درجہ سعادت جانے اور خود کو بخوبی یہ ہادر کرالے کہ اس کی ہر قابلیت و صلاحیت کی نہایت کے باوجود اس سے ذاتِ ممدوح (ﷺ) کی مدح و ثنا کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور اسے ذاتِ ممدوح (ﷺ) کی محبت و تعظیم کے ہر ہر تقاضے کا ہر مرحلے اور ہر لمحے پاس و لحاظ رہے۔

ڈاکٹر صاحب خود ہی لکھتے ہیں: ”حیرت ہوتی ہے جب یہ آواز اٹھتی ہے کہ نعت میں مبالغہ ہو رہا ہے، تجاوز کیا جا رہا ہے۔ میری دانست میں تو اب بھی کمی کا احساس ہی ابھرتا ہے۔ یہ افراط کا مسئلہ نہیں تفریط کا ہے، ذاتِ ممدوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعتوں کا بھٹنا اور اک ہوگا اسی قدر ملت کی سرفرازیوں کی سبیل نکلے گی۔ اس لیے کہ تمام عظمتیں اسی وجود گرامی کی خیرات ہیں اور جس کو بلندیاں حلاش کرنا ہیں اُسے اسی ذاتِ گرامی کے راہ گزر کے ذرات شمار کرنا ہیں۔“ (ص ۱۸۷)

ڈاکٹر صاحب اپنے ارد گرد خود ہی دیکھ لیں کہ اُن کے اِن خیالات سے موافقت اور ان پر عمل جہاں نظر آئے وہ اسے ضرور ”چاہنے والا طبقہ“ شمار کریں اور جہاں نظر نہ آئے اس کے لیے وہ یہ کہنے سے اجتناب کریں کہ ”سب ہی چاہنے والے ہیں۔“

ص ۱۸۸ سے جناب پروفیسر افضال احمد انور کی تحریر ہے جس کا عنوان ہے: ”تقدیرِ نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں۔“

وہ فرماتے ہیں: ”اس روحانی بیاضِ نعت میں جگہ جگہ حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر بڑی محبت سے کیا گیا ہے۔“ (ص ۱۹۰)

وہ خود ہی توجہ فرمائیں کہ قرآن کریم کو ”روحانی بیاضِ نعت“ کہنا کیسا ہے؟ وہ لکھتے ہیں ”... پس رب کریم کو منظور ہوا کہ مسلمان صحیح لفظ راعنا بھی استعمال کریں۔ رب کریم نے لفظ بدل کر اس کے ذمہ والے معنوں کے استعمال کا شاہدہ تک مٹا دیا۔“ (ص ۱۹۶)

انہوں نے پہلے قرآنی آیت لکھی جس میں ”لا تقولوا راعنا“ کے الفاظ ہیں اور پروفیسر صاحب نے خود ترجمہ کیا: ”راعنا نہ کہو۔“ پھر وہ خود یہ بھی لکھتے ہیں کہ: پس رب کریم کو

منظور ہوا کہ مسلمان صحیح لفظ راعنا بھی استعمال کریں۔“ قرآن کریم کے الفاظ میں راعنا نہ کہنے کے فرمان کے بعد بھی پروفیسر صاحب کا از خود اسی لفظ کے لیے رب کریم کی منظوری بیان کرنا مجھے سمجھ نہیں آیا، کہیں ان کے جملے میں ”نہ“ کا لفظ لکھنے یا کمپوزنگ میں رہ تو نہیں گیا؟ جملہ یوں صحیح ہوگا۔

”بس رب کریم کو منظور ہوا کہ مسلمان صحیح لفظ راعنا بھی استعمال نہ کریں۔“ دوسرا جملہ بھی قابل اصلاح ہے وہ لکھتے ہیں: ”رب کریم نے لفظ بدل کر اس کے ذم والے معنوں کے استعمال کا شائبہ تک مٹا دیا۔“ یہ جملہ یوں صحیح ہوگا: ”رب کریم جل شانہ نے ذم والے معنوں کا شائبہ رکھنے والے الفاظ کا استعمال بھی اپنے حبیب کریم ﷺ کے لیے منع فرما دیا۔“ آگے وہ خود بھی یہی لکھتے ہیں: ”اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ذم کے معانی پر مشتمل کوئی لفظ حضور اکرم ﷺ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا بلکہ جس لفظ کی کوئی شکل کھینچ جان کر ذم کے پہلو والے لفظ (یا معنی و مفہوم) کو جنم دے، اس عکس لفظ کو بھی آپ ﷺ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ جس لفظ کی تہوں میں خلاف ادب معانی ہوں اس سے بچنا ضروری ہے۔“ (ص ۱۹۲) انھوں نے ”اکفار السلحدین“ کتاب سے جناب انور شاہ کشمیری کی تحریر سے جو جملہ نقل کیا ہے وہ جناب انور شاہ کا فیصلہ نہیں بلکہ انور شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں علماے اسلام کا فیصلہ نقل کیا ہے۔ یہ فقیر اپنی گزشتہ تحریروں میں اسے پیش کر چکا ہے۔

جناب انور شاہ کشمیری کے نقل کیے ہوئے اس جملے کو لکھنے کے بعد پروفیسر افضال صاحب پھر نامکمل جملہ لکھ گئے، ان کا جملہ یہ ہے: ”مندرجہ بالا آیت خداوندی سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کسرِ شان ہو۔“ (ص ۱۹۲) (معاذ اللہ)

ص ۱۹۳ پر بھی ان کی تحریر کے یہ جملے ملاحظہ ہوں: ”نعت میں حضور پُر نور ﷺ کے لیے الٰہی شان ثابت کرنا یا آپ ﷺ کے خلاف یا کسرِ شان بات، ضیاعِ ایمان و جہلِ اعمال سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ وہ تنقیدِ نعت میں خلافِ حقیقت فیصلہ صادر نہ کرے۔“ وہ خود غور فرمائیں کہ وہ کیا لکھ گئے ہیں؟ کیا ان کی اس تحریر کو بھی کمپوزنگ کی غلطی قرار دیا جائے گا؟

”نعت رنگ“ کے قارئین سے ”نعت رنگ“ میں مطبوعہ تحریریں غلطی نہیں اور نہ ہی ان کے اذہان سے ایک سرخو ہوئی ہیں۔ تحقیق و تنقید کے حوالے سے وہ تکرار شاید ”سرقہ“ شمار ہوتی ہے جو پہلے ہی کوئی محنت کر کے پیش کر چکا ہو اور دوبارہ پیش کرنے والا اس پہلے شخص کا حوالہ

دیے بغیر اسے اپنی تحقیق یا محنت کے طور پر پیش کرے۔ پروفیسر افضال احمد اور صاحب نے کچھ اشعار پیش کیے ہیں اور ان پر تنقید بھی فرمائی ہے، یہ اشعار جناب عزیز احسن پہلے ہی پیش کر چکے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ پروفیسر افضال صاحب اپنے مطالعے اور تحقیق سے ان میں اضافہ فرماتے اور اپنی محنت پیش کرتے۔

پروفیسر افضال صاحب نے ایک شعر لکھا ہے:

”یا منزل یا مڈر کون ہے میرے حضور (ﷺ)“

کون ہے بس و طہ آپ ہیں بس آپ ہیں (ﷺ)“

اس شعر کو نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں: ”(اس شعر میں منزل اور مڈر کا تلفظ غلط دیا

گیا ہے۔ یہ قرآنی عبارت میں تحریف کی خطا میں بھی آتا ہے۔)“ ص ۱۹۶

اس بارے میں انھوں نے شاید میری وہ تحریر نہیں دیکھی جو ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۱ میں شامل ہے۔ کسی لفظ کا غلط تلفظ کہنا یا لکھنا یا تو صحیح تلفظ سے ناواہمی کہلائے گا اور شعر میں اس کے صحیح تلفظ نہ لکھنے سے وزن شعری میں نقص آئے گا۔ اسے قرآنی عبارت میں تحریف کی خطا شمار کرنے سے پہلے پروفیسر صاحب میری تحریر کا مطالعہ فرمائیں، تاہم واضح رہے کہ یہ فقیر کسی غلط تلفظ کہنے لکھنے کی تائید ہرگز نہیں کر رہا۔

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ”ناقدِ نعت کو متعلقہ علوم و فنون پر دسترس ہونی ہی چاہیے، اُسے غیر متعصب، غیر جانب دار اور بے لوث بھی ہونا چاہیے۔ اس میں عدل و انصاف کا جوہر بدرجہ اتم ہونا چاہیے۔ اُسے کبھی جذباتیت کی رو میں بہہ کر تنقیدی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تنقیدِ نعت ایک مشکل کام ہے، عام ادب پارے کی تنقید سے کہیں زیادہ اذوق لیکن بدقسمتی سے طرح طرح کے دیباچہ نگاروں، تقریظ نویسوں اور مقدمہ بازوں نے اس فن کو بھی عام کرنے کی طرح ڈال دی ہے۔ ہر شاعر کے کلام کو عصر حاضر کا بہترین کلام ثابت کرنے کے لیے ان کا ذاتی اعتراف ہی کافی ہے۔“ (ص ۱۹۸)

پروفیسر افضال صاحب نے اس عبارت سے پہلے جن ”شخصیات“ کے نام لکھے ہیں اور ان کے مضامین سے استفادہ بھی کیا ہے، وہ خود بتائیں کہ ان میں سے کتنی شخصیات ”متعلقہ علوم و فنون پر“ دسترس رکھتی ہیں؟ ان میں سے اکثر شخصیات کی جس قدر تحریریں میرے دیکھنے میں آئی ہیں وہ اپنی دوسری خوبیوں کے سوا ”متعلقہ علوم و فنون“ پر ان کی ”دسترس“ کی آئینہ دار

نظر نہیں آئیں۔

وہ یہ بھی بتائیں کہ کیا ”ناقدین“ تنقیدی ”فیصلے“ کرتے ہیں؟ وہ خود ہی اپنی اسی تحریر میں لکھتے ہیں:

”... تنقید کا اصل کام خوبیوں اور خامیوں کی تمیز ہے۔ تنقید اصلاً حسن و قبح دونوں کو پرکھتی ہے... حقیقتاً نعت پارے کے مواد، مفہوم اور ہیئت کے اچھے برے پہلوؤں کی جانچ اور ان کے تناظر میں نعت کے مقام و مرتبہ کے تعین کا عمل تنقید نعت کہلا سکتا ہے۔“ (ص ۱۸۹)

میرے نزدیک ناقدین اپنی دانست کے مطابق اپنی ”رائے“ پیش کرتے ہیں، فیصلہ کرنا تو ”ناقدین“ کا (شاید) منصب ہی نہیں۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے آگاہ فرمایا جائے تاکہ اس بارے میں میرے موقف کی اصلاح ہو جائے۔ پروفیسر صاحب نے دیباچہ کے ساتھ ”نگاروں“ اور تقریظ کے ساتھ ”نویسوں“ کے لفظ لکھے جب کہ مقدمہ کے ساتھ ”بازوں“ کے لفظ وہ لکھ گئے اور بلا تخصیص سب کو ہدف طعن و ملامت بنا گئے۔ وہ خود فرمائیں کہ کیا یہ عدل و انصاف ہے؟ جب کہ وہ ناقد میں عدل و انصاف کا جوہر بدرجہ اتم چاہتے ہیں۔ جو لوگ غلط کو صحیح، غیر معیاری کو معیاری اور کم کو زیادہ بتاتے ہیں انھیں ہدف بنایا جائے نہ کہ سبھی کو ایک صف میں شمار کر کے مشقِ ستم کی جائے۔ ان کے مذکورہ بالا اقتباس کا آخری جملہ ”گویا“ کے لفظ سے شروع ہوتا تو موزوں ہوتا۔ جملہ پھر ملاحظہ ہو: ”(گویا) ہر شاعر کے کلام کو عصر حاضر کا بہترین کلام ثابت کرنے کے لیے ان کا ذاتی اعتراف ہی کافی ہے۔“

وہ لکھتے ہیں ”... گو ایسے نقاد بہت چالاک ہوتے ہیں اور عموماً اس قسم کی تنقید کرتے ہیں کہ کتاب کی پرہنگ بہت خوب صورت ہے، کاغذ اعلیٰ ہے۔ لکھائی دل کش ہے، جلد مضبوط ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسی منافقت کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اور اگر واقعی کسی ضرورت سے ایسی تنقید لکھی جا رہی ہے تو کہیں آخرت تو خراب نہیں ہو رہی۔“ (ص ۱۹۹)

پروفیسر صاحب نے جس بات کو منافقت کہا ہے، مجھے اس میں شبہ ہے۔ ایسا نقاد صرف کتابت و طباعت کی بات کہہ کر یہی واضح کرتا ہے کہ وہ کتاب کے مندرجات نہیں دیکھ سکا یا ان سے مطمئن نہیں ہے یعنی بالفاظِ دیگر قارئین کو یہی تاثر دیتا ہے کہ اس کتاب کے مندرجات کے بارے وہ (نقاد) کوئی رائے پیش نہیں کر رہا تاکہ اسے مطعون نہ کیا جاسکے اور قارئین بھی جان لیتے ہیں کہ نقاد نے کتنی اور کیسی بات کہی ہے۔ یوں آخرت کی خرابی جیسی سنگین بات ان نقادوں

کی بابت ”زیادہ“ ہے۔

وہ لکھتے ہیں: گورنمنٹ کالج شاہ درہ لاہور سے ڈاکٹر آفتاب نقوی شہید نے ”اوج“ کے دولا قافی نعت نمبر پیش کیے۔ (ص ۲۰۰) ”لاقانی نمبر“ کے لفظ اس جملے میں محل نظر ہیں۔

وہ لکھتے ہیں: ”فلمی دھن پر نعت لکھنا یا پڑھنا کسی طور قابل تحسین نہیں۔ تلازمہ خیال انسانی ذہن کو فوراً فلم کے بے ہودہ منظر کی طرف لے جاتا ہے اور نعت پس منظر میں چلی جاتی ہے۔“ (ص ۲۰۰)

پروفیسر افضال صاحب کیا یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہر شخص فلم بین ہے؟ اور ہر سامع کا تلازمہ خیال کیا اس کے ذہن کو فوراً فلم کے بے ہودہ منظر کی طرف واقعی لے جاتا ہے؟

فلمی گانوں کی دھنوں پر پڑھے جانے والے نعتیہ کلام کو شاید کوئی ”مخصوص سامعین“ ہی پسند کرتے ہوں، لیکن عام سامعین کی اکثریت بھی تائید نہیں کرتی، حالاں کہ میری نظر سے لاہور کے کسی اخبار میں درج یہ جملہ بھی گزرا کہ ”اس بہانے سامعین بجائے گانوں کے نعتیہ کلام کے شعر گن مٹاتے ہیں“، یعنی لکھنے والے نے اس میں بھی خوبی ڈھونڈنی چاہی۔ پروفیسر افضال صاحب نے دیکھا سنا ہوگا کہ فلمی گانوں کی دھنیں تو کیا، نعتیہ کلام اب نیگے سر اور ہر طرح کی موسیقی کے پورے استعمال اور لڑکیوں کے ساتھ پڑھا جا رہا ہے۔ صرف دف کے ساتھ کوئی ایک نعت شریف پڑھ لی جاتی لیکن دف کے ساتھ انگلیوں پر چمٹے چڑھا کے کھنک اور دھمک بڑھانا بھی روا سمجھا جا رہا ہے۔ آداب و انداز کے حوالے سے کوئی تعلیم و تلقین اور غیر معیاری کلام پر تادیب و تنقید کی جائے تو اسے تو جین و تذلیل شمار کیا جاتا ہے۔

”نعت رنگ“ میں کتنی ہی ایسی تحریریں شامل ہوئی ہیں جن میں محافل نعت منعقد کرنے والے اور نعت خوانی کرنے والے ان تمام احباب کو یہ باور کرایا گیا کہ وہ آداب سے خود کو عملاً وابستہ کریں اور ایسے ہر قول و فعل سے اجتناب کریں جو آداب کے منافی ہو۔

پروفیسر افضال صاحب لکھتے ہیں: ”تنقید نعت نے بعض بنیادی اور اہم مباحث کو جنم دیا ہے۔“ (ص ۲۰۱) اس جملے میں ”جنم دیا ہے“ کی بجائے ”اجاگر کیا ہے“ ہوتا تو بہتر تھا۔

وہ اپنی تحریر کے آخر میں لکھتے ہیں: ”اس خاک سار کے نزدیک تنقید نعت دراصل تنقید

تحفظ ناموس مصطفیٰ ﷺ ہے، ایک ایسی تیغ جو درست کا دفاع کرتی ہے اور نادرست کو دفع کرتی ہے۔“ (ص ۲۰۲)

اپنی دانست کے مطابق عرض گزار ہوں کہ لفظ ”دفاع“ کا استعمال اردو میں جو رائج ہے، پروفیسر صاحب نے بھی اسی کو اپنا یا ہے۔ ”فرہنگ عامرہ“ میں دیکھا تو لفظ ”دفاع“ کے سامنے درج ہے: ”باز رکھنا، دُور کرنا۔“

”دفع، دفاع“ کا بیان عربی سے واقف جانتے ہیں کہ ”عن“ کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک پروفیسر افضال صاحب کا یہ جملہ یوں صحیح ہوگا: ”تقید نعت دراصل وہ فعل ہے جو درست سے دفاع کرتا ہے“ یعنی درست سے نادرست کو دُور رکھتا ہے۔ انھوں نے اسے ”تیغ“ کے لفظ سے بیان کیا ہے، یوں ان کے مطابق یہ ”جہاد“ ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے نبی پاک ﷺ کی ناموس (عصمت و عفت اور عزت و عظمت) کی پاس بانی کے لیے خدمت کرنا اور اس سے دفاع کرنا واقعی جہاد و کرنا ہے۔

محترم سید صبیح رحمانی صاحب ایہ فقیر معذرت خواہ ہے کہ ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کی کئی تحریروں کے حسن و قبح کے حوالے سے نہیں لکھ سکا۔ پروفیسر شفقت رضوی صاحب نے ”رسالہ“ ”شام و سحر“ کے نعت نمبروں کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ ”خاصی محنت سے پیش کیا ہے۔ ص ۲۱۳ سے ص ۳۰۴ تک ان کی تحریر ہے، اس کے مندرجات کے بارے میں اس تحریر میں کچھ نہیں لکھ رہا۔ میرے پاس ”شام و سحر“ کے یہ نمبر بھی نہیں (کاش کہ مجھے مل جائیں)۔ محترم پروفیسر علی حسن صاحب صدیقی نے محترم پروفیسر محمد اسحاق قریشی کی ضخیم کتاب ”برصغیر میں عربی نعتیہ شاعری“ کا جائزہ تحریر فرمایا ہے۔ لاہور میں مہینوں پہلے اس کتاب کی ”زودنوائی“ کے باوجود یہ کتاب جانے اب تک یہاں کے کتب خانوں میں دست یاب کیوں نہیں؟ پروفیسر علی حسن صدیقی نے اس کتاب کا جائزہ پیش کر کے شوق مطالعہ اور بڑھایا ہے۔ ان کی تحریر میں ایک جملہ قابل توجہ ہے، لکھتے ہیں: ”... اور قرآن مجید میں سنس کرت کے الفاظ کی موجودگی ان روایط کی شاہدِ عدل ہے۔“ (ص ۳۰۵) سورہ شعرا میں ”بلسان عربی مہین“ کے الفاظ قرآن کریم کے لیے اللہ کریم جل شانہ نے خود ارشاد فرمائے ہیں، اس کے بعد قرآن کریم میں ”سنس کرت“ کے الفاظ کی موجودی بتانا کل نظر ہے، انھوں نے سنس کرت کے وہ الفاظ نہیں لکھے ورنہ ان کے اس احتمال کی تحقیق ہوتی۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کی ایک اور تحریر اسی شمارے میں ”خالد شفیق اور ان کی نعت گوئی“ کے عنوان سے ہے۔ اس تحریر میں بھی کچھ قابل توجہ جملے نشان زد کیے تھے لیکن اس تحریر میں اب صرف خطوط کے حصے سے کچھ پیش کرنے پر اکتفا کروں گا کیوں کہ کچھ خطوط میں میرا ذکر ہے اور ان باتوں کا جواب میرے ذمے ہے۔

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ص ۳۹۴ پر محترم جناب شان الحق حقی کا پہلا مکتوب ہے۔ شیخ محقق حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت سے وہ خود کو ”مٹھی“ کہلاتے ہیں۔ اپنے مکتوب کا پہلا جملہ وہ جانے یوں کیسے لکھ گئے، ملاحظہ ہو: ”آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے کچھ معجزات ان کی حیات میں ظہور میں آئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔“ حیرت ہے کہ ”قرآن کریم“ بھی ان کی توجہ میں نہ رہا، احادیث نبویہ صلی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھی انھوں نے دھیان نہیں دیا۔ مجھے اگر صحیح یاد ہے تو خود ابن مہدیؒ نے چھ ہزار معجزات کا شمار مانا ہے۔ میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا معجزہ بن کر تشریف لائے، حقی صاحب کے اس بیان میں تشکیک کا سالیجہ مجھے عجیب لگا۔ وہ لکھتے ہیں: ”ان کی وفات کے بعد جو درود و سلام، لا تعذ ولا تعصی، ان کی ذات گرامی پر بھیجے گئے وہ اپنی جگہ ایک معجزے سے کم نہیں۔ یہ میرے نزدیک سب سے بڑا اور سچا معجزہ ہے، جس کا جواب محال ہے۔“ (ص ۳۹۴)

اپنے اس بیان کے لیے الفاظ کا انتخاب محترم حقی صاحب صحیح نہیں فرما سکے لیکن جو بات انھوں نے پہنچانی چاہی ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ درود و سلام خود رب العظیم جل شانہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیج رہا ہے اور فضل الہی کی بدایت و نہایت کا کیا تصور، گنجائش ہی نہیں، اس بارے میں ”نعت رنگ“ شمارہ ۴ میں کچھ عرض کر چکا ہوں۔ بات صرف یہ دہرائی ہے کہ مخلوق کی طرف سے بھیجے گئے درود و سلام کے نذرانے بے شمار ہیں اور وہ سب مل کر بھی اللہ کریم جل شانہ کے بھیجے ہوئے ایک درود و سلام کے برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر مخلوق میں ملائکہ (فرشتوں) ہی کی تعداد کا کوئی شمار نہیں، انسان تو ملائکہ کے سامنے بہت کم ہیں۔ تمام فرشتے درود و سلام بھیج رہے ہیں۔ اس حوالے سے کچھ برس پہلے پاکستان ٹیلی وژن کے پروگرام ”فہم القرآن“ میں ”درود شریف کی اہمیت“ کے عنوان سے بفضلہ تعالیٰ مجھے وہ گفتگو کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جسے بہت پسند کیا گیا، یہ گفتگو کئی مرتبہ نشر کی گئی۔

روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہونے والی یہ خبر بھی باعث مسرت ہوئی، جمعہ ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر یہ خبر ہے: ”ملائیشیا کی فوج اور حاضرین صلوٰۃ و درود کے ورد کرتے رہے، کانفرنس کی جھلکیاں

پترا جایا (ایڈیشنل رپورٹ)... سربراہان مملکت کے استقبال اور فوٹو سیشن کے بعد ملائیشیا کی مسلح افواج کی مذہبی کور نے صلوٰۃ و درود پیش کیا حاضرین بھی یہ ورد کرتے رہے یا رسول سلام ملیک یا حبیب صلوٰۃ علیک، صلوٰۃ و درود کے بعد تلاوت کلام پاک کی گئی پھر حاجی اسماعیل نے دعا کروائی۔“

دسویں اسلامی سربراہی کانفرنس کے شرکا کا درود و سلام پڑھنا ٹیلی وژن کے چینلو پر بھی دکھایا گیا۔

حقی صاحب بخوبی جانتے ہوں گے کہ ”معجزۃ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو اس کے نبی سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ سچا ہی ہوتا ہے۔

حقی صاحب لکھتے ہیں: ”حب رسول مسلمان کا جزو ایمان ہے۔“ (ص ۳۹۰) یہاں نہایت اعتماد سے عرض گزار ہوں کہ حب رسول (ﷺ) جزو ایمان نہیں، جان ایمان ہے۔ جناب حفیظ جالندھری مرحوم نے سچ کہا ہے:

محمد (ﷺ) کی محبت دین حق کی شرط اول ہے

اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

دوسرا مکتوب جناب ڈاکٹر سید یحییٰ حفیظ کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”جہاں تک خطوط کا تعلق ہے تو علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب کا خط سب سے

طویل ہے۔ اس میں علامہ نے جہاں ادروں کے متعلق لکھا ہے وہاں خاک سار کی تحریر پر بھی گرفت کی ہے اور لکھا ہے کہ ”(میں نے) اپنی اس تحریر میں کم فہمی کی وجہ سے مولانا فضل حق

خیر آبادی (رحمۃ اللہ علیہ) پر غلط الزام لگایا ہے۔“ تو اس تعلق سے عرض ہے کہ ”امتناع الطہیر خاتم النبیین“ کے مسئلہ کو میں سید اسماعیل شہید کے حوالے سے خوب جانتا ہوں۔ لیکن میں نے

اپنے مضمون میں مولانا الطاف حسین حالی کی ”یادگار غالب“ علی گڑھ ایڈیشن ص ۷۲ تا ۷۴ کے اقتباس ہی کے حوالے سے اس مسئلہ کے متعلق غالب کے موقف کو واضح کرنے کی کوشش کی

ہے۔ میں نے غالب کے متعلق ”امتناع الطہیر“ کے ضمن میں جو باتیں لکھی ہیں حالی نے مجھ سے

زیادہ دفاع یادگار غالب میں کیا ہے۔ ”عظمت رسول ﷺ میں تو ہیں الہ“ اس وقت اس مسئلہ کو سید اسماعیل شہید نے سمجھا تھا۔ اس لیے اس کا جواب بھی دیا تھا۔ اب نہ اسماعیل شہید زندہ ہیں نہ مولانا فضل حق خیر آبادی۔ اس لیے اب اس مسئلے کو الجھانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں۔ رہا علمی بحث کا تعلق تو حضرت علامہ سے دست بستہ عرض ہے کہ ان مباحث سے نہ تو امت کو کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ ایمانی قوت میں اضافہ۔ آج عالمی سطح پر امت جس پر آشوب حالت سے گزر رہی ہے۔ اس کا مقتضی تو باہمی اتفاق ہے نہ کہ انفصال۔ میں ایک بار پھر عرض کر دوں کہ مولانا فضل حق خیر آبادی اور غالب کے متعلق جو باتیں بھی میرے مضمون میں آئی ہیں یادگار غالب ہی ان کا ماخذ ہے۔“ (ص ۳۹۶-۳۹۷)

خود کچھ عرض کرنے سے پہلے سابق پروفیسر علوم اسلامی و تاریخ اسلامی، کراچی یونیورسٹی، جناب علی حسن صاحب صدیقی کی تحریر سے اقتباس ملاحظہ ہو:

”نعت رنگ“ کے ایک مقالہ نگار جناب ظہیر غازی پور نے اپنے مضمون مشمولہ ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۱ میں حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار میں عروضی افلاط پر ایک غیر ضروری اور غیر علمی مضمون تحریر کیا۔ مولانا علیہ الرحمہ دور آخرین کے علماء اسلام میں اپنے تبحر علمی اور کثرت تصانیف کے لیے مشہور ہیں۔ ان کی ذات ہمہ صفات بے نظیر و منفرد ہے اور ان کے علمی کمالات سے انکار ممکن نہیں ہے۔ مولانا کو کب نورانی نے ظہیر غازی پور پر سخت تعقیب کی ہے اور ان کے الزامات کو ٹھوس علمی بنیاد پر پادر ہوا ثابت کر دیا ہے۔ اسی طرح ”نعت رنگ“ کے شمارہ ۱۲ میں بھارت کے ایک قلم کار ڈاکٹر یحییٰ عظیم نے اپنے مضمون میں جس کا عنوان ہے ”عظمت رسول ﷺ (خلوط غالب میں“ فخر الافاضل، رئیس المحکمین مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ پر مسئلہ ”اتناع الظہیر“ کے ضمن میں بے جا تنقید کی ہے۔ مولانا کو کب نورانی نے اس کی تردید کی ہے۔ ”مسئلہ اتناع الظہیر“ دراصل علم کلام کا نہایت مہتم بالشان مسئلہ ہے اور اس کا تعلق عقیدہ ختم رسالت (ﷺ) سے ہے۔ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی کے زمانہ میں مولوی محمد اسماعیل نے اس مسئلہ پر اپنی حسب عادت گفتگو کی تھی۔ مولانا نے مرحوم نے مسئلہ کی سنگین نوعیت کے پیش نظر اس کی عالمانہ و حکمانہ مقدمات کر کے سخت تردید کر دی اور ان کے دوست غالب نے ان کی کتاب پر بطور تقریباً ایک مثنوی لکھ دی۔ مولانا حالی نے یادگار غالب میں اس کا سرسری ذکر کیا، چوں کہ یہ دقیق کلامی مسئلہ ان کی اور ان کے ممدوح استاد کی ذہنی و علمی

سطح سے بہت بلند تھا، وہ اسے نہ سمجھ سکے اور جو کچھ انھوں نے لکھا وہ غیر علمی تھا۔ ڈاکٹر یحییٰ عیسیٰ کی فہم سے مسئلہ امتناع العظیم بہت بلند تھا تو انھوں نے بھی حضرت مولانا خیر آبادی کی تردید کی غیر علمی کوشش کی ہے۔ حالی تو اب اس دنیا میں نہیں ہیں، مگر ان کی زندگی ہی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسماعیل کے ”انکار امتناع العظیم“ سے شہ پا کر نبوت و رسالت محمدی ﷺ سے بغاوت کی۔ مولانا خیر آبادی مرحوم نے علمی بصیرت، کلامی عبقریت اور ایمانی فراست سے کام لے کر امکان نظیر رسالت مآب ﷺ پر اپنی کتاب لکھ کر جو دینی خدمت انجام دی، وہ نہ غالب کی بادہ نوشی، نہ حالی کی نیچریت اور نہ ہی یحییٰ عیسیٰ کی نادانیت سے کم ہو سکتی ہے۔“ (تقریظ بر کتاب کتاب، ”نعت اور آداب نعت“، ص ۲۶-۲۷، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

یحییٰ عیسیٰ صاحب نے جناب اسماعیل دہلوی کو دو مرتبہ ”سید“ لکھا ہے، نہیں معلوم وہ قصداً ایسا لکھ رہے ہیں یا انھیں تحقیق نہیں کہ وہ ہرگز سید نہیں تھے۔ وہ حضرت مولانا فضل حق شہید خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صرف اسماعیل دہلوی کی ناقص فہم پر تو یقین و اعتماد کرنا چاہ رہے ہیں اور جلیل القدر عالم حق پر الزام لگانے میں دلیر ہو رہے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھ رہے کہ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا نام ہی ”امتناع العظیم خاتم النبیین (ﷺ)“ ہے۔ یحییٰ صاحب مجھے یہ فرمانا بھی صائب گردانتے ہیں کہ ”ان مباحث سے نہ تو امت کو کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ ایمانی قوت میں اضافہ۔“

یہ فقیر بے توقیر ان سے پوچھنا چاہتا ہے کہ ”جناب شارق جمال“ کی طرف سے کسی شعر میں متنازع فی سقم کی نشان دہی پر نکتہ چینی تو انھیں پسند نہ آئی اور اس پر انھوں نے وضاحت ضروری سمجھی، وہ بتائیں اس وضاحت سے ”امت کو کوئی فائدہ ہوا یا امت کی ایمانی قوت میں کوئی اضافہ ہوا؟“ مجھے حیرت ہے کہ ڈاکٹر یحییٰ عیسیٰ صاحب کو سمجھ کیوں نہیں آیا کہ رسول کریم ﷺ کے بارے میں کسی کی پیدا کردہ غلط فہمی کا ازالہ کرنا بے فائدہ کیسے ہو سکتا ہے! رسول کریم ﷺ کے باب میں کسی کی ہرزہ سرائی کے جواب سے اہل ایمان کی ایمانی قوت میں کتنا اضافہ ہوتا ہے، شاید یہ بھی ڈاکٹر یحییٰ عیسیٰ صاحب کی فہم سے بالا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ماخذ ”یادگار غالب“ ہی سمی، وہ بتائیں کہ انھوں نے اس بیان کو نقل کر کے امت کو کیا فائدہ پہنچایا ہے اور ان کی ایمانی قوت میں کیا اضافہ کیا ہے؟ وہ خود کو اس ”مشورے“ سے مستثنیٰ کیوں شمار کر رہے ہیں؟

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ص ۴۷۱ سے جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کا مکتوب شروع ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”یہاں تو سبھی شاخوانی حضور میں الجھ کر سلجھ رہے ہیں۔“ (ص ۴۷۲) مسجع و مقنع نثر نگاری کی خوبیاں اپنی جگہ لیکن خیال رہے کہ متنی و مخالف تاثر دینے والے لفظ کا انتخاب و استعمال تحریر کو نادرست بنا دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی شاخوانی میں ”الجھنے“ کی بات عجیب ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب نے اپنے مکتوب میں اس فقیر پر نصیحت کے بارے میں اظہار خیال فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ ”نعت رنگ“ بلاشبہ نعتیہ مضامین کا نہایت دل کش، معنبر و معطر گل دستہ ہے جس کے ہر گل کی خوش بو لازوال ہے۔ مگر اس کا ایک امتیاز نقد و نظر کی دنیا بسانا ہے۔ نقد و نظر کے گوشے میں کئی نام ذہن میں ابھرتے ہیں۔ تسلسل سے جو تنقید رہنے والے علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی کا تذکرہ کیے بغیر بات مکمل نہیں ہوتی۔ علامہ کوکب نورانی خطیب اعظم حضرت علامہ محمد شفیع اذکار ڈوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ خطیب مشرق سے ایک زمانہ آگاہ تھا۔ میں بھی اس زمانے کا حصہ ہوں۔ انھیں صرف تین چار مرحبہ سنا۔ اور جب بھی سنا یہی احساس ہوا کہ ”ایک بار سنا ہے دوسری بار سننے کی ہوس ہے۔“ انھیں کے صاحب زادے علامہ کوکب نورانی کو فقط ٹیلی ویژن پر دیکھا اور ”نعت رنگ“ میں تنقید کے شعبے میں بار بار پڑھا۔ ٹیلی ویژن پر جتنے دیکھے، مدغم، دل کش اور مدھر سروں میں بولتے ہیں، تنقیدی خطوط میں اس کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ کھرا کھرا لہجہ، بے نیاز و بے پروا۔ بات بات پر ہال کی کھال اُتارنے والے (حالاں کہ یہ محض ایک محاورہ ہے) ”نعت رنگ“ کے مضامین کو اتنی حرق ریزی، باریک بینی اور عبادت کی حد تک ڈوب کر پڑھتے ہیں کہ شاید اس طرح جناب صبح رحمانی بھی نہ پڑھتے ہوں گے۔ اپنے موقف پر ڈٹے رہنے والے دوسرے کے دلائل کی ہر صورت کاٹ کرنے والے، شاعر نہ ہو کر بھی (کیا خبر کہ شاعر ہوں، کیوں کہ ممدوح دو عالم ﷺ کے اکثر سیرت نگاروں کے دامانِ ادب سے نعتیں ٹپک ہی پڑتی ہیں) نعت پر اس قدر سیر حاصل گفتگو کرنے والے، دلائل و براہین کے انبار لگا دینے والے، ان کے تبصروں کی شدت خلوص پڑھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

پروفیسر صاحب نے اتنے طویل تبصرے لکھے ہیں کہ ان کے لیے یہ مشورہ دیتے ہوئے روحانی اطمینان کا احساس ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ مضمون نگاری فرمائیں۔ اگرچہ یہ تبصرے

بھی مضمون نگاری ہی کا ایک حصہ ہیں۔ مگر اس میں ان کی توجہ ”نعت رنگ“ اور قلم کارانہ ”نعت رنگ“ تک محدود رہتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر یہ مشورہ میرے مدوح خطیب پاکستان کے جانشین کے فکر و ذہن کے لیے معمولی حد تک بھی قابلِ قبول ٹھہرا تو اردو نعت کے ناقدین اور مستقل مضمون نگاروں کی فہرست میں ایک بڑے نام کا اضافہ ہوگا۔“ (ص ۴۷۴، ۴۷۵)

انھوں نے میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ازراہ عقیدت و محبت اور مجھ گناہ گار کے لیے ازراہ شفقت و عنایت کلماتِ تحسین فرمائے ہیں، اللہ کریم جل شانہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ ان کی تحریر میں یہ جملہ خلاف واقعہ ہے: ”دوسرے کے دلائل کی ہر صورت کاٹ کرنے والے“۔ محترم پروفیسر محمد اکرام رضا صاحب اور ”نعت رنگ“ کے تمام قارئین میری تحریریں بغور ملاحظہ فرمائیں، بفضلہ تعالیٰ یہ فقیر کبھی صحیح بات اور دلائل حقہ ”کی کسی صورت“ کاٹ نہیں کرتا تو ”ہر صورت“ کاٹ کیسے کر سکتا ہے!

پروفیسر صاحب کا مخلصانہ مشورہ بجا ہے اور یہ فقیر ان تنقیدی خطوط کے علاوہ بھی خامہ فرسائی کرتا ہے۔ ”نعت رنگ“ کے مدیر و مرتب جناب سید صبیح الدین صبیح رحمانی کی خواہش یہی تھی اور ہے کہ ”نعت رنگ“ میں شائع ہونے والی تحریروں میں شریعت و سنت کے منافی و مخالف اور حقائق سے متضاد باتوں، غیر معیاری اور غیر محتاط لفظوں اور لہجوں اور صحیح عقائد سے متصادم رویوں کی نشان دہی ضروری ہے تاکہ نعت شریف کے حوالے سے صحیح تنقید ہو سکے۔ مجھے ہرگز ادعائے علم نہیں، والدین کریمین کی دعائیں اور بزرگوں کا فیضان ہے کہ کتاب و قلم سے ناتا ہے اور تمنا یہی ہے کہ اللہ کریم جل شانہ مجھ سے کوئی خدمت ایسی لے لے جو میری بخشش کا سامان ہو جائے، اس دعا پر سبھی سے صدائے ”آمین“ کا خواست گار ہوں۔

محترم پروفیسر محمد اکرام رضا صاحب کو اعزازہ ہوگا کہ تحقیق و تنقید کس قدر دشمن کام ہیں۔ مجھے یہ بھی احساس ہے کہ کچھ لوگ ”ناراض“ بھی ہو جاتے ہیں لیکن ان سب کی ”ناراضی“ سے صرف نظر کر کے محبوب رب (ﷺ) کی محفل ”رضا جوئی“ ہی پیش نظر رکھتا ہوں۔ حیدرآباد سے کتابی سلسلہ ”المصداق“ کے مدیر جناب شاہ انجم بخاری نے ”نعت رنگ“ میں شائع ہونے والے میرے خطوط کے مجموعے ”نعت اور آداب نعت“ پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے: ”...آپ کی تحریر و تقریر کا مرکز و محور خوفِ خدا اور حُبِ رسول (ﷺ) ہوتا ہے۔“ (المصداق، شمارہ ۸، ص ۱۸۷)

شاہ انجم بخاری صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انھوں نے وہی لکھا،

بھم تعالیٰ جو میری تحریر و تقریر کی بنیاد اور منشور حیات ہے، دعا ہے کہ اللہ کریم جل شانہ مجھے اس پر قائم و ثابت رکھے۔ آمین

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ص ۴۷۵ سے جناب احمد صغیر صدیقی کے مکتوب کا آغاز ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”خطوط میں مولانا کوکب نورانی نے نہایت طویل خط لکھا ہے۔ بقول ان کے اس پر دوبارہ نظر ڈالنے کی ان کے پاس فرصت نہ تھی۔ اچھا ہوتا کہ وہ دیکھ لیتے۔ بہر حال یہ خاصہ معلوماتی ہے۔ مگر اس میں بھی مجھے وہی کچھ نظر آیا جو ہمارے مذہب سے متعلق دوسری تحریروں میں ہوتا ہے۔ ہر طرف نزاع نظر آتا ہے۔ میں تو خوف زدہ ہو کر اب مذہب کو پڑھ ہی نہیں رہا ہوں بس جتنا پڑھ لیا اسی نے دماغ خراب کر دیا ہے۔ میں اب اپنے مذہب کی چند موٹی موٹی باتوں تک محدود رہتا ہوں۔ نماز، روزہ، حج تک محدود رہتا ہی اچھا ہے۔ حتیٰ المقدور حقوق العباد پر توجہ رکھی جائے اور بس۔ اب بتائیے یہ جان کر مجھے کیا حاصل ہوگا کہ رسول پاک کے اندر چار سو مردوں کے برابر طاقت تھی (اس کا علم مجھے ”نعت رنگ“ ہی میں شامل کسی مضمون سے ہوا)۔“ (ص ۴۷۶)

جناب احمد صغیر صدیقی کی اس بات کا اعتراف کیا جائے کہ وہ ”نعت رنگ“ کا پورا مطالعہ کرتے ہیں اور مزاج میں جھلاہٹ کے باوجود پورے طنطنے سے تبصرہ بھی فرماتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ دینیات سے بکمال واقفیت نہ ہونے پر بھی ”دغل در معقولات“ ضروری سمجھتے ہیں، یہی نہیں بلکہ دلائل و براہین اور حقائق و دقائق کے سامنے لاجواب ہو جائیں تو ان کا ”دماغ خراب ہو جاتا ہے۔“ کوئی ان سے پوچھے کہ دینیات کے باب میں ان کے یہ جملے انھیں ”مجرم“ ٹھہرائیں تو ان کے ”دماغ“ پر کیا گزرے گی؟ ان سے عرض ہے کہ دین و مذہب کی بنیادی باتیں، عقائد ہیں، ان میں درستی و راستی نہ ہو تو عبادات بے سود رہتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ”حتیٰ المقدور حقوق العباد پر توجہ رکھی جائے اور بس۔“ ان سے عرض کروں کہ انھوں نے دین و مذہب کے بارے میں غلط جملے لکھ کر اہل ایمان کی دل آزاری بھی کی ہے۔ وہ خود ملاحظہ فرمائیں کہ کیا اور کیسا جرم ان سے سرزد ہوا ہے؟

ان پر واضح ہو کہ رسول کریم ﷺ کو چالیس جنتی مردوں کی قوت دنیا ہی میں عطا ہوئی تھی اور ایک جنتی مرد کی دنیا کے سو (۱۰۰) مردوں کے برابر قوت ہوگی۔ میرے نبی پاک ﷺ کو دنیا ہی میں چار سو نہیں بلکہ چار ہزار مردوں کی قوت عطا ہوئی۔ اس بات سے آگہی کتنے مسائل حل

کرتی ہے یہ سب ”دماغ“ کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ رسول کریم ﷺ کی خصوصیات سے جس قدر واقفیت ہو، اسے سعادت اور عزت شمار کیا جاتا ہے۔ احمد صغیر صاحب صدیقی صرف اس ایک بات ہی پر توجہ دیں کہ وہ بدطینت جو اپنے حبشہ باطن کا اظہار کرتے ہوئے میرے مقدس و مطہر رسول پاک ﷺ کے خلاف باتیں کرتے ہیں یا ان پر تعدد ازواج کا اعتراض کرتے ہیں، اس خصوصیت کا بیان اس اعتراض کا واضح جواب ہے کہ وہ ہستی جسے اس قدر قوت عطا ہوئی، اس جیسا کوئی پاک باز نہیں۔

احمد صغیر صدیقی صاحب کے لیے مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ دینیات پر اپنی عقل کو ترجیح نہ دیں اور دینیات کے باب میں زبان و قلم کو محتاط رکھیں۔
 ”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ کے ص ۳۸۵ پر جناب سید ریاض زیدی کا مکتوب ہے اس میں وہ لکھتے ہیں:

”علامہ کوب نورانی کا خط ایک جامع مقالہ نظر آتا ہے۔ آپ نے علامہ اقبال جیسے عاشق رسول ﷺ کے لیے رحمۃ اللہ علیہ لکھنا گوارا نہیں کیا۔ اسی طرح اپنے مسلک کے علاوہ دوسرے حضرات کو بھی تقدیم و تقدیس کا مستحق نہیں گردانا۔ میرے خیال میں ”نعت رنگ“ جیسے پرچے میں اس قدر فرقہ واریت کو فروغ نہیں ملنا چاہیے۔ ”نعت“ تو محبت کی بہترین تبلیغ اور دھرم و محبت کا خوش ترین ترانہ ہے۔ لہذا جس نے بھی نعت کہی ہے، یقین کرنا چاہیے کہ اس نے حضور سے ٹوٹ کر پیا رکھا ہے۔ ان سے وابستگی کا حق ادا کیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ جس مسلک کے آدمی نے بھی نعت کہی ہے وہ حضور کی ختم المرسلین کو بے مثال اور ان کی رحمۃ للعالمین کو بے نظیر سمجھتا ہے۔ ظفر علی خان، محمد علی جوہر اور سید نقیس الحسنی شاہ، حضرت کوب نورانی کے ہم مسلک تو نہیں لیکن ان کی نعتیں اس قدر عشق رسول (ﷺ) میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ انھیں پڑھ کے حضور سے وابستگی اور والہانہ پن زیادہ اجاگر اور دل نشین ہونے لگتا ہے۔ لہذا نعت کے حوالے سے اس قدر کثرت فقہی بحثیں شاید سودمند نہ ہوں۔“ (ص ۳۸۶-۳۸۷)

جناب ریاض حسین نے اسی صفحے پر گیارہ سطریں اوپر خود علامہ اقبال مرحوم کا نام لکھا ہے اور اس کے ساتھ ”رحمۃ اللہ علیہ“ کے الفاظ ”لکھنے گوارا نہیں کیے۔“ انھوں نے صرف ”حسرت موہانی“ لکھا ہے، انھیں کسی ”تقدیم و تقدیس کا مستحق نہیں گردانا۔“

ان کا لہجہ و انداز بھی قابل توجہ ہے: ”... علامہ اقبال کی بہترین نعت ”لوح بھی تو قلم

بھی تو تیرا وجود الکتاب“ کس کھاتے میں جائے گی۔“ اس جملے میں نعت شریف کے لیے ”کس کھاتے میں جائے“ کے الفاظ ذوق ایمان پر گراں ہیں۔

ریاض صاحب نے جس بات کو ”فرقہ واریت کا فروغ“ قرار دیا ہے وہ اسے فرقہ واریت تو ثابت شاید نہ کر سکیں لیکن انھوں نے اتنا ضرور ظاہر کر دیا ہے کہ وہ رسول پاک ﷺ کی عالی جناب میں گستاخی و بے ادبی کے مرکب افراد کے لیے تعظیم و تکریم رکھتے اور چاہتے ہیں، اس حوالے سے انھوں نے احادیث مبارکہ نہیں دیکھی ہوں گی۔

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۱ میں یہ فقیر اپنے اس موقف اور طرز عمل کا جواب پیش کر چکا ہے۔ ریاض صاحب شمارہ ۱۱ میں میرے مکتوب کے آخر میں اسے ملاحظہ فرمائیں اور جان لیں کہ وہ میرے اس فعل کو جو چاہیں قرار دیں، بفضلہ تعالیٰ یہ فقیر اپنے اس فعل کو اپنے لیے نیکی اور سعادت شمار کرتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے کسی بے ادب، گستاخ یا اس گستاخ کے حامی کے لیے قلب و ذہن میں کوئی تکریم یا رعایت نہیں رکھتا۔

ریاض صاحب لکھتے ہیں: ”لہذا جس نے بھی نعت کہی ہے، یقین کرنا چاہیے کہ اس نے حضور سے ٹوٹ کر پیار کیا ہے۔ ان سے وابستگی کا حق ادا کیا ہے۔“ (ص ۳۸۶)

ریاض صاحب کے علم میں ہوگا کہ غیر مسلم لوگوں اور مشرکوں نے بھی نعت کہی ہے، وہ بتائیں کہ ”کیا انھوں نے میرے نبی پاک ﷺ سے وابستگی کا حق ادا کیا ہے؟ کیا واقعی یقین کیا جائے کہ انھوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے ٹوٹ کر پیار کیا ہے؟“

وہ لکھتے ہیں: ”لہذا نعت کے حوالے سے اس قدر کرحمت فقہی بحثیں شاید سود مند نہ ہوں۔“ (ص ۳۸۷)

ریاض صاحب کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ وہ ”فقد“ کی تعریف بھی جانتے ہیں یا نہیں۔ ”نعت رنگ“ میں مطبوعہ میرے خلوط میں وہ صرف اپنی علمی قابلیت سے یعنی کسی عالم سے مدد لیے بغیر ”اس قدر کرحمت فقہی بحث“ کو دلائل اور ثبوت کے ساتھ پیش کریں تاکہ ”اس قدر کرحمت“ کی حقیقت واضح ہو۔

محترم سید صبیح رحمانی صاحب! میں نے مختلف نشستوں میں یہاں تک لکھا ہے، مجھے احساس ہے کہ بہت توجہ سے اس تحریر کو مکمل نہ کر سکا، بہت کچھ رہ گیا ہے۔ بایں ہمہ مجھ سے اس تحریر میں جو کوئی غلطی و کوتاہی ہوئی، اللہ کریم جل شانہ سے اس غلطی و کوتاہی پر توبہ کرتے ہوئے طالب غنہ و مغفرت ہوں۔ کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ اللہ بس باقی ہوں

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

”نعت رنگ“ ۱۵ پیش نظر ہے۔ اس سے قبل کہ کچھ اور لکھوں حضرت مولانا کو کب نورانی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے نہایت جاں فشانی سے میرے کچھ سوالوں کے جوابات فراہم کرنے کے لیے حوالہ جات تلاش کیے اور میرے ساتھ پڑھنے والوں کی معلومات میں اضافہ کیا۔ افسوس ان کا کوئی جواب قلم بخش نہیں لگا۔ کہیں انہوں نے لوگوں کے خوابوں کو سند بنا کر جواب دیا ہے کہیں حکایتوں کے سہارے کے ذریعے باتیں کی ہیں۔ کہیں اپنی بات کو zip hold کرنے کے لیے عربی لغات کو ذریعہ بنایا ہے اور لغوی معنی کو اپنانے پر زور دیا ہے اور کہیں لغوی معنوں کو یکسر مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں کر سکتے۔ کہیں ”معجزہ“ کے لیے لکھا ہے کہ اردو میں اس کے معنی صرف وہ محل خاص ہے جو نبی سے ظاہر ہوتا ہے کہیں ”نعت“ اور ”حمہ“ کے لیے اردو میں جو معنی رائج ہیں اُسے مسترد کر کے عربی لغات سے دوسری باتیں ثابت کی ہیں۔

(حوالہ کے لیے بالترتیب صفحات نمبر ۳۰۸، ۱۳۷ سے صفحہ نمبر ۳۰۷، ۱۳۷ سے، صفحہ نمبر ۳۱۱، ۱۳۷ سے، صفحہ نمبر ۳۵۳، ۱۳۷ سے)

اسی طرح محض سوالوں کے جواب میں مولانا نے یہ کہہ کر بات کر دی ہے کہ جواب کے لیے فلاں کتاب دیکھ لی جائے۔ (حوالہ صفحہ ۳۱۴ آخری سطریں) کہیں لکھا ہے کہ اپنی کم علمی دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اور کہیں اسی سٹی کو شرارت قرار دے دیا ہے۔۔۔ تفصیل سے ہر بات کو دوبارہ اٹھانا جواب لکھنا اب میرے بس میں نہیں رہا ہے۔ لہذا میں نے سوچا ہے کہ ان دینی معلومات میں آئندہ سے میں خاموش رہوں گا۔ میں اب تک جو کچھ لکھتا رہا ہوں اس کے پیچھے احکام الہی کی پابندی کا جذبہ تھا کہ غور کرو اور فکر کرو۔ تحقیق کے بغیر تقلید سے بچو۔ یہ کام میں اپنے طور سے کرتا رہا ہوں کرتا رہوں گا۔ ”نعت رنگ“ کے صفحات کا سہارا صرف اس لیے لیا تھا کہ اس سے میرے ساتھ ہی بہتوں کا بھلا ہو رہا تھا۔ مگر یہ معاملہ اب کچھ مناسب نہیں لگتا۔ ان مباحث سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ نعت لکھنے سے قبل ہمیں عالم دین ہونے کی سند بھی حاصل کرنی چاہیے اور یہ بھی کہیں سے پتا کر لینا چاہیے کہ ہم واقعی مسلمان ہیں کہ نہیں (یعنی ہر طرح سے راسخ العقیدہ) صفحہ ۳۳۸ دوسرا پیرا گراف) ڈاکٹر سید وحید اشرف کو اس حوالے سے

پھنسا دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ صفحہ ۳۴۴ چوتھے ہیرا گراف میں ”ہزارے“ (یعنی طے فی ام) کا لفظ دیکھ کر مرحوم جون ایلیا یاد آئے جنہوں نے لکھا تھا کہ اے اردو والو! ”ہزارے“ کوئی لفظ نہیں ہے یہ ”ہزارے“... میں مزید کچھ سمجھنے کے بجائے اب آئندہ سے اس مشورے پر عمل کرنے والا ہوں جو ڈاکٹر یحییٰ قلیط نے اپنے خط صفحہ ۳۹۷ سطر ۷ اور ۸ میں دیا ہے جنہیں دلچسپی ہو دیکھ لیں۔

میں قیصر نجفی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے حمد یہ قطعے کے بارے میں لکھ کر میری رہنمائی کی۔ اس ضمن میں بس اسی قدر عرض ہے کہ... بے مثل صفات کو نسبتاً کم تر سے تشبیہ دینا کم کرنا نہیں ہوتا۔ یہ دراصل ایک عیاں تر حوالہ ہوتا ہے کہ قاری کو تفہیم کا ایک سہارا مل جائے۔ خود اللہ نے اپنے نور کو چراغ سے تشبیہ دی ہے۔ حضرت مولانا کوکب لورانی نے بھی مجھے سمجھانے کے لیے صفت خاص جو حضور اکرم ﷺ کی ذات میں تھی ایک جگہ کی مثال دے کر واضح کی ہے۔ (صفحہ ۴۷ سطر ابتدائی) بہر حال ان کی بات میں نے نوٹ کر لی ہے۔ ان کی قطعے پر اصلاح البتہ قابل قبول نہیں کہ اگر ان کا بتایا ہوا مصرع استعمال کیا جائے تو قافیہ غائب ہو جاتا ہے۔ عیب بقول ان کی دور نہیں ہوتا بلکہ ایک اور عیب پیدا ہو جاتا ہے۔ خیر میں ان کی اس پیش کش کا بھی ممنون ہوں۔ (میں نے یہ قطعہ ہی مسترد کر دیا ہے) اب حافظ صاحب کا خط (صفحہ ۴۸) وہ عروض اور فہم اشعار کے عالم بے بدل ہیں۔ ان کے جواب کے بعد میں بھلا کیا عرض کر سکتا ہوں۔ اللہ انہیں خوش رکھے اور ان پر رحم کرے۔

ظہیر غازی پوری۔ بھارت

آپ کا مراسلہ رسائل و کتب کا بیکٹ بہت پہلے مل گیا تھا۔ جواب میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی۔ اس کے دو اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ کہ میں آپ کے خط کا منتظر رہا تا کہ مجھے علم ہو سکے کہ موضوعاتی اشاریہ کی چار زائد کاپیاں کن لوگوں کے لیے ارسال کی گئی ہیں۔ کیا میں انہیں ایسے لوگوں کو بھیج دوں جو نعتیہ شعر و ادب تخلیق تو کرتے ہیں مگر ”نعت رنگ“ میں نہیں لکھتے۔ دوسرا سبب یہ کہ میری اہلیہ یوں تو گردے کے انفکشن کے باعث گزشتہ دس برسوں سے زیر علاج ہیں مگر ادھر ۷-۸ ماہ سے ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔ بعض اوقات تو میں ان کی زندگی سے مایوس اور نا اُمید ہو جاتا ہوں۔

بیکٹ میں ”نعت رنگ“ شمارہ نمبر ۱۵ کے علاوہ کتابی سلسلہ ”راہ نجات“ عزیز احسن صاحب کی کتاب ”نعت کی تخلیقی سچائیاں“ سید ابوالخیر کشتی صاحب کی تصنیف ”نعت اور تنقید نعت“ اور پروفیسر شفقت رضوی صاحب کی کتاب ”اردو میں نعت گوئی“ ہمدست ہوئی۔ ان سب کو جتہ جتہ دیکھ سکا ہوں۔ خوش ہوں کہ ”نعت رنگ“ میں شائع علامہ ارشد القادری صاحب کی نعت گوئی کے موضوع پر مہکتا ہوا میرا مضمون قارئین نے بے حد پسند کیا۔

میں ادب میں اختلاف کا قائل ہوں اور اس سے بددل یا بدظن نہیں ہوتا۔ یہ اچھی بات ہے کہ ارباب فکر و ادب اب تک میرے مضمون ”نعتیہ شاعری کے فنی لوازمات“ پر کسی نہ کسی زاویے سے اظہار خیال کر رہے ہیں۔ مگر بعض لوگ اسے ”دوسرا رنگ“ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کاش ایسے لوگ خالص علمی اور فنی تحریریں مصیبت کی عینک اُتار کر پڑھنے کی عادت ڈالتے۔ جناب کوکب نورانی صاحب کے طویل مراسلات دلچسپ اور معلوماتی ہوتے ہیں مگر وہ سکے کا ایک پہلو پیش کرنے کے عادی ہیں اور ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی عیب یا نقص ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ واقعی کمال کی نظر رکھتے ہیں!

اس خط کے ہمراہ میں ایک مضمون ”تاج الفحول... ایک مداح رسول“ اور دو عدد نعت پاک روانہ کر رہا ہوں۔ ایک عدد نعت پاک ”سفیر نعت“ کے لیے ہے۔

گزشتہ چھ ماہ کے دوران ذہنی یکسوئی اور سکون حاصل نہ ہونے کے باعث کوئی تخلیقی یا ادبی کام نہیں کر سکا۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء میں اپنی نثری تصنیف ”مطالعہ اقبال کے بعض پہلو“ کمپوزنگ کے لیے دی تھی۔ ارادہ تھا کہ کمپوزنگ ہونے سے قبل ایک مضمون اور لکھ لوں گا مگر وہ بھی ممکن نہ ہو سکا اور آخر کار ۲۳ جون کو مسودہ دہلی بھیج دیا۔ اُمید ہے کہ کتاب اس ماہ کے آخر میں چھپ کر آجائے گی۔ آپ لوگوں کی خدمت میں ان شاء اللہ ضرور بھیجوں گا۔ یقین ہے آپ بہ عافیت ہوں گے۔

محمد فیروز شاہ۔ میالوالی

”نعت رنگ“ ۱۵ اور محترم عزیز احسن کی نہایت گراں قدر کتاب ”نعت کی تخلیقی سچائیاں“ بھیج کر آپ نے مجھے مالامال کر دیا۔ علم سے بڑی ثروت اور کیا ہے؟ اور پھر علم بھی مدیۃ العلم ﷺ کی ذات والا صفات سے منسوب لفظوں اور جذبیوں اور سوچوں اور محبتوں کے نور و

سرور سے مملو... یہ تو وہ خوش بو ہے جو سدا بہار ہے۔ ہمارے ایک شفیق دوست ہر سال سیرت طیبہ پر دیے گئے موضوع کے حوالے سے مقالہ لکھ کر سیرت النبی ﷺ کانفرنس کے ضمن میں حکومت کو بھجواتے ہیں۔ ایک دوست نے ان سے کہا، ”ڈاکٹر صاحب! آپ کو ایک بار انعام مل بھی چکا ہے۔ آپ ہر بار کیوں بھیجتے ہیں اب ہر دفعہ تو آپ کو اعزاز نہیں مل سکتا۔“ بڑا خوب صورت جواب دیا اس شخص نے... کہا، ”یہ تو پھولوں کی سوداگری ہے نفع نہ بھی ملے، ہاتھ خوش بوؤں سے تو بھرے رہتے ہیں۔“

یہ ان کا کہنا تھا میرا کہنا یہ ہے کہ سیرت سرکار ﷺ پر تو لکھنا بھی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ہے، ہر کسی کے مقدر میں نہیں ہوتا... یہ بڑے نصیب کی بات ہے... وہاں سے اذن نہ ملے تو قلم لکھ نہیں سکتا، ذہن سوچ نہیں سکتا، لفظ بول نہیں سکتا، حرف وجود نہیں پاتا اور جذبہ بے غمور ہوتا ہے۔ یہاں تو آرزو کو بھی ہادو ہونا پڑتا ہے۔ تب تحریر میں تاثیر کی خوش بو نکھرتی ہے جو دلوں کو اپنی جاگیر بناتی چلی جاتی ہے اور لاریب دل سے بڑی جائیداد اور کوئی نہیں... تو کیا میں نے غلط کہا کہ دولت صرف علم ہی ہے...؟ ہمارے خاندان میں ایک روایت اسلاف سے چلی آرہی ہے۔ باپ اپنے بیٹے/ بیٹی کو وراثت میں ایک حنفی ضرور دیتا ہے جسے وہ اپنے رہائشی مکان میں آویزاں رکھتا ہے۔ اس پر باب مدیۃ العلم کے اشعار جگمگا رہے ہوتے ہیں، جنہیں اس نے نظریہ حیات بنانا ہوتا ہے۔

رضینا قسمة الجبار لینا لنا علم و للجهال مال

فإن المال فان عنقریباً وإن العلم باق لا یزال

ہم اپنے رب کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم عطا کیا اور

جاہلوں کو مال... بے شک مال عنقریب فنا ہو جانے والا ہے اور علم ہمیشہ

باقی رہنے والا اور لازوال ہے...!

اس وقت میں اپنے اسٹڈی روم میں عین اسی روشن حنفی کے زیر سایہ بیٹھا آپ کی ان گراں بہا کاوشوں کی تحسین کر رہا ہوں جن کے ذریعے آپ دین و دنیا کی کامرانیاں سمیٹ رہے ہیں... ”نعت رنگ“ جس منفرد اور ممتاز انداز میں محبوب ﷺ خدا و کائنات سے نسبتوں اور وابستگیوں کو قرینہ اظہار دے رہا ہے یہ اسی کا ثمر شیریں ہے کہ بہت کم عرصہ میں معیار اور وقار کی سر بلندیاں ”نعت رنگ“ کی جبین پر نور سحر کی طرح جگمگانے لگی ہیں۔ عشق سچا ہو تو پیشانیاں فجر کے سہانے

اجر کی طرح روشن شادمانوں سے جگمگا اُٹھتی ہیں۔ زیرِ نظر شمارہ میں احمد صغیر صدیقی صاحب کی حمد... رب رحیم و کریم سے بندگی کی والہانہ وابستگی کا نکھار بانٹ رہی ہے۔ سوچوں سے ماورا کو سوچتا... بے تشبیہ و بے مثال کے جمال کو سورج، دیے اور اُجالے کے حوالے میں سوچنا پھولوں اور تلیوں اور رنگوں میں خالق کی دستِ قدرت کی تلاش... یہ سب بے کراں محبتوں کے اظہارِ بے ہیں مگر وہ تو وسعتوں کی بیکراہوں کا بھی خالق ہے سولف و بیاں اپنی بے مائیگی اور فکر و فن اپنے عجز کے اظہار میں سچے ہی تو ہیں... اس کے باوصف وہ ہم سے دُور نہیں... ہم بے عمل بے مایہ لوگ ہی اس سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں... صدیقی صاحب کی یہ عقیدتیں ہمارے فکر و خیال میں سچے جمال کی جستجو کی آرزو جگا رہی ہیں...

آپ کا ابتدائی دراصل شمارہ کا آئینہ ہے جس میں مشمولات کے عکس ایک جھلک دکھا کر ذوقِ مطالعہ کو نکھارتے ہیں... علامہ ابنِ رشد کی حیاتِ مستعار میں فقط دو راتیں بغیر مطالعہ کے بسر ہوئیں ایک سہاگ رات اور دوسری والدہ محترمہ کی موت والی شبِ تاریک... میں سوچتا ہوں ہم اپنے راستوں کے روشن چراغوں سے استفادہ کرنے کی خو ڈال لیں تو زندگی تا بندگی سے زیادہ دُور نہ رہ جائے اور پھر جب مطالعہ کو ”نعت رنگ“ جیسا وقیع سرمایہ ہمارے پاس موجود ہو... جس میں ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی جیسی بے مثال علمی شخصیت منور ماضی کی روشنی ہماری بے چراغ راہوں میں بکھیر رہی ہے... وہ دور جس کے سہانے طور میں ہمارے بزرگوں کے گمروں کے آنکھوں میں عشقِ نبی ﷺ کی شمعیں فروزاں تھیں جو بصارتوں کو بصیرتیں اور دلوں کو صادق عقیدتیں عطا کر دیتی تھیں... دل بھی تو گھر ہوتے ہیں... آج ڈاکٹر کشفی کی پُر تنویر تحریر ہمارے دلوں کی بستیوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی قلبی تاثیر تقسیم کر رہی ہے تو یہ اپنے اپنے ظرف اور نصیب کی بات ہے کہ کتنی روشنی ملتی ہے۔ ظرف اور نصیب تو عشق کی عطائیں ہیں!

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرناٹی نے ”نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری“ کے زیرِ عنوان بہت پُر اثر اور حقیقت پسندانہ نقطہ نظر پیش کیا ہے... ان دلوں کئی لوگ یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ نعت میں حضور اکرم ﷺ کے کردار و عمل اور نظامِ فکر کی بات کی جائے نہ کہ آپ ﷺ کے سراپا مبارک کی... مجھے اس پر ہمیشہ دُکھ ہوا... میں سمجھتا ہوں جب تک سرکارِ ﷺ کی ذات والا صفات سے عشق نہیں ہوگا، آپ کا سراپا مبارک سر تا پا محبوب نہیں ہوگا... آپ ﷺ کی تعلیمات پر کما حقہ عمل ممکن نہیں۔ کیوں کہ سچا عمل اور جان دار اور پائیدار کردار ہمیشہ عشق ہی کی عطا ہوا کرتی

ہے اور عشق میں محبوب ﷺ کی ذات پہلے آتی ہے صفات بعد میں یا ساتھ میں... اور پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ نبی کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا ہے... ہا ایہا العزمل... کہیں آپ ﷺ کی زلفوں کا تذکرہ کہیں آپ کی خوب روٹکا ہوں اور روشن چہرے کا ذکر... اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی صفات و کردار کا بھی تذکرہ... گویا ذات و صفات دونوں کا ذکر احسن ہے... قرآن عظیم سے سلیقہ نعت گوئی سیکھنے والے علامہ احمد رضا خاں بریلویؒ کے دیے گئے اشعار کا حوالہ میرے موقف کی بھرپور تائید کرتا ہے۔ راجا رشید محمود نعت گوئی اور فروغ نعت کی سعید سرگرمیوں میں بے حد اہم نام ہیں۔ انھوں نے بھی ”منظوم سراپائے حضور ﷺ“ میں دلائل و براہین کے ذریعے بقول ربیع امر وہوی ”جمال مصطفیٰ ﷺ میرا عقیدہ“ کا علم اس شان دار انداز میں لہرایا ہے کہ اہل عشق کے لیے زندگی کی کڑی دھوپ میں سائباں میسر آگیا ہے... مجھے کہنا فقط اتنا ہے کہ عشق تذکرہ جمال یار سے سرشار ہوتا ہے اور عشق ہی عمل کی واحد کلید ہے۔ یوں نہ ہوتا تو دانائے راز ”عشق پر اعمال کی بنیاد“ رکھنے کی تلقین نہ کرتے۔ کامرانوں کی تاریخ میں فقط اہل عشق ہی کی جولانوں کی جی کہانیاں رقم ہیں۔ سو میں سمجھتا ہوں کردار و عمل کی استواری اور پائیداری عشق کی کامگاری اور سرشاری کے بغیر ممکن ہی نہیں اور عشق حسن صورت سے وابستہ ہو کر حسن سیرت پر فدا ہوتا ہے یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ سرکار ﷺ کے سراپا مبارک کا بیان اور سیرت طیبہ کی تحسین و تکریم دونوں اطاعت رسول ﷺ نعت گوئی کے لیے ضروری ہیں۔ دراصل نعت گوئی در حبیب ﷺ پر چلوں سے دستک دینے کا عمل ہے۔

محترم خالد شفیق کی زندگی عشق رسول ﷺ کی تابندگی سے منور ہے۔ میں جن عشق افروز لحوں کی تمنا میں جیتا ہوں خالد شفیق ایک عرصے سے ان بشارتوں کی رفاقتوں میں جی رہے ہیں۔ ”شام و سحر“ کے نعت نمبروں سے لے کر ”حمایت اسلام“ کے ہر شمارے میں عشق محبوب ﷺ سے سرشار ان کی مسامی بے حد قابلِ تکریم رہی ہیں۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے عشق صادق کی سرشاری کو بادِ بہاری بنا دیا... اور آپ بھی کہ آپ نے عشق کی ساعتِ سعید کو قابلِ دید بنا دیا!!!

پروفیسر قیصر نجفی۔ کراچی

”نعت رنگ“ (نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ) کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے،

بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور شاید بہت کچھ لکھا جائے گا۔ مگر ہر تحریر میں ایک یہ بات مشترک ہے اور رہے گی کہ ”نعت رنگ“ کی ہر اشاعت کو تائید ایزدی حاصل ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ کتاب یا رسالے کے حوالے سے آج قاری کا جو طرز عمل ہے، وہ بے حد حوصلہ شکن ہے۔ علمی و ادبی رسائل و جرائد کا تو ذکر چھوڑیے، ڈائجسٹوں تک کے مدیران حضرات چراغِ زربخ زبا لیے کو بہ کو مصروف تلاش ہیں، مگر قاری کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ (اس مایوس کن صورت حال کا کون ذمہ دار ہے، اس سوال کا شافی جواب شاید ہی کبھی ملے) نتیجتاً ایسے ایسے علمی و ادبی رسائل و جرائد، جن کے معیار و مرتبہ کی بلندی دیکھ کر بزبانِ محاورہ صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ”اللہ دے اور بندہ لے“ یا تو طبعی عمر پوری کرنے سے پہلے مر گئے ہیں یا مر مر کے جیسے جانے پر مجبور ہیں۔ اس حوالے سے ہم صرف چار ادبی جریدوں کی مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ”نقوش“ لاہور کسی زمانے میں علمی و ادبی رسالوں کی قلم رو کا بے تاج بادشاہ تصور ہوتا ہے۔ کسی ادیب یا شاعر کے لیے اس میں چھپنا ایک اعزاز تھا۔ قارئین اس کی ہر اشاعت کا بے چینی سے انتظار کرتے ہیں۔ ادیبوں اور شاعروں کی ایک بڑی تعداد اس کے حلقہٴ رفاقت میں تھی۔ بک اسٹالوں پر آتا Like Hot Cake بک جاتا۔ لیکن آج وہی رسالہ ہے کہ نسلِ نو جس کے نام سے بھی شاید واقف نہیں ہے۔ کیوں کہ اب وہ Once in a blue moon کے مصداق برسوں بعد اشاعت پذیر ہوتا ہے۔ گویا مر مر کے جیسے جانے پر مجبور ہے۔ ”فنون“ لاہور کی ادبی اہمیت محتاجِ بیان نہیں ہے۔ اس رسالے میں چھپنا بھی ادیب و شاعر کو سند معیار مل جانے کے مترادف ہے۔ ”فنون“ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ اس نے تخلیق کاروں کے ایک وسیع حلقے کو متعارف کرایا ہے۔ ان میں سے بعض نے اپنے نام اور کام کے حوالے سے اتنی اہمیت حاصل کر لی ہے کہ ان کے ذکر کے بغیر تاریخِ ادبِ اردو مکمل تصور نہیں ہو سکتی۔ ایک طویل عرصے سے ”فنون“ کی اشاعت میں بھی، وہ تسلسل و ترادف نہیں ہے جو کبھی اس کا طرہٴ امتیاز تھا۔ سال بھر میں ایک آدھ شمارہ شائع ہوتا ہے، مگر کس مشکل سے، یہ جاننے کی شاید ہی کسی نے ضرورت محسوس کی ہو۔ ”سیپ“ کراچی ”ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے“ کی منزل پر ہے۔ حالاں کہ ایک زمانے میں اس ادبی جریدے کی ہر طرف دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور اس میں چھپنے والا حرف موقر تسلیم کیا جاتا تھا۔ افسوس کہ بوجہ کوئی شمارہ منظرِ عام پر آتا بھی ہے تو اتنی خاموشی سے کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہیں ہوتی۔ ”اوراق“ لاہور کا شمار بھی موقر ادبی رسائل

میں ہوتا ہے۔ دو سال قبل ایک طویل قفل کے بعد بار دیگر اشاعت پذیر ہوا، مگر تاحال صرف دو شمارے شائع ہو سکے ہیں۔ دیکھیے تیسرا شمارہ کب اشاعت پذیر ہوتا ہے... اس احوال واقعی کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ”نعت رنگ“ اپنے رفیع الشان علمی، ادبی اور مذہبی مقاصد کے سبب آئے دن توانا سے توانا تر ہوتا ہے چلا جا رہا ہے، یقیناً یہ سب تائید ایزدی کے بغیر ناممکن ہے۔ ہماری دعا ہے کہ رب العالمین ”نعت رنگ“ کو نظر بد سے بچائے۔

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ نعتیہ ادب کے حوالے سے معیاری تحاریر و منظومات کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے نظر نواز ہوا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ پہلے ہی صفحے نے دامن دل کھینچ لیا ہے اور یہ کرشمہ احمد صغیر صدیقی کی نہایت خوب صورت حمد نے دکھایا ہے۔ حمد، نعت اور غزل، یہ ایسی تین اصناف سخن ہیں، جن پر صدیوں سے طبع آزمائی ہو رہی ہے اور ہمارے خیال میں زبان و بیان اور فکر و خیال کا شاید ہی ایسا کوئی زاویہ ہوگا، جو شعرائے ماضی یا معاصر سخن وروں سے رہ گیا ہو۔ بنا بریں ان اصناف میں جب کہیں اسلوب بیان یا فکر و فن کے حوالے سے تازہ کاری کا احساس ہوتا ہے تو دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے۔ بلاشبہ احمد صغیر صدیقی کی حمد جذبہ، خیال اور ڈکشن کا یکسر نیا رنگ و آہنگ لیے ہوئے ہے۔ جس کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد ابوالخیر کشفی کا مضمون ”نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں ماضی کا سفر“ ہماری معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی اور سب سے بڑھ کر برصغیر کے مسلم گھرانوں کے مذہبی نفسیات اور ان کے مجلسی آداب کی ایک تاریخی دستاویز ہے۔ یہ مختصر سا مضمون مسلم خواتین کے اس فکری اخلاص و سپردگی پر بھی روشنی ڈالتا ہے، جو نعت خوانی کے تعلق سے ان کی فطرت ثانی کا درجہ رکھتا ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید کا قلم حسبِ رسول مقبول ﷺ کے نور سے کس حد تک مستیز و منور ہے، مضمون بعنوان ”ظہورِ قدسی: پس منظر... اردو نعت کے آئینے میں“ کو چنانہ بنا کر اس حد کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ ہم شعر کی طرح نثر میں بھی آمد کے قائل ہیں، پروفیسر صاحب کی تحریروں میں الہامی کیفیات کا احساس ہوتا ہے۔ تحقیق ہو یا تنقید، تاریخ ہو یا فلسفہ، حدیث ہو یا قرآن، منقولات ہوں یا معقولات، عمرانیات ہو یا اخلاقیات، معاشرت ہو یا نفسیات، وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں لگتا ہے ان کے قلم میں پر جبریل کی قوت و توانائی در آئی ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کو بھی ہم عارفانِ نعت میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا مضمون ”کاروانِ نعت کا شوق منزل آشنائی“ دریا کو کوزے میں بند کرنے کی ایک نادر مثال ہے۔ نعت کی تعریف، تاریخ، فروغ،

رجحانات اور تقاضوں کے تناظر میں انھوں نے جن منزلوں کی نشان دہی کی ہے، وہ ان کی بصارت و بصیرت کے ساتھ ساتھ وسعت مطالعہ، تحقیقی ورک، تنقیدی فہم اور نعتیہ ادب پر مکمل دسترس کی دلالت کرتی ہیں۔ ڈاکٹر سید یحییٰ فہیم "نعت رنگ" کے قلم کاروں کی کہکشاں کے ایک نہایت تابندہ ستارے ہیں۔ نظر ہو یا نثر، ان کی جگہ گاہٹ میں کہیں فرق نہیں آتا۔ فہیم صاحب نے ایک اہم مگر نہایت نازک موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ہر چند حضور ﷺ کا نور ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ تاہم کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جو خود ساختہ تاویلوں کی بنا پر آنحضرت ﷺ کو سراپا نور تسلیم کرنے میں متذبذب دکھائی دیتے ہیں۔ سرکار ﷺ کی ذات و شخصیت کے اس اساسی پہلو پر ایک دقیق تحریر کی ضرورت تھی، فہیم صاحب نے اس ضرورت کو بحسن و خوبی پورا کر دیا ہے۔ بادی النظر میں "اردو میں نورناموں کی روایت" ایک خالصتاً تحقیقی مضمون ہے، مگر فہیم صاحب نے اسے ایک ایسا آئینہ بنا دیا ہے، جس میں اردو نعت کے کم و بیش ہر دور کے اسلوب کا عکس نظر آتا ہے۔ ہمارے خیال میں نورناموں کی روایت جس بلند سطح کی تحقیق و تدقیق کی متقاضی تھی، فہیم صاحب نے اس کا ایک عمدہ نمونہ پیش کر دیا ہے۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی ٹکڑ، تعقیق نظر اور تحقیقی شعور کی بدولت ہمیشہ اپنے معاصرین میں ممتاز و متمیز رہے ہیں۔ وہ جب بھی کسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں، اس کے نئے نئے گوشے سامنے لاتے ہیں۔ نظم ہو یا نثر، تجسس و جستجو ان کا اساسی فنی رویہ ہے۔ ان کا مضمون "نعت میں سراپا نگاری سیرت نگاری" ایک ایسے نقطہ نظر کی وضاحت کرتا ہے، جس کی آڑ میں رسول خدا ﷺ کی شکل و شمائل کے بیان میں غیر ضروری احتیاط برتنے پر زور دیا جاتا ہے۔ فی زمانہ نعت میں سراپا نگاری کی حوصلہ شکنی کا رجحان پرورش پانے لگا ہے۔ اس ضمن میں ہم عاصی صاحب کے ان جملوں کو بے حد اہم سمجھتے ہیں۔

"قارئین کرام! ہماری نعت کی اساس اور تمام سرمایہ احساس و اظہار یہی ہے۔ یعنی حضور ﷺ کے جمال صورت اور جمال سیرت کا ذکر و بیاں۔ باقی تمام متعلقات اسی آئینہ جمال کے مظاہر ہیں۔"

راجا رشید محمود اور نعتیہ ادب لازم و ملزوم ہیں۔ اردو نعت کے فروغ کے حوالے سے ان کی خدمات لائق ستائش ہیں۔ راجا صاحب نے اپنے مضمون "منظوم سراپائے حضور ﷺ" کو ایسے ابیات سے مزین کیا ہے، جن میں سے بعض ابیات سرکار ﷺ کے سراپا کی حقیقی جھلک دکھائے ہیں، جب کہ بعض میں چشم تخیل کی کارفرمائی ہے۔ منصور ملتانی کا مضمون "اردو میں منظوم

سیرت نگاری... ایک جائزہ“ ایک قابلِ قدر تحقیقی کاوش ہے، جو نعتیہ ادب سے ان کی کٹ منٹ کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کا مضمون ”نعت اور نقدِ نعت... چند گزارشات“ نعت نگاری کے رہنما اصولوں سے متعارف کرانا ہے اور نعت میں زبان و بیان کی احتیاط کا شعور بیدار کرنا ہے۔ پروفیسر افضل احمد انور کا مضمون ”تنقیدِ نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں“ ان کی وسعتِ مطالعہ کا مظہر ہے۔ انھوں نے تنقیدِ نعت کو ایک مثبت رجحان قرار دیا ہے اور موانعِ نعت کی نہایت مناسب و موزوں مثالوں کے ذریعے نشان دہی کی ہے۔ پروفیسر محمد فیروز شاہ کا مضمون ”میانوالی میں نعت نگاری“ ایک دور افتادہ علاقے میں نعت گوئی کے سفر کا ایک جائزہ پیش کرتا ہے۔ شاہ صاحب کے شاعرانہ طرزِ بیان نے جائزے کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی کا نام بیک وقت تبحرِ علمی، فنی فراست، تنقیدی دانش، اصابتِ رائے اور صلابتِ فکر کا استعارہ ہے۔ انھوں نے رسالہ ”شام و سحر“ کے نعت نمبروں کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ نہایت دقتِ نظر سے رقم کیا ہے۔ یہ ایک بڑا علمی و ادبی کام تھا، جسے رضوی صاحب جیسا فاضل اجل ہی انجام دے سکتا تھا۔ ان کا یہ جائزہ اختصار میں جامعیت کی بھی ایک منفرد مثال ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی کا دوسرا مضمون فکر و نظر کی ہمہ جہتی کا مظہر ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے ڈاکٹر عاصی کرنالی کے اس تحقیقی مقالے کا تعارف و تجزیہ پیش کیا ہے، جو عاصی صاحب نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں لکھا۔ رضوی صاحب کے تحریر کردہ تعارف و تجزیہ کے مطالعے کے دوران ہمیں دو باتوں کا شدت سے احساس ہوا ہے۔ ایک یہ کہ انھوں نے مقالے کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، دوسرے یہ کہ مقالے کے حسن و قبح پر خلوص نیت سے نگاہ ڈالی گئی ہے۔ بتائیں رضوی صاحب نے نہ تو محاسن کے بیان میں بخل کا مظاہرہ کیا ہے اور نہ ہی خامیوں کی نشان دہی میں مصلحت کوشی سے کام لیا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے جہاں کہیں بھی گرفت کی ہے، اس کا جواز بھی فراہم کر دیا ہے۔ ان کے فکری اخلاص کا اندازہ درج ذیل اختتامی جملوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

میں نے بعض امور پر اپنی رائے دی ہے۔ اس سے تنقید کا حق ادا ہوا

ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ تحقیق کا سلسلہ جاری رہے۔ آئندہ کے محقق ان

باتوں کو پیشِ نظر رکھیں، جن سے تاحال صرف نظر کیا جاتا رہا ہے۔ یہ

تنقید جناب عاصی سے محاصرت میں نہیں، تائید میں ہے۔

ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر نے راجا رشید محمود کے مجموعہ نعت ”دیار نعت“ کا ایک مطالعاتی جائزہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے بجا طور پر راجا صاحب کے محولہ اشعار کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ چنانچہ نعتیہ مجموعوں کے خالق کے یہاں اگر شعر کا یہ معیار ہے تو پھر مبتدیوں کو دوش دینا زیادتی ہے۔ اس توقع پر ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمان

عزیز احسن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ ”نعت رنگ“ کے ساتھ بحیثیت مہمرباہستہ ہیں۔ ”نعت رنگ“ کے ادارے کو موصول ہونے والی کتب و رسائل پر ان کے لکھے ہوئے تبصرے ”نعت رنگ“ کا ایک Salient Feature بن چکے ہیں۔ ہم یہ کہنے میں تامل نہیں ہیں کہ ان کے تبصرے متوازن اظہار رائے کی قابل رشک مثالیں ہیں۔ عزیز صاحب مواد و متن کے پیش نظر خیال آرائی کرتے ہیں اور کسی بھی صورت میں لاگ یا لگاوت کو دور آنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ ان کے قلم میں ریاضت فن کی جو روشنی ہے، اس کی نظیر کم کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی ایک کہنہ مشق قلم کار ہیں۔ تحقیق، تنقید، تخلیق، ہر شعبے میں وہ اپنے قلم کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ ”اردو کا سہانہ محمد مصطفیٰ“ میں انھوں نے تحقیق و تدقیق کا ایک دل آویز مظاہرہ کیا ہے۔ ہمارے خیال میں مرزا غالب کے شاگرد رشید سید میر مہدی مجروح کی نعت نگاری کا ایک مطالعاتی جائزہ پیش کر کے انھوں نے نعتیہ ادب میں اضافہ کیا ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید کا مضمون ”خالد شفیق اور ان کی نعت گوئی“ حسن بیان کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ صنف غزل کی تفہیم کراتے ہوئے انھوں نے زبان و بیان کے جو کرشمے دکھائے ہیں، ملاحظہ ہوں:

غزل ایک جانب دار صنفِ سخن ہے۔ ایمائیت اس کی خصوصیت ہے۔ یہ حیات و کائنات کو نوک مژہ پر تولنے اور سمندر کو قطرے میں سمیٹنے کا عمل ہے۔ تغزل شعر کے اس تاثراتی انداز کو کہتے ہیں، جو قاری کے ذہن کو قائل اور دل کو گھائل کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی سے بات تیز نیم کش بنتی ہے۔

پروفیسر صاحب نے خالد شفیق کی نعت گوئی ایک جیلے میں سمیٹ کر اپنے تنقیدی شعور کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے:

میں بنیادی طور پر تمنا اور انتظار ہی کو خالد شفیق کی نعت گوئی کا حسن سمجھتا ہوں۔

منکومات میں شان الحق حق، محسن نقوی، محسن احسان، قمر جمالی کی نعتیں اور صہبا اختر کی نظم اثر انگیز اور ایمان افروز ہیں۔

ہماری شامل اشاعت نعت کا ایک شعر غلط کیوں ہو گیا ہے۔ درست شعریوں ہے:

خدا شناسی بھی بے فائدہ ہے اس کی کہ جو

خدا کے بعد محمد ﷺ سے آشنا نہ ہوا

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

رشید ارشد۔ سیالکوٹ

”نعت رنگ“ ۱۵، نظر لواز ہوا۔ حضرت مولانا کوکب نورانی صاحب کا طویل مکتوب

دلچسپی سے پڑھا۔ اس کے بعد گزشتہ شمارے کے ان مضامین کو بھی ایک نظر دیکھا، جن پر انھوں نے نقد کیا ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جس طرح عہد حاضر کے ادبا اور شعرا کی اکثریت شرعی امور کی نزاکتوں سے آگاہ نہیں ہے اسی طرح علمائے کرام کی اکثریت بھی شعری تیوروں سے ناواقف ہے۔ حالاں کہ بقول غالب:

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو

بہتی نہیں ہے باد و ساغر کے بغیر

ضروری بات یہ ہے کہ نعت کاروں اور نعت گوؤں کو شرعی امور میں قلم اٹھانے سے

پہلے علمائے کرام سے مشورہ کر لینا چاہیے تاکہ کہیں قلم کی ادبی اور شعری اڑائیں بے لگام نہ ہو جائیں اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ رہ گئی بات علمائے واجب الاحترام کی تو وہ شاید تفہیم کی ایمانیت اور شعری نثریت کی داد نہ دے سکیں۔

مولانا کوکب نورانی صاحب کا ہدف تنقید تو بہت سے مضامین ہیں مگر میں اپنی گفتگو کو

صرف پروفیسر محمد اقبال جاوید کے مضامین تک محدود رکھوں گا۔ ورنہ بات بہت طویل ہو جائے گی۔

۱۔ اگر پروفیسر محمد اقبال جاوید نے لکھ دیا کہ ”محمد ﷺ کے اسم گرامی قدر (مراد نعت نگاری

ہے) کی بدولت اقبال نے غزل کو نئی جہتیں اور نئے جہان بخش کر کعبہ آثار اور عرفات

اساس بنا دیا۔“ تو کیا غلطی کی؟ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ صنف غزل باد صو ہو کر نعت بنی

اور اسے تقدیس ملا۔ غزل کے لفظ سے بدلنے کی کیا ضرورت ہے۔ پرانے بزرگ تو نعت

بھی غزل ہی کے عنوان سے لکھا کرتے تھے۔

۲۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر آٹھ برس تھی۔ حضرت عبدالمطلب (ہر احترام کے باوجود) کب ایمان لائے تھے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا اضافہ لازم ہو گیا؟

۳۔ اللہ و محمد ﷺ دو غیر منقوط لفظ ہیں۔ غیر منقوط الفاظ ہوا کرتے ہیں شخصیتیں نہیں۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے قمر جلالوی کا جو شعر دیا ہے وہاں واضح ہے کہ نہ اللہ کے نام پر کوئی نقطہ ہے، نہ محمد ﷺ کے نام پر۔

۴۔ یہ جملہ ”اسم محمد ﷺ ایک ایسی سیرت ہے کہ جس سے ہدایت و بصیرت کے قدیم چراغ بجھ گئے اور جس کا طلوع ہر غروب سے نا آشنا ہے۔“ کسی طرح قابل اعتراض ہے؟ مولانا کو تو اس خوب صورت جملے کی داد دینا چاہیے تھی کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے تمام قدیم ادیان و صحائف منسوخ ہو کر رہ گئے۔ تمام دیے بجھ گئے اور یہی چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روشن ہو گیا۔ مولانا فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ سے قدیم چراغوں نے ضیا پائی۔ وہ بھول رہے ہیں کہ ایک عظیم صحابی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں تورات کے اوراق دیکھ کر نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا، ”ابعد القرآن؟“... اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ دو شعر ملاحظہ ہوں اگر مولانا کا ذوق شعر نہی اور سخن شناسی انھیں پسند فرمائے:

دنیا کی محفلوں کے دیے سارے بجھ گئے
روشن جب ان کی بزم کی قدیل ہو گئی
(ظفر علی خاں)
تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تجھا تیرا
(احمد ندیم قاسمی)

۵۔ پروفیسر موصوف کے بعض ادبی جملوں میں الجھاد ضرور ہے۔ قلم میں روا روی کی کیفیت بھی ہے مگر تضاد نہیں ہے۔ بہر کیف انھیں اپنے قلم کو آہستہ خرامی سکھانی چاہیے کہ تیز روی سے ٹھوکر لگنے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔ خود مولانا کو بھی روانی تحریر میں محتاط رہنا چاہیے کہ وہ

”نعت رنگ“ کے گزشتہ شمارے میں جس انداز سے اکابر دیوبند کی تحقیر کر چکے ہیں وہ کسی نوع سے بھی انصاف نہیں ہے۔ اکابرین دیوبند کے لیے ان کا انداز مخاطب ایک عالم کی شان کے مطابق نہیں ہے۔ مولانا پروفیسر اقبال جاوید کے کسی جگہ لکھے گئے۔ اس اقتباس کی روشنی میں اکابر دیوبند کو رگید رہے ہیں اور انھیں ایک عام گنہگار انسان کی سطح سے بھی نیچے گرا رہے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ آپ کے خلفائے کرام میں ایسی نادر شخصیات موجود ہیں جن کی محراب عظمت میں تاریخ دعوت و عزیمت جھکتی اور جن کے حضور میں صفت قلب و نظر دوزانو نظر آتی ہے۔“ (معاذ اللہ) قوسین کے الفاظ مولانا کے ہیں۔

مولانا اپنے گروہی تعصب کے پیش نظر اللہ پاک سے اس فرمان کو بھی پیش نظر نہیں رکھتے جس میں حکم ہے کہ ”لا تمسوا الزین بدعون من دون اللہ... الخ“ اور ”ولا تنازعوا بالالفاظ بنس الاسم الفسوق بعد الايمان“...

اللہ پاک نے تو فرعون جیسے معاند سے بھی بات کرنے کا انداز سکھاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ”قولوا لہ قولاً لیناً“ اور جب فرعون کو جہنم رسید کیا جائے گا تو وہاں انداز مخاطب یوں ہے ”ذوق الک انت العزیز الکرم“... مولانا صاحب علم ہیں۔ اپنے انداز مخاطب کے متعلق وہ خود فیصلہ فرمائیں:

ع انصاف کچھ پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

۶۔ گزشتہ شمارے میں مولانا نے افراد و اعمال سے استعانت اور استمداد کے جواز میں کئی حوالے دیے ہیں اور ہدف تنقید پروفیسر موصوف کا کوئی جملہ ہے جس میں انھوں نے کسی نعت کو ”سبز گنبد کی عطا“ لکھ دیا ہے۔ مولانا کو اعتراض ہے کہ ”مکین سبز گنبد کہنے میں زبان و بیان کا کون سا قانون مانع ہے“ بات پھر خن جنہی کی ہے ”سبز گنبد کی عطا“ مجاز مرسل ہے جس سے مراد ہی ذات اقدس ﷺ ہے جو مکین سبز گنبد ہے۔ لہذا ”سبز گنبد کی

عطا“ لکھنے سے استعانت و استمداد کی نفی کیسے ہوئی؟

۷۔ سید محمد ابوالخیر کشنی کے جن اشعار پر مولانا کو شدید اعتراض ہے وہ اسم محمد ﷺ سے متعلق ہیں:

حضرت سید اکبرؑ کی وفا کا نغمہ
آج دنیا کو سنا لوں تو ترا نام لکھوں
صاحبِ عدل کہ فاروقؓ بنایا حق نے
ان کو الفاظ میں ڈھالوں تو حیرا نام لکھوں
جامعِ حرفِ الہی پہ درود اور سلام
اپنے آنسو کو سنبھالوں تو حیرا نام لکھوں
خواجہ وسعتِ افلاک و زمین تجھ پہ سلام
حیری لودل میں بڑھالوں تو حیرا نام لکھوں

ان خوب صورت اشعار میں اگر کشنی صاحبِ نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی لینے سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قلبی محبت کے آرزو مند ہیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟

۸۔ مولانا کو ”زبان صدق اظہار“ کی ترکیب بھی کھٹک رہی ہے۔ حالاں کہ پروفیسر موصوف نے اس ترکیب کی صورت میں اردو ادب کو بیان کا ایک خوب صورت انداز دیا ہے۔ پروف ریڈنگ کی کسی غلطی کو صاحبِ مضمون کے نام لگانا علمی دیانت و میانت کے خلاف ہے۔ ۹۔ ”محمد ﷺ ہی ایک ایسا لفظ ہے جس کے فیض نے اللہ، ملائکہ اور بندوں کو ہم زبان کر رکھا ہے کہ تینوں اس مبارک نام پر درود و سلام بھیجنے میں پیہم مصروف ہیں۔ ورنہ تینوں کے اپنے اپنے مقام اور اپنے اپنے مدارج ہیں۔ گویا یہی وہ حسن مجسم ہے جس کے انوار پر:

ع ہے شمع بھی پروانہ، پروانے کو کیا کہیے

اس پر مولانا کو اعتراض ہے کہ فیض کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے لکھا گیا ہے اور شمع کا لفظ کس کے لیے ثابت ہو رہا ہے؟ بات تو واضح ہے کہ یہ اسم محمد ﷺ کا فیض ہے کہ اس نے بندوں اور ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کا ہم زبان بنا دیا ہے۔ بمصداق ان اللہ و ملائکتہ... الخ رہ گئی بات شمع کی تو علامہ اقبال کا یہ شعر بات کو واضح تر کر رہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

تو برنٹے کھپے بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر شمع تپتے صورت پروانہ می آئی

۱۰۔ روئے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں لکھا گیا یہ جملہ بھی انھیں کھلتا ہے، ”جس کی کیفیت کے اظہار کے لیے کوئی سی تشبیہ بھی کام نہیں دیتی کہ مشہ بہ کا مشہ سے برتر ہونا ضروری ہے مگر یہاں ہر مشہ بہ بھی لایا جائے گا وہ آپ ﷺ کے حسن و جمال کے مقابلے میں فروتر ہوگا۔ کیوں کہ آپ ﷺ کا حسن و جمال ہی ہر چیز کے حسن و جمال اور وقار کا سبب ہے۔ سارے حسن آپ کے حسن سے مستعار ہیں اس لیے اگر کوئی شاعر آپ ﷺ کی صفات کو بذریعہ تشبیہ بیان کرنے کے لیے جو مشہ بہ بھی لائے گا وہ یقیناً آپ ﷺ کی صفات کے مقابلے میں فروتر ہوگا:

نخن شناس دلبر اخلا انجاست

آخر میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کے مکتوب کے متعلق بہت سی باتیں ابھی کہنے کی باقی ہیں مگر طوالت کے خوف سے انھیں ترک کرتے ہوئے میں نے اپنے آپ کو پروفیسر موصوف تک محدود رکھا ہے۔ کیوں کہ ”نعت رنگ“ بنیادی طور پر ”نعت رنگ“ ہے مناظرہ اور مجادلہ کا مقام نہیں۔ اس لیے مدیر ”نعت رنگ“ کے لیے ضروری ہے وہ وہی مضمون شائع کریں جو فکر و نظر کے اعتبار سے معتدل اور شرعی اصولوں پر پورے اترتے ہوں۔ بطور مدیر ان کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ کسی مضمون میں سے قابل اعتراض حصے حذف کر دیں۔ اگر ہو سکے تو رسالے کا مسودہ حضرت مولانا کو دکھا لیا کریں اور پھر شائع کریں تاکہ مولانا موصوف کا قیمتی وقت بچ جائے اور مقالہ نما خطوط کی تحریر کی زحمت سے بچ جائیں اور رسالے کا غالب حصہ فرقہ پرستی، مناظراتی کش مکش اور کفر و اسلام کی بحث سے محفوظ رہ سکے۔ قارئین بھی بے مزہ نہ ہوں اور مضمون نگار حضرات کی دل شکنی بھی نہ ہو۔ مدیر کو اپنے فرائض پہچانتے ہوئے پروف ریڈنگ ٹھیک انداز سے کرائی چاہیے تاکہ اس کی غلطیاں بھی مضمون نگاروں کے کھاتے میں نہ ڈالی جاسکیں۔

”نعت رنگ“ کے قارئین میں ہر مکتب فکر کے لوگ موجود ہیں۔ لہذا اسے مناظرہ، مجادلہ اور فرقہ پرستی کی نذر ہونے سے بچانا بھی مدیر کا فرض اولین ہے اور اگر وہ یہ نہیں کر سکتے تو پھر ادارت اور مشاورت کے سارے کام حضرت مولانا کے سپرد فرما کر آپ الگ ہو جائیں تاکہ حق، حق دار تک پہنچ جائے۔

سید ریاض حسین زیدی۔ ساہیوال

”نعت رنگ“ شمارہ ۱۵ (مئی ۲۰۰۳ء) سورنگ کی طرح مہکتا ہوا انگ انگ کو سرشار کرتا گیا۔ میں بلا شرط اس خوب صورت جریدے کی اشاعت پر آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ بلاشبہ:

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدی کے واسطے دار و رسن کہاں

دس عدد و قیع مقالہ جات نے نعت رنگ کے ان گنت چشم کشا پہلو ہمارے سامنے رکھ دیے ہیں۔ بالخصوص پروفیسر محمد اقبال جاوید کا نہایت جان دار مقالہ ”ظہور قدسی“ دلائل و براہین اور حوالہ جات کی دقتوں کی وجہ سے لطف دے گیا۔ ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ معانی سے مالا مال اور ایمانی مواد سے معطر ہے۔ محمد اقبال جاوید کی تحریریں مرصع نظموں کی طرح محفوظ کرتی ہیں... اُن کے ہاں تعصبات اور فتنی موشگافیوں کی بھول بھلیاں نہیں ملتیں۔ وہ اتحاد بین المسلمین کے داعی ہیں اور قرآن و حدیث سے براہ راست استفادہ کرتے ہوئے بے تعصب اور بے لاگ نتائج فکر مرتب کرتے جاتے ہیں۔ لیکن جناب مولانا کوکب نورانی توضیحات میں جیسے کسی مجلس مناظرہ سے خطاب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ لٹھ باز خطبا کی طرح اپنے حریفوں کو چٹھاڑنے، پیس ڈالنے اور انھیں رگید ڈالنے کا عزم بالجزم ہر لمحہ مد نظر رکھتے ہیں۔ وہ صفحہ ۴۰۲ سے نہایت برہم انداز میں حریفوں کو لٹکارتے اور روایتی دلیلوں کے اسلحہ کو چمکاتے اور ”دشمنوں“ کی آنکھوں کو خیرہ کرتے گزرتے جاتے ہیں۔ جو بھی اُن کے مسلک سے ذرا سا ادھر ادھر ہوتا نظر آتا ہے، وہ اُسے اڑتے پرلا کر ایسی مٹنی دیتے ہیں کہ اُس کا منہ ماتھا خاک میں رگڑتا اور حلیہ بگڑتا، چہرہ بد وضع ہوتا اور لہجہ مغموم و ملول ہوتا دیکھ کر اُن کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ وہ کتابوں کے پستارے دائیں بائیں سجاتے ہیں اور روایتی مناظروں کی طرح نشان زدہ صفحات نکال نکال کر مخالفین کا ناطقہ بند کرتے جاتے ہیں۔ صفحہ ۴۰۲ سے صفحہ ۴۷۰ تک ایک ہی سُر اور ایک ہی راگنی الاپتے گئے ہیں لیکن یقین کیجیے، صفحہ ۴۷۰ پر پہنچ کر مجھے حیرت ہوئی کہ مکتوب نگار نے تعصبات کی بھٹی کو خوب دھکانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ میرے پلے چند نفرتوں کے نوکیلے پتھر آئے ہیں جو ملتِ اسلامیہ کے جسد کو جگہ جگہ زخمی کرتے اور زخموں کو کریدتے بلکہ

ادھیڑ تے دکھائی دیے ہیں۔ کاش حضرت والا نعت جیسے صدق دلائل، مومنانہ اور روحانی و وجدانی کیفیات کو دوچند کرنے والے موضوع پر محبت آمیز قلم اٹھایا کریں اور بے جواز دلائل کے انہار در انہار لگا کر اپنے آپ کو کنویں کا مینڈک نہ بنایا کریں۔ الحمد للہ نعتوں کا انتخاب نہایت عمدہ ہے۔ ہر نعت پڑھ کر بے ساختہ سبحان اللہ کا کلمہ منہ سے ادا ہوتا گیا... حافظ یوسف سدید صاحب کا ٹائٹل خطاطی، ماشاء اللہ پرچہ نور علی نور ہو گیا۔

رزاق افسر۔ بھارت

بھگواند بندہ بخیر اُمید کہ آپ اور جملہ اراکین ادارہ بعافیت ہوں گے۔ عرض یہ ہے کہ سہ ماہی ”اسباق“ پونہ تازہ شمارہ بابت جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء میں صفحہ ۲۹ میں نعت ریسرچ سینٹر (رجسٹرڈ) کراچی کے قیام کی خبر پڑھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ ایک مدت کے بعد دین کی دو اہم موضوعات یعنی حمد و نعت کی تحقیق اور اسی سلسلے کے دوسرے اہم امور انجام دینے کے لیے ایک باقاعدہ ادارے کا قیام عمل میں آیا ہے اور کئی ایک منصوبوں پر کام شروع ہو چکا ہے۔ اس احسن پیش رفت پر دلی مبارک باد عرض ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ ادارے کو مزید استحکام اور ٹھوس ترقی عطا کرے اور جس مشن پر کام شروع ہوا ہے۔ جلد سے جلد تکمیل کو پہنچے، آمین۔ اطلاعاً عرض ہے کہ میں بھی اردو شعر ادب سے وابستہ ہوں اور اپنے شہر میں اردو ادب کے فروغ کے لیے مقدور بھر ممکنہ خدمات تقریباً پینتیس سالوں سے کرتا آیا ہوں اسی ناطے ارباب ادب سے رابطے بھی بحال ہوئے۔ پچھلے سترہ سالوں سے پینائی کی غیر معمولی خرابی میں مبتلا ہوں۔ طویل علاج سے کوئی افادہ نہ ہوا لیکن بفضل تعالیٰ فکر و قلم دونوں رواں دواں ہیں۔ تخلیقی عمل جاری ہے۔ ملک اور بیرون ملک سے شائع ہونے والے چھاپیس ادبی رسائل اور پبلیش اخبارات میں اشاعت کے سلسلے بحال ہیں۔ رسائل و اخبارات میں تقریباً ۱۶۰۰ تخلیقات شائع ہو چکے ہیں۔ تین شعری مجموعے (۱) ”آبشار“ فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کے مالی اشتراک سے ۱۹۸۱ء۔ (۲) حمد و نعت اور مناقب پر مشتمل دوسرا شعری مجموعہ ”اعتراف“ سال ۱۹۹۰ء اور (۳) غزلوں پر مشتمل ”شب چراغ“ دونوں کرناٹک اردو اکیڈمی کے مالی اشتراک شائع ہوئے ابھی آٹھ مسودے اشاعت کے منتظر میز پر دھرے ہوئے ہیں۔ اس خط کے ساتھ چند غیر مطبوعہ حمد و نعت کی نقول اور دوسرا شعری مجموعہ ”اعتراف“ دونوں آپ کے نام

میرے ایک عزیز کی معرفت جو دہلی میں مقیم ہیں آپ کے نام بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ ڈاک ملتے ہی جواب سے شاد کام فرمائیں گے۔

حمد، نعت، مناقب، غزل، پابند نظم، آزاد نظم، مختصر نظمیں، مطالعاتی نظمیں، قطعات، جملاتی، مایہ، مرحومین کے نام نوے، جس میں تاریخ گوئی بھی شامل ہے ہر طبع آزمائی کا سلسلہ بحال ہے۔ ماہنامہ ”نقوش“ لاہور کے خصوصی مرحوم محمد طفیل نمبر کی دوسری جلد میں موصوف مرحوم کی رحلت پر لکھی ہوئی نظم آپ دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت شیخ سلطان شہیدؒ کے ہر سالہ عرس میں دو تین منظومات عقیدت لکھتا رہا ہوں اور یہ سلسلہ تقریباً ۲۸ سال سے جاری ہے۔ موصوف شہیدؒ کے نام لاہور اور کراچی سے شائع ہونے والی کتابوں میں تین چار نظمیں شامل ہیں۔ ادارہ بزم اردو میسور کا بانی رکن اور ۳۳ سالوں سے اس ادارے کا مستقل سیکریٹری ہوں۔ اُمید ہے کہ فوری جواب سے شاد کام فرمائیں گے۔ آپ کے ادارے کے کاموں میں ممکنہ قلمی تعاون مجھ سے ہمیشہ ملے گا۔ ان شاء اللہ، اسی سلسلے میں چند ضروری باتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت امیر مینائیؒ اور علامہ منور بدایونیؒ اور مولانا ضیاء القادریؒ۔ احمد رضا خان بریلوی اور احسن مارہروی کے نعتیہ دیوان ضرور حاصل کریں اور آزادی سے بہت پہلے نعت کے دو انتخاب شائع ہوئے تھے۔ جن کا نام مدحہ کلام حصہ اول اور حصہ دوم جن میں کئی نعت گو شعرا اکٹھے ملیں گے۔

۲۔ مرحوم امجد حیدر آبادی کی رباعیات کا دیوان۔

۳۔ شہر بنگلور کرناٹک کے متوطن مرحوم علامہ عبدالحیٰ احقر کا نعتیہ دیوان اور سیرت پر لکھی ہوئی ضخیم کتاب ”جنان المسیر“ جو ۳۲۰۰۰ شعروں پر مشتمل ہے اور پچھلی ایک صدی سے اس کے ایڈیشن ہر تین چار سال میں ایک شائع ہوتا رہتا ہے۔ موصوف مرحوم کی ڈیڑھ سو کتابیں شائع ہوئی جن کا تعلق دین سے ہے۔

۴۔ عربی قصیدہ بردہ شریف مصنفہ حضرت سیدنا شرف الدین امام یومیری متوطن مصر کا اردو مقتع ترجمہ مرحوم محمد حسین عارف جو کشمیر ہائی کورٹ کے جج نے بہت اچھا کیا ہے جو ۱۹۸۶ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، ضرور حاصل کریں۔

جملہ اراکین ادارہ کو سلام و نیاز۔ دعاؤں میں یاد رکھیں، جواب سے شاد کام فرمائیں۔

حافظ عبدالغفار حافظ - کراچی

”نعت رنگ“ کا پندرہواں شمارہ نظر نواز ہوا۔ اس مرتبہ بھی پروف کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ مجھے احساس ہے کہ جو کام ایک ادارہ کو کرنا چاہیے وہ آپ تنہا انجام دے رہے ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ ”نعت رنگ“ کا ہر شمارہ مستقبل کے مؤرخ کے لیے قیمتی حوالہ ثابت ہوگا۔ لہذا اس سلسلے میں کوئی ایسا ٹھوس قدم اٹھائیے کہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں آپ کو بہ حسن و خوبی خدمت لوح و قلم انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محترم مولانا کوکب نورانی صاحب کا خط حسب معمول طویل اور معلومات افزا ہے۔ موصوف جس طرح حقائق کا دفاع کر رہے ہیں وہ لائق تحسین ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جن لوگوں سے جواب نہیں بن پڑتا وہ مسلکی اجارہ داری کا الزام لگا دیتے ہیں۔ معلوم نہیں ان لوگوں کے نزدیک ناموسِ علا کی زیادہ اہمیت ہے یا ناموسِ رسالت ﷺ کی۔ ایک سلجھے ہوئے آدمی کے لیے ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ حقائق تسلیم کر کے اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کرے مگر یہاں معاملہ برعکس ہے اور بیشتر حضرات مخالفت برائے مخالفت پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ بس دعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں حقائق تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

زیر نظر شمارہ کے مندرجات جو تسامحات نظر آتے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کے مضمون میں صفحہ ۳۶ پر ذکی کیفی صاحب کے اشعار میں مصرع ”دامن شرف و نام کی بکھری ہوئی تھی دجیاں“ بحر سے خارج ہے کیوں کہ لفظ ”شرف“ میں ”ز“ متحرک ہوتی ہے جب کہ مصرع میں ”ز“ پرسکون ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب نے اپنے مضمون میں صفحہ نمبر ۹۳ پر صابر براری صاحب کے دو اشعار درج کیے ہیں۔ ان میں پہلے شعر کا پہلا مصرع لفظ ”الم نشرح“ میں ”ح“ ساقط ہونے کی وجہ سے بحر سے خارج ہو گیا ہے۔ اس مضمون میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قطعہ میں دوسرا مصرع غلط کپوز ہو گیا ہے۔ صحیح مصرع یوں ہے، ”من وجھک المنیر لقد نور القمر“ پروفیسر صاحب موصوف نے صفحہ نمبر ۷۵ پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سلام کے اشعار کی تعداد ”قرباً ایک سو ستر“ ہے۔ اسی طرح عاصی کرنالی صاحب نے اپنے

مضمون میں یہ تعداد ۱۶۸ لکھی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس شہرہ آفاق سلام میں پورے ۱۷۱ شعر ہیں۔ (نہ کم نہ زیادہ) صفحہ نمبر ۸۰ پر ضیاء القادری مرحوم کے تیسرے شعر کا پہلا مصرع بھی غلط کیوز ہوا ہے۔

صفحہ نمبر ۱۷۷ پر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے طیب حاذق کی طرح صحیح فہمی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو تجویز پیش ہے کہ وہ قابل قدر ہے۔

پروفیسر شفقت رضوی صاحب نے رسالہ ”شام و سحر“ کے نعت نمبروں کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ ان کے مضمون میں صفحہ ۲۸۳ پر علامہ اقبال کے شعر کا دوسرا مصرع غلط ہے۔ اصل مصرع یوں ہے، ”بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا“

صفحہ نمبر ۳۶۹ پر صہبا اختر صاحب کی نعتیہ نظم ہے۔ اس کے پانچویں بند کے دوسرے مصرعے میں انہوں نے ”المزل“ اور ”المدثر“ کو غلط طور پر باندھا ہے۔ المزل میں ”ز“ پر اور المدثر میں ”ذ“ پر تشدید ہونی چاہیے۔

صفحہ ۳۷۵ پر سید محمد طلحہ برق صاحب کے نعت میں ساتویں شعر کا دوسرا مصرع ہے، ”تمہاری ماضی و ناظری جب کہ عطائی ہے“۔ لفظ ”کہ“ تقطیع میں ایک حرفی شمار ہوتا ہے۔ مگر یہاں دو حرفی استعمال ہونے کی وجہ سے مصرع بحر سے خارج ہو گیا ہے۔

صفحہ ۳۷۶ پر سید شمیم احمد گوہر صاحب کی نعت ہے۔ اس کے پانچویں شعر کا دوسرا مصرع ہے ”قرآن کو دیکھا گویا ہے دیدار آپ کا“ یہاں ”دیکھا“ کی جگہ ”دیکھنا“ چاہیے تھا۔ صفحہ ۳۷۸ پر سید ریاض حسین زیدی صاحب کا کلام ہے۔ اس میں دوسرا شعر ہے:

لگاؤ دل سے دیکھو راہ ان کی
حس ہے یہ خدا کی رہ گزر ہے

یہاں ”خدا کی رہ گزر“ والی بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس نعت کے چوتھے شعر کا دوسرا مصرع ہے ”مری کعبوں کے کعبہ پر نظر ہے“۔ یہاں کعبہ کی جمع کا استعمال میرے خیال میں شرعی طور پر نامناسب ہے۔

صفحہ نمبر ۳۸۱ پر سید نظیر حسین عابدی صاحب کی نعت ہے۔ اس کے دوسرے شعر کا مصرع ثانی بحر سے خارج ہے کیوں کہ لفظ ”نہ“ تقطیع میں ایک حرفی شمار ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے دو حرفی

استعمال کیا ہے۔ چھٹے شعر میں ”وہی“ کا تلفظ غلط ہے۔ اس لفظ میں حائے حلیٰ پر جزم ہوتا ہے۔ مقطع کے پہلے مصرع میں ”میری“ کی جگہ ”مری“ ہونا چاہیے مگر یہ کیپوزنگ کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس قسم کی غلطیاں اس شمارے میں بہت ہیں۔ مقطع کے دوسرے مصرع میں ”نظیر عابدی“ کی ”ع“ ساقط ہے۔

صفحہ نمبر ۳۸۵ پر جمال نقوی صاحب نے چھٹے شعر میں لفظ ”قرآن“ فاعل کے وزن پر باندھنا ہے۔ جب کہ یہ مفعول کے وزن پر ہونا چاہیے۔

صفحہ ۳۸۶ پر افضل احمد انور صاحب نے دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں قافیہ ”مدح کناں“ استعمال کیا ہے جو کہ جمع ہے جب کہ یہاں واحد کا تقاضا تھا۔

صفحہ ۳۸۹ پر مقصود احمد تبسم صاحب کا کلام ہے۔ انھوں نے بالکل نئی زمین تراشی ہے جو مجھے بہت پسند آئی لیکن نویں شعر میں انھوں نے لفظ ”زیادہ“ فاعل کے وزن پر باندھا ہے جو کہ غلط ہے۔ اس کی وجہ سے مصرع خارج از بحر ہو گیا۔ یہ لفظ فاعل کے وزن پر ہونا چاہیے۔

صفحہ ۳۹۲ پر شاہد نعیم صاحب کے مقطع میں ایک ستم ہے۔ دوسرے مصرع میں ”مرے دل میں“ کی جگہ ”اس کے دل میں“ ہونا چاہیے۔ یہ مصرع یوں ہو سکتا ہے۔ ”اس کے دل میں کر دیے روشن محبت کے چراغ“۔

ڈاکٹر شمیم احمد گوہر صاحب اپنے خط میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مصرع ”اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے“ کے متعلق فرماتے ہیں:

یہ پورا مصرع ہی غلط نقل کیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اس بے بحر مصرع کا وزن تک بتاتے ہوئے اس کی تصحیح بھی کر دی گئی۔ فاعل مفاعیلین مفعول مفاعیلین۔ حالاں کہ مصرع یوں ہونا چاہیے تھا۔ ”اے بے کسوں کے آقا اب ہے تری دہائی“۔ اس کی بحر مضارع مثنیٰ اخب کے تحت مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن ہے اور رول مثنیٰ مکحول کے تحت فعات فاعلاتن فعات فاعلاتن ہے۔

سبحان اللہ کیا کہنے، قربان جائیے اس عروض دانی کے۔ محترم گوہر صاحب نے جو دو بحریں رقم فرمائی ہیں ان میں مؤخر الذکر بحر کا تو اعلیٰ حضرت کے مصرع سے کوئی تعلق بنتا ہی نہیں۔ رہی اول الذکر بحر تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اعلیٰ حضرت کی یہ نعت مفعول مفاعیلین

مفعول مفاعیلین کے وزن پر ہی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ مذکورہ مصرع کا پہلا ٹکڑا ذوالبحرین ہونے کی وجہ سے مفعول قاعلاتن کے وزن پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ مزید تسلی کے لیے ”نعت رنگ“ شمارہ نمبر ۱۲ میں صفحہ نمبر ۱۳۷ پر ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مضمون ”اشعار نعت اعتراضات کی حقیقت“ اور راقم الحروف کے خط کے مندرجات کا مطالعہ فرمائیں۔ میں نے اپنے مذکورہ خط میں میر تقی میر اور فانی بدایونی کے اس قسم کے اشعار بطور حوالہ درج کیے ہیں۔

صفحہ نمبر ۲۷۸ پر احمد صغیر صدیقی صاحب اعلیٰ حضرت کا ایک شعر اور ۳ متفرق مصرعے لکھ کر فرماتے ہیں، ”دی ہوئی مثالیں شعریت کی صفت کو اُجاگر کرنے والی نہیں بلکہ مجروح کرنے والی ہیں۔“ صدیقی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ ان میں شعریت کی کون سی صفت مجروح ہوئی۔

صفحہ نمبر ۲۸۰ پر محترم پروفیسر قیصر نجفی صاحب نے میر تقی میر سے منسوب ایک ایک روایت کا ذکر کیا ہے مگر اس کی حیثیت من گھڑت افسانے سے زیادہ نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدائے سخن کا مصرع بحر میں ہے اور ”خیال“ کی ”ی“ گرنے کا خیال ہی دل سے نکال دینا چاہیے بلکہ اس کی جگہ ”ہی“ کی ”ی“ گرائیں میر کی یہ غزل جس بحر میں ہے اس کے ارکان مندرجہ ذیل ہیں:

فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن / قاع

اس بحر میں زحافات بہت ہیں جن کے استعمال کے بعد شعر کی تقطیع اس طرح ہوگی:

فعل	قاع	فعلن	قاع	فعلن	فعل	فعل	قاع
میا	رام	میا آ	چمن	پڑا ہے	خیال	برے ہی	عشق
فعل	قاع	فعلن	قاع	فعلن	قاع	فعلن	فعلن
میا	شام	میا یا	صبح	گیا ہے	ظہر	جانا	دل کا

پروفیسر نجفی صاحب نے صفحہ ۲۸۲ پر لفظ ”آذر“ کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ ”آذر“ (”ذ“ کے ساتھ) کے معنی چنگاری یا آگ کے ہیں جب کہ لفظ ”آزر“ (”ز“ کے ساتھ) اسم معرفہ ہے اور یہ وہی تاریخی کردار ہے جس کا ذکر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ آتا ہے۔ ملاحظہ ہو، قرآن مجید کا ساتواں پارہ (سورۃ النعام کی آیت نمبر ۷۵)۔

مجید فکری۔ کراچی

اس وقت ”نعت رنگ“ کا پندرہواں شمارہ زیرِ نظر ہے جس کی ابتدا حمدِ باری تعالیٰ (احمد صغیر صدیقی) سے کی گئی ہے۔ ابتدائیہ میں آپ نے خود اس شمارے میں شامل شرکاء اہل قلم کا تعارف اور ان کی نگارشات پر رنگارنگ تبصرہ پیش کر دیا ہے جو غالباً آپ کی ادارتی ذمہ داری کا حصہ ہے۔ لیکن میں اگر یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ بعض نعت گو شعرا نے نعت لکھنے سے زیادہ تنقیدِ نعت پر زیادہ توجہ دینا شروع کر دیا ہے اور جس طرح کہا جاتا ہے کہ ایک بگڑا ہوا شاعر مرثیہ نگار بن جاتا ہے میں یہ کہوں گا کہ بگڑے ہوئے بھٹکے ہوئے نعت گو شعرا تنقید نگار نعت بنتے جا رہے ہیں، مثلاً احمد صغیر صدیقی صاحب، پروفیسر شفقت رضوی صاحب اور شارق جمال صاحب جو غالباً نعتیں کم لکھتے ہیں اور نعت پر اور نعت گو شعرا پر تنقیدیں زیادہ کرتے ہیں۔ معاف کیجیے میں نے ان حضرات کے اسمائے گرامی ذاتی پر خاص یا ذاتی دشمنی یا عناد کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے تنقیدی مضامین اور خطوط میں شامل ان کے تنقیدی اظہار سے اخذ کیے ہیں۔

احمد صغیر صدیقی صاحب جو نعتِ رسول ﷺ کی بابت شعرائے کرام کو محتاط رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو ان کے خط سے ایک مختصر پیرا گراف جو انھوں نے مولانا کوکب لورانی کی اصلاحِ احوال سے متعلق رقم کیا ہے اور خاص کر مذہب کو ہدفِ تنقید بنانے میں بھی گریز نہیں کیا۔ فرماتے ہیں، ”میں تو خوفِ زدہ ہو کر اب مذہب کو پڑھ ہی نہیں رہا ہوں۔ پس جتنا پڑھ لیا اسی نے دماغ خراب کر دیا ہے۔ میں اب اپنے مذہب کی چند موٹی موٹی باتوں تک محدود رہتا ہوں۔ نماز، روزہ، حج تک محدود رہتا ہی اچھا ہے۔“

گویا موصوف دیگر ارکان کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے! یعنی کلمہ طیبہ کا اقرار اور زکوٰۃ سے انحراف بھی کرتے ہیں... اب ان صاحب کو کون سمجھائے کہ بھائی! آپ خود بھی مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کا مذہب ظاہر ہے اسلام ہی ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ اسی مذہب نے آپ کا دماغ خراب کر دیا ہے تو اب آپ ہی بتائیے کہ بھلا آپ خراب دماغ کے ساتھ کس طرح اچھے برے میں تمیز کر پائیں گے؟

مجھے ان صاحبان سے متعلق حافظ عبدالغفار حافظ کا خط جو پیش نظر شمارے میں شامل ہے بہت پسند آیا جس میں انھوں نے مذکورہ حضرات کے اعتراضات کے بڑے معقول جوابات

لکھے ہیں اور بعض مشاہیر اہل قلم اور مسلم الثبوت اساتذہ سخن کی آرا کے حوالے سے کچھ دلائل بھی دیے ہیں۔ لہذا ان حضرات کو یہ خط بغور پڑھنا چاہیے اور اپنا خود محاسبہ کرنا چاہیے کہ وہ محض تنقید برائے تنقید کی بجائے تنقید برائے اصلاح کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ مجھے تو بعض تنقیدیں پڑھ کر ان میں تعصب تک کی بونظر آتی ہے۔

نقاد بن گئے ہیں مگر شاعرانِ عصر
کرتے نہیں ہیں فن کی کوئی بات آج کل

”نعت رنگ“ کے شمارہ ۱۵ میں شامل سب سے پہلا مضمون ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا تحریر کردہ ہے جو ان کی ماضی کی یادداشتوں پر مشتمل ایک ایسا معلوماتی مضمون میں ہے جس میں ہمیں عہدِ ماضی میں نعت اور نعت گو شعرا کے ادبی شعور اور محبتِ رسول ﷺ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ماضی میں لکھی جانے والی نعتوں کا فاضل مضمون نگار کے ذہن میں رچ بس جانا اور ان کے ذہن میں ابھی تک گونجنا اس بات کی کامل دلیل ہے کہ ماضی میں نعت پر جو کچھ کام ہو چکا ہے وہ عصرِ حاضر کے نعتیہ ادب والے کام سے کسی طور پر کم یا نا کافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم میں لکھی جانے والی نعتیں، حمدیں اور سلام اب تک زبانِ زد خاص و عام ہیں۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے ظہورِ قدسی کا جو پس منظر بیان کیا ہے اور اس ضمن میں اردو نعت کے جو حوالے دیے ہیں اس سلسلے میں کچھ اور بھی شعرا کے نعتیہ کلام کو پیش کیا جاسکتا تھا۔ ان کے مضمون کے اختصار سے ان کا مضمون ذرا تشنہ سا محسوس ہوا۔ البتہ نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری کے عنوان سے ڈاکٹر عاصی کرنالی کا مقالہ ایک جامع اور مدلل تحریر ہے۔ جب کہ اسی موضوع سے مماثلت رکھتا ہوا راجا رشید محمود صاحب کا مضمون بعنوان ”منظوم سراپائے حضور ﷺ“ ایک اچھی کوشش ہے۔

”اردو میں منظوم سیرت نگاری“ کا جائزہ منصور ملتانی صاحب نے پیش کیا ہے۔ جو ایک قابلِ قدر تجزیہ ہے اور اس کے لیے منصور ملتانی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔

”مطالعاتِ نعت“ کے بات میں سب سے اوّلین اور خصوصی تحریر جو بظاہر ایک جائزہ پر مشتمل ہے وہ ہے ”برصغیرِ پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری“ اس کے خالق ہیں پروفیسر علی حسن صدیقی، یہ ایک معلومات اور تاریخی مطالعہ نعت کے حوالے سے بہترین تجزیہ ہے جس کے مطالعے سے واقعی برصغیرِ پاک و ہند کے نعت گو شعرا اور ان کی کاوشوں کا پتا چلتا ہے اور نعتیہ

شاعری کا مختلف ادوار مثلاً مغلیہ دور میں نعتیہ شاعری کس نہج پر تھی نیز مغلیہ بادشاہوں نے اس شعری ادب سے کس طور پر تعاون کیا وغیرہ وغیرہ معلومات افزا باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ میرا مشورہ اگر درخور اعتنا سمجھا جائے تو پروفیسر صاحب کی تحریروں سے ”نعت رنگ“ کے قارئین کو ضرور مستفیض کیا جائے۔

عزیز احسن صاحب کا چند منتخب نعتیہ کتب پر تبصرہ بھی لائق تحسین ہے۔ حسن اتفاق ہے کہ عربی نعتیہ شاعری کے تجزیہ کے فوراً بعد ہی فارسی حمد و نعت کا تجزیہ اور تعارف پروفیسر شفقت رضوی نے پیش کیا ہے جو کہ پروفیسر عاصی کرناٹی کے پی ایچ۔ ڈی کے ایک مقالے سے متعلق ہے۔ یہ سیر حاصل تبصرہ بڑا جامع اور ٹھوس ہے۔ یقیناً جلدیہ، پروفیسر شفقت رضوی نے اپنے اس تجزیاتی اور تعارفی مضمون میں اتنے بھلے اور ایک غیر جانب دارانہ ناقد کی حیثیت سے عاصی کرناٹی کی تعریف کی ہے کہ یقیناً ہی نہیں آتا کہ وہ تنقید کے بھی قائل ہیں۔

صہج رحمانی صاحب ایک بات آپ سے بھی عرض کرنی ہے کہ آپ نے تنقید نعت کے گوشے کو ہوا دے کر بعض ناقدین نعت کو اس قدر اُکسایا ہے کہ وہ دن رات نعتیہ شعری ادب خصوصاً نعت کی تنقید پر کمر کس کے بیٹھ گئے ہیں اور بے شمار خطوط اور مضامین نعت کی تنقید پر لکھ رہے ہیں اور اس طرح اس گوشے کو فروغ حاصل ہو رہا ہے کہ نعت گو شعرا نے نعتیں لکھنے کی بجائے نعت پر تنقیدیں لکھنا شروع کر دی ہیں۔

میرے خیال میں ”نعت رنگ“ کا اجرا محض تنقید نعت لکھنے کے لیے نہیں بلکہ نعت اور نعتیہ شعری ادب کو فروغ دینے، نعت گو شعرا کی ہمت افزائی کرنے اور جدید نعت نگاری کی طرف توجہ مرکوز کرانا تھا اور یہ مقصد کسی حد تک پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے بلکہ ”نعت رنگ“ کے گزشتہ ۱۵ شمارے اس بات کا بین ثبوت ہیں اور اس بات کے غماض ہیں کہ ان شماروں میں معیاری نعتیہ ادب اور نعتیہ شاعری شائع ہوئی ہے جسے برصغیر پاک و ہند میں بلکہ دنیا بھر میں قابلِ قدر کارنامے کے طور پر سراہا گیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر پاک، اُن کے اوصاف حمیدہ کا نمایاں اظہار نئے نئے موضوعات اور اُچھوتا انداز تحریر، نعت نگاری پر تحقیقی اور تخلیقی مقالے اور تاریخی مضامین اور نعتیہ شعر ادب کے بعض چھپے ہوئے گوشوں سے پردہ چاک کی اور بے شمار قدیم کتب کے حوالہ جات کیا

اس بات کا واضح ثبوت نہیں ہیں کہ ”نعت رنگ“ کی وساطت سے آپ نے اللہ کے سب سے محبوب بندے اور رسول ﷺ کے بارے میں ایک ایسے باب کو دیا جس سے شیدائیانِ رسول ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ میں تو یہ کہوں گا کہ ”نعت رنگ“ ایک دینی نصاب کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اکتساب و فیض ہم سب پر لازم ہے۔ یہ ایک روشنی کا سفر ہے جس میں آپ نے ہم سب کو شامل کر لیا ہے۔ ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

نعت رنگ کے نصاب دینی سے
کسی علم و ہنر کیا ہم نے
روشنی کی تلاش تھی ہم کو
روشنی میں سفر کیا ہم نے
(نکری)

اب آئیے ذرا ”نعت رنگ“ میں شامل خطوط کی طرف، ”نعت رنگ“ میں شامل خطوط کا حصہ کافی طویل ہوتا جا رہا ہے بلکہ بعض خطوط تو اتنی طوالت اختیار کیے ہوئے ہیں کہ اچھے خاصے مضامین معلوم ہوتے ہیں۔ حالاں کہ یہ شعبہ ”نعت رنگ“ میں شامل مواد سے متعلق مختصر اظہار خیال، ہلکے پھلکے تبصروں کے لیے مختص ہونا چاہیے بلکہ پہلے کبھی تھا مگر یاروں نے اسے بھی محض تنقید کا میدان کا رزار بنا دیا ہے بلکہ بعض خطوط تو ۵۰-۶۰ صفحات سے بھی تجاوز کر گئے ہیں اور ان خطوط میں ایک دوسرے پر کچڑ اچھالنے یا پھر علیت اور قابلیت کا زعمب جھاڑنے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔

صبحِ رحمانی صاحب! میں آپ کی صبر و استقامت اور درگزر کی داد دیتا ہوں کہ آپ یہ سب کچھ برداشت کر رہے ہیں اور زباں پر حرف شکایت تو کیا خود پر بھی بے جا تنقید گوارا کرتے ہیں۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ ”نعت رنگ“ کی اشاعتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا اور قابلِ اشاعت مواد کو منتخب کرنا، پریس کے طباعتی مراحل اور اشتہارات کی حصول جیسے صبر آزما حالات و مراحل کس قدر کشن جگر کاری اور محنت و مشقت طلب ہوتے ہیں اس کے باوجود بھی آپ ماتھے پر تل نہیں لاتے اور دوستوں کے مخالفانہ رویے کو برداشت کرتے ہیں۔

خداوندِ تعالیٰ آپ کو مزید صبر و استقامت بخشے۔ آمین۔ آمین

پروفیسر فیض رسول فیضان۔ گوجرانوالہ

نعت کی اشاعت کے لیے سراپا سپاس اور شکر گزار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگ ”نعت رنگ“ کے ذریعے نعتیہ ادب کے فنی معیارات کو جن بلند یوں سے ہم کنار کرنے کی مساعی جمیلہ فرما رہے ہیں اُس کا کما حقہ اجر جمیل تو آپ کو بارگاہ خداوندی (عزوجل) ہی سے عطا ہوگا تاہم اس دنیا میں بھی خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی، مذہبی اور اسلام پسند حلقوں کی طرف آپ کے لیے جو نعرہ ہائے تحسین و آفرین بلند ہو رہے ہیں آپ اور آپ کے جملہ رفقاءِ تدوین و ادارت اُن کے بجا طور پر مستحق اور سزاوار ہیں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ایک بات کا خاص خیال رکھیں کہ نعت گوئی کے باب میں شرعی اعتبار سے بعض بے جا تحفظات رکھنے والے مکاتیب فکر کو اتنی بھی کھلی جھوٹ نہ دے دی جائے کہ وہ فن و ادب کی آڑ میں امتناعِ نعت کی شاہراہِ مذموم پر کھل کھیلنا شروع کر دیں۔

مزید کیا عرض کروں؟ مخدومی محمد اکرم رضا اور قبلہ گاہی محمد کوب نورانی اوکاڑوی کو رسالت مآب ﷺ کے عشق و عقیدت میں رہتی بسی ایمان افروز اور باطل سوز تحریر میں سپردِ قلم کرنے پر ”نعت رنگ“ کی وساطت سے تحریک و تشکر کے گہائے شاداب پیش کرتا ہوں۔

مگر قبولِ اقتد ہے عز و شرف

ایک نعتِ پاک اور سلامِ نیاز مندانہ پیش خدمت کرتے ہوئے اور آپ کے خامہ و گلو کے لیے مزید خیر و برکت کی دعائیں مانگتے اجازت چاہتا۔

مقصود احمد تبسم۔ دہلی

مدحتِ مقصود کائنات لکھنا، پڑھنا سننا، اور اس میں گم رہنا یہ سب خوش بختی اور نعمت ہے۔ نعت رنگ کے شماروں کا ایک عرصے سے مطالعہ کر رہا ہوں مئی ۲۰۰۳ء کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے۔ اس میں پہلی بار مجھ جیسے کم علم کی لکھی ہوئی نعت شائع ہوئی تو قرطاسِ ذہن پر ایک سوال ابھرا کہ آیا نعتِ سرور کا مقام بلند ہے یا شاعر کا؟ وجدان نے جواب دیا جس صاحبِ عزو علا کی نعت لکھتے ہو اس سے بڑھ کر عالی مرتبت اور کون ہے؟ جو بعد از خدا سب سے زیادہ

بزرگ اور عظیم و برتر ہے اس کی شان میں لکھی جانے والی نعت پہلے افضل ہے شاعر بعد میں۔ حقیقت کیا ہے؟ دراصل نعت افضل ہے۔ اور نعت لکھنے کا صدقہ، لکھنے والے کا بھی نام ہو جاتا ہے۔ ”نعت رنگ“ کے شماروں میں نعت کے اوپر درمیان میں جہاں نعتیہ اشعار کا کوئی عنوان درج ہونا چاہیے یا مدحت سرور کائنات یا نعت رسول مقبول ﷺ لکھا جانا چاہیے، وہاں سب سے اوپر نعت پر شاعر کا نام جلی حروف میں لکھا جاتا ہے اور نعت کا عنوان یا تو لکھا ہی نہیں جاتا یا پھر شاعر کے نام کے نیچے۔ جیسا کہ مجھ ناچیز کا نام مقصود احمد تبسم موٹے حروف میں سب سے اوپر لکھا گیا ہے اور نعت کا عنوان لطین محمد اور درود شریف ﷺ چھوٹے سے حروف میں میرے نام کے نیچے لکھا گیا ہے۔ کتنا ہی اچھا ہو کہ نعت شریف کے اوپر درمیان میں نعت کا عنوان یا نعت شریف یا مدحت سرور کونین یا اسی نعت کا کوئی خوب صورت مصرع بطور عنوان لکھ دیا جائے اور شاعر کا نام نعت شریف کے آخر میں نیچے لکھا جائے یا کم از کم عنوان کے بائیں جانب تھوڑا نیچے لکھا جائے۔ چونکہ ”نعت رنگ“ میں نعت اور اس کے ادب کے گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، یہ پہلو بھی ایک ادب اور عقیدت کا پہلو ہے۔ امید ہے آپ توجہ فرمائیں گے۔

محمد علی صدیقی۔ بھارت

بہ ہزار دقت کبھی کبھی ”نعت رنگ“ کے شمارے مل جاتے ہیں۔ ”نعت رنگ“ میں شامل تمام مواد جس میں نعت پر تحقیقی مقالے، نعت کی تواریخ، نعت کی اہمیت و افادیت، اس کا دینی و روحانی پس منظر، حوالہ جات اور فنی ضروریات پر مبنی مضامین یقیناً آپ کی سعی جیلہ کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایسا پُر مغز جریدہ شائع کرنے کے لیے میری مبارک باد قبول کریں۔ یہ ایک اہم دینی اور ادبی کام ہے التفاتی کا شکار تھا جس کی طرف آپ نے توجہ دی اور ”نعت“ کو اردو ادب میں ایک صنف کی حیثیت دلانے میں آپ کی کوشش ان شاء اللہ ضرور اثر پذیر ہوگی۔ اپنی تمام دیدہ زبانی، ادبی اور علمی معیار رکھنے کے علاوہ آپ کا جریدہ اس لیے بھی اہم ہے کہ رسول مکرم ﷺ کے وہ شیدائی جو اپنے مخصوص ڈھنگ سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، ان سب کو ایک کڑی میں جوڑتا ہے۔ اللہ جل شانہ اپنے حبیب کے صدقے میں آپ کی کاوش کو قبولیت عطا کرے اور آپ کو مزید کامیابیوں سے ہم کنار کرے۔ آمین

مزید عرض ہے کہ حقیر اپنی نعتوں کا مجموعہ بہ عنوان ”الصلوة والسلام“ کی دو جلدیں

آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہے۔ جیسا ہے جو کچھ ہے آپ کے سامنے ہے۔ آپ سے اس پر ”نعت رنگ“ میں تبصرے کی گزارش ہے۔ اُمید ہے کہ میری گزارش قبول فرما کر ”نعت رنگ“ کی قریب ترین اشاعت میں شامل کریں گے۔ اس عنایت کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔ جس شمارے میں آپ تبصرہ شائع کریں اس کی صرف اطلاع بذریعہ خط مجھے دینے کی زحمت کیجیے گا۔ میں کسی ذریعے سے شمارہ حاصل کر لوں گا۔ شکریہ



”نعت ریسرچ سینٹر“ کو موصول ہونے والی کتب

﴿ادارہ کتب ارسال کرنے والوں کا شکریہ ادا ہے﴾

پروفیسر محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

کتاب	مصنف / مرتب	ناشر
مفیض (حمد نمبر)	محمد اقبال نجمی	فروغ ادب اکادمی، گوجرانوالہ
مرکز تجلیات (تذکرہ)	محمد اکرم رضا	عباسی پبلی کیشنز، گوجرانوالہ
مہک (ادبی مجلہ)	محمد اکرم رضا	گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ

ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا)

ادب عرش (نعتیہ مجموعہ عکسی)	ادب یعقوبی	الیاس ٹریڈرس، حیدر آباد دکن
زیر خالص (نعتوں کا انتخاب)	شہاب کاظمی	مسلم فاؤنڈیشن آف نارٹھ امریکا
محمد عارفین خان (کراچی)		
مجلہ عشقِ حسان	محمد عارفین خان	فروغ عشقِ حسان نعت کونسل، کراچی
سرچشمہ حمد (حمدیہ مجموعہ)	سائرہ حمید تشنہ	اسلامک بک ویژن
کتنا ہے احترامِ خدا (حصہ اول)	سائرہ حمید تشنہ	اظہار سنز پرنٹرز، لاہور
کتنا ہے احترامِ خدا (حصہ دوم)	سائرہ حمید تشنہ	اظہار سنز پرنٹرز، لاہور
کتنا ہے احترامِ خدا (حصہ سوم)	سائرہ حمید تشنہ	عمران بک اسٹال، لاہور
کتنا ہے احترامِ خدا (حصہ چہارم)	سائرہ حمید تشنہ	ادارہ منشورات اسلامی، لاہور

رزاق افسر (میسور - بھارت)

اعتراف (مجموعہ حمد، نعت، مناقب)	رزاق افسر	بزم اردو، میسور، بھارت
آبشار (حمد، نعت، مناقب)	رزاق افسر	بزم اردو، میسور، بھارت

محمد زکریا شیخ الاشرفی (کراچی)

سلام بدرگاہ خیر الانام محمد ابرار حسین مسرور کیفی نعت اکیڈمی، کراچی
جذبات حامد (جلد اول)

(حمہ نعت، مناقب) مولانا محمد عبدالحامد بدایونی محمد شاہد عامر قادری، کراچی
اک دعا پراثر ہوگئی کاظم حسین کاظمی دارالخلاص، ریلوے روڈ، لاہور

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی)

الخطیب شمارہ ۱ (عالمی سنی ڈائریکٹری) مولانا کوکب نورانی مولانا اوکاڑوی اکادمی، کراچی
محمد حنیف نازش قادری (کاموٹے)

آبرو (مجموعہ نعت) محمد حنیف نازش قادری ایوان شعر و ادب کاموٹے

محمد عبدالرحمن صدیقی (جاپان)

جستوائے نعت (مجموعہ نعت) محمد عبدالرحمن صدیقی انٹرنیشنل مسلم سینٹر، جاپان

فہیم ردولوی (کراچی)

آہنگ اذال (مجموعہ نعت) فہیم ردولوی رہبر پبلشرز، اردو بازار، کراچی

گوہر ملیانی (صادق آباد)

جذبات شوق (مجموعہ نعت) گوہر ملیانی گوہر ادب، پہلی کیشنز، صادق آباد

آفتاب کریمی (کراچی)

سفیر نعت ۴ (محسن کاکوروی نمبر) آفتاب کریمی آفتاب اکیڈمی، کراچی

عبدالمنان طرزی (بھارت)

رفتگاں و قاتلماں

(درجہ نگار کی منظوم ادبی تاریخ) عبدالمنان طرزی نرالی دنیا پہلی کیشنز، نجی دہلی، بھارت

طارق رحمن فضلی (کراچی)

دبستانوں کا دبستان کراچی (تذکرہ) احمد حسن صدیقی فضلی بک سپر مارکیٹ، کراچی

انتخاب کلام سلطان باہو	ایس ایم شاہد	پاک عرب ریفرنری لمیٹڈ
انتخاب کلام بابا فرید	ایس ایم شاہد	پاک عرب ریفرنری لمیٹڈ
انتخاب کلام شاہ حسین	ایس ایم شاہد	پاک عرب ریفرنری لمیٹڈ
انتخاب کلام بلھے شاہ	ایس ایم شاہد	پاک عرب ریفرنری لمیٹڈ
نعتوں کا انتخاب	محبوب الرحمن انور	طیب پبلشرز، اردو بازار، لاہور

طاہر سلطانی (کراچی)

جہان حمد (شمارہ ۱)	طاہر سلطانی	جہان حمد پبلی کیشنز، کراچی
جہان حمد (شمارہ ۱۲)	طاہر سلطانی	جہان حمد پبلی کیشنز، کراچی
انتخاب مناجات	طاہر سلطانی	جہان حمد پبلی کیشنز، کراچی

راجا رشید محمود (لاہور)

ماہنامہ ”نعت“ لاہور	شمارہ اپریل ۲۰۰۳ء (تبیح نعت)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ”نعت“ لاہور	شمارہ جون ۲۰۰۳ء (مباح نعت)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ”نعت“ لاہور	شمارہ جولائی ۲۰۰۳ء (طرحی نعتیں)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ”نعت“ لاہور	شمارہ اکتوبر ۲۰۰۳ء (طرحی نعتیں)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ”نعت“ لاہور	شمارہ نومبر ۲۰۰۳ء (احرام نعت)	راجا رشید محمود
ماہنامہ ”نعت“ لاہور	شمارہ جنوری ۲۰۰۴ء (ردائف نعت)	راجا رشید محمود
مناقب خواجہ غریب نوازؒ	راجا رشید محمود	مرکز معارف اولیاء، لاہور

حفیظ تائب (لاہور)

کوثریہ (مجموعہ نعت)	حفیظ تائب	القمر انٹر پرائزز، لاہور
---------------------	-----------	--------------------------

قمر وارثی (کراچی)

پرتو ماہ تمام (مجموعہ نعت)	شوکت قادری	دبستان وارثیہ، کراچی
حاصل زندگی (مجموعہ نعت)	سید شمس وارثی	دبستان وارثیہ، کراچی
وابستگی (انتخاب نعت)	قمر وارثی	دبستان وارثیہ، کراچی

مولانا ثار علی اجاگر (کراچی)

سدا بہار نعتیں (انتخاب نعت) ثار علی اجاگر دعوت اسلام پہلی کیشنز، کراچی

شبیر احمد انصاری (کراچی)

توثیق (مجموعہ مضامین) اطہر عباسی حرافاؤنڈیشن، کراچی

بیٹاق (مجموعہ نعت) سرشار صدیقی حرافاؤنڈیشن، کراچی

ڈاکٹر جاویدہ حبیب (بھارت)

نمل ناڈو میں نعت گوئی (تذکرہ) علیم صبانویدی نمل ناڈو اردو پہلی کیشنز، بھارت

عبدالعزیز خالد (لاہور)

فارقلیط (پانچواں ایڈیشن) عبدالعزیز خالد کتابستان بک گیلری، لاہور

صاحبزادہ تسلیم احمد صابری (کراچی)

سیدنا (مجموعہ نعت) سلیم گیلانی علم و عرفان پہلی کیشنز، لاہور

فیضان کرم (مجموعہ نعت) خواجہ عابد نظامی الفیصل، اردو بازار، لاہور

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ

(انتخاب نعت) ہارون احمد یوسفی اپنا ادارہ، لاہور

شاہ انجم بخاری (حیدرآباد)

کجری (نعتیہ مجموعہ) ظافر تشنہ شاعر، حیدرآباد، سندھ

پروفیسر محمد اقبال جاوید (گوجرانوالہ)

قرآن حکیم اردو منظومات

کے آئینے میں پروفیسر محمد اقبال جاوید علم و عرفان پبلشرز، لاہور

